DAMAGE BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_224717
UNIVERSAL
LIBRARY

مرتبہ مس ع
ان گ ریم ۲۰۶۵

المعلم ۳۷ ع

جلد سوم | ماہ آذر سنہ ۱۳۳۶ ف | نمبر (۴)

مدیر ..... محمد سجاد مرزا۔ ایم۔ اے (کنٹب)

شریک مدیر ..... محمد عظمت اللہ خاں بی۔ اے

اعظم اسٹیم پریس چارمینار

حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہوں گے سیاسی یا مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائینگے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شایع ہوا کریگا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہونگے ان کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (۱۲) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائیگی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ پانچ آنہ کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائیگا۔

(۷) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہیئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہیگی۔

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے رقم وصول ہونے پر اشتہار طبع کئے جائینگے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	۱۰	۸ر	۴ر
سہ بار	۲۷	۱۴	۸ر
ششماہ	۶۰	۳۲ر	۱۸
سالانہ	۱۱۲	۶۰	۳۲ر

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ موسومہ شریک مدیر پتہ ذیل پر ہونی چاہیئے۔

محمد عظمت اللہ خاں بی۔ اے شریک مدیر

دفتر رسالہ المعلم بلگرامی ہوز سانچ قوپ

حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مندرجات

المعلم

(۱) مبتدیوں کی اردو نوشت خواند نمبر ۴	مولوی محمد حسین صاحب ایم اے۔ بی۔ ایس۔ ٹی۔ ڈی صدر مدرس مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ بیدر	(۱ تا ۱۹)
(۲) ڈال ٹنی تجربہ خانہ والی تجویز نمبر ۳	ترجمہ	(۱۹ تا ۲۰)
(۳) اردو طباعت کا نیا دور	شریک مدیر	(۲۰ تا ۲۲)
(۴) عجائب حساب نمبر ۲	مولوی نصیر الدین صاحب بی بی سی ڈگار پروفیسر کلیہ جامعہ	(۲۲ تا ۲۷)
(۵) تبصرہ۔ (ریاست کوچین کی تعلیمی رپورٹ	شریک مدیر	(۲۷ تا ۳۱)
(۶) شذرات۔		(۳۲ تا ۳۶)

جلد (۳) | بابتہ ماہ آذر سنہ ۱۳۳۶ ف | نمبر (۴)

مبتدیوں کی اردو نوشت و خواند

نمبر (۴)

طریق بین وگو انگریزی حروف تہجی کی خامی۔ نظام ہجائی کی بے قاعدگی۔ اور تلفظ کی آوارگی کا لحاظ کرتے ہوئے انگریزی ماہرین فن تعلیم نے طریق تہجی کو خیرباد کہکر ایک نیا طریقہ سوچ نکالا ہے جو "طریق بین وگو" کہلاتا ہے اور پہلے طریق کے بالکل برعکس ہے۔ اس طریق کے تحت مبتدیوں کو پہلے حروف تہجی نہیں سکھائے جاتے اور نہ ہجے طریق بین وگو میں جو اصول مدنظر رکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ بچہ پہلے لفظ کو بغور سنے اور اس کے معنی سمجھے اور پھر اس لفظ کی لکھی یا چھپی ہوئی علامت کو شناخت کرے۔ اس طریق کے تحت پہلے وہ شئے لڑکوں کو دکھائی جاتی ہے جس کا نام سکھانا منظور ہو۔ فعل کی حالت میں اس فعل کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ شئے متمضرہ کا نام لڑکوں

سے دریافت کیا جاتا ہے۔ اس کے خواص۔ فوائد اور استعمال کے متعلق بچوں سے گفتگو کی جاتی ہے جب اُس شئے سے لڑکے بخوبی واقف ہو جاتے ہیں تو اس لفظ کا صاف اور صحیح تلفظ بتایا جاتا ہے۔ اِس کے بعد اس لفظ کی تحریری علامت لڑکوں کو دکھائی جاتی ہے جو پہلے سے تختۂ سیاہ پر بنی ہوئی ہوتی ہے۔ لڑکے لفظ کی علامت کو بغور دیکھتے ہیں۔ بعدہٗ ہوا میں انگلیوں کو حرکت دیکر اس علامت کی نقل کرتے ہیں۔ پھر کاغذ۔ سلیٹ یا تختی پر نقل اتارتے ہیں۔ اس طرح جب وہ کئی الفاظ سیکھ لیتے ہیں تو اُن کا باہمی مقابلہ کرتے ہیں۔ مماثل اجزاء دریافت کرتے ہیں اور ان کی آواز یاد کر لیتے ہیں۔ الغرض وہ الفاظ پڑھنے کے اثنا میں انکے اجزاء یا حروف کو خود بخود پہچان جاتے ہیں۔ لیکن ابتداء میں حروف الگ الگ نہیں سکھائے جاتے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ طریقہ ٹھیک قدرت کے مطابق اور اس لئے سب سے بہتر ہے کیونکہ بچہ فطرتاً الفاظ کو سُن سُن کر بولنا سیکھتا ہے نہ کہ حروف کی الگ الگ آواز سنکر۔ اس لئے نوشت و خواند کی تعلیم میں بھی اس قدرتی طریقہ کا تتبع ضروری امر ہے۔ لہذا مبتدیوں کو حروف کے بجائے الفاظ سکھانے چاہئیں لیکن فی الحقیقت "قدرت" "قانون قدرت" "فطری حالت" وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جو یورپ کی کورانہ تقلید کے باعث ہمیشہ ہمارے ورد زبان رہا کرتے ہیں۔ روسو نے تہذیب و تمدن کی برائیاں اور عہد توحش کی خوبیاں بیان کرنے میں اسقدر غلو و مبالغہ سے کام لیا ہے کہ عہد بربریت کا وحشی انسان اس کی نگاہ میں معصومیت کا مجسمہ ہے۔ اُس نے "ہیئت فطری" کی خیالی معصومیت اور فرضی حظ و انبساط کو ایسے شد و مد سے بیان کیا ہے کہ ایک صاحب بصیرت طنزاً چلا اٹھا کہ "تمہارے دلائل و براہین پڑھ کر سیر ہی چاہتا ہے کہ چاروں ہاتھ پاؤں پر رینگتا پھروں"۔ چند روز ہوئے اخبار میں یہ خبر شایع ہوئی تھی کہ جرمنی میں فلاسفہ کی ایک جماعت قائم ہوئی ہے جس میں شہر برلن کے بہتر تعلیم یافتہ اشخاص بحیثیت ارکان شریک ہو چکے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جسم کو ملبوس کرنا ایک غیر فطری فعل ہے۔ اس لئے اصول حفظان صحت کے خلاف ہے۔ چونکہ فطرت نے انسان کو

برہنہ پیدا کیا ہے لہٰذا کپڑا پہننا منشائے قدرت کے خلاف ہے۔ اس جماعت کے افراد کمال بے شرمی کے ساتھ مردوں اور عورتوں کی مجلسوں میں بے دھڑک برہنہ چلے جاتے ہیں ان کی آنکھوں سے حیا و شرم بالکل جاتی رہی ہے۔ "قدرت" اور "قانون قدرت" کی کورانہ اتباع کا یہی ارزاں نتیجہ ہوگا کہ انسان دوبارہ عہد توحش میں قدم رکھے اور صحرائی جانوروں کی طرح زندگی بسر کرے۔ مجھے اکثر شام کے وقت انگریزی تعلیم یافتہ احباب کے ساتھ ہوا خوری کا موقع ملا ہے۔ آبادی سے باہر جب کبھی ہم پارسیوں کے جھونپڑوں سے گزرے تو میں نے اپنے انگریزی تعلیم سے بہرہ یاب دوستوں کو اقوام یورپ کی تقلید میں پارسیوں کی سادہ طرز رہائش اور نام نہاد بیفکری کی زندگی پر حسرت بھری نگاہ ڈالتے پایا۔ وہ ان کی ظاہری فراغبال اور سطحی زندگی کو اپنی ہزاروں مخمصوں اور بکھیڑوں سے بھری ہوئی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں اور ان کے وحشیانہ طریقۂ رہائش کو قابل رشک ٹھہراتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر فی الحقیقت ایک جرائم پیشہ نیم عریاں پارسی کی زندگی شائستہ اور مہذب طرز زندگانی سے بہتر ہے تو ان انگریزی خیال حضرات کو اپنا عالیشان بنگلہ چھوڑ کر پارسیوں کے پڑوس میں ایک جھونپڑا بنا لینے اور انہیں کی طرح نیم برہنہ زندگی بسر کرنے سے کون منع کرتا ہے۔

"ہیئت فطری" کی نام نہاد سادگی و بیفکری پر جینے والوں کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ زندگی کے تلاطم خیز و طوفان آمیز سمندر میں بسم اللہ و مجریہا کہکر اپنی کشتی ڈالدینی اور کارزار حیات میں ثبات و استقلال کے ساتھ تمام تفکرات و ترددات۔ مخمصوں۔ بکھیڑوں اور ہجوم کار پر استقلا حاصل کرنا مردوں کا شعار ہے۔ زندگی کا ایک شاندار ہجوم آمیز لحظہ ہزاروں سال کی گمنام زندگی سے بہتر ہے۔ سر والٹر اسکاٹ نے اس نکتہ کو کس عمدگی سے چند اشعار میں ظاہر کیا ہے جس کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

بانگ دہل سے ذی حس عالم کو یہ جتا دو　　عزو شرف تمہارا اعمال نیک ہے[۲]

تمام زندگی کے قرنوں سے ایک لمحہ — سرگرمیوں سے معمور انسان خوبتر ہے

ہندوستان کے موجودہ گل سرسید شاعر ڈاکٹر اقبال نے اسی خیال کو بدیع الفاظ ادا کیا ہے

چہ باید مرد را۔ طبعے بلندے۔ شربِ نابے — دلِ گرمے نگاہِ پاکے۔ جانِ بے تابے

بہرحال ہمیں "قدرت" "قانون قدرت" "فطرت" اور اسی قماش کے دوسرے

نظر فریب الفاظ کے استعمال میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے جو طریقہ قدرتی کہلائے اسکا بہتر ہونا

بھی لازمی نہیں ہے تعلیم و تدریس کے متعلق ہمیں وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیئے خواہ وہ قدرتی ہو

یا وضعی جس پر کاربند ہونے سے وقت اور کوشش کے قلیل ترین صرفہ سے بچوں کو کثیر

ترین مفید معلومات بہم پہنچائی جاسکیں۔ ابتدائے آفرینش سے انسان کو قدرت سے

جنگ کرنی پڑی ہے۔ موجودہ تہذیب و تمدن قدرت پر فتح حاصل کرنیکا نتیجہ ہے۔ اگر

انسان خود کو محض نوامیس فطرت کا تابع بنادے اور ہر امر میں قدرت کی کورانہ تقلید اپنا

شعار بنالے تو اُسے پھر وحشت و بربریت کے تاریک دور میں عود کر جانا پڑیگا۔ ہم شروع

میں کہہ آئے ہیں کہ خود زبان و لسان قدرتی یا وہبی شے نہیں ہے بلکہ اکتساب و تحصیل

کا نتیجہ ہے۔ زبان قدرت کی القا کی ہوئی شے نہیں ہے۔ بلکہ انسانی کوششوں سے وہ معرض وجود

میں آئی ہے۔ پھر انسان ہی کے سکھانے سے بچہ زبان سیکھتا ہے۔ لہذا انسان کو چاہیئے کہ اپنی ایجاد

کردہ شے کو سکھانے میں وہ طریقہ اختیار کرے جس کے ذریعہ سے بچہ جلد زبان سیکھ لے۔ خواہ وہ طریقہ

قدرتی ہو یا غیر قدرتی۔ علاوہ بریں تجربہ شاہد ہے کہ قدرت انسان کو کوئی شے بہت دیر میں

سکھاتی ہے۔ مدرس کا کام ہے کہ وہ ایسے وسائل ڈھونڈ نکالے اور ایسی تدابیر اختیار کرے

جن کے توسط سے جو معلومات قدرتی طور پر عرصہ کے بعد حاصل ہوتی ہیں وہ بہت جلد بہم پہنچ

جائیں۔ تقریر کی طرح رسم خط اور طرز تحریر بھی کوئی قدرتی عمل نہیں بلکہ انسانی دماغ کی پیداوار ہے

اگر نشست و خواند کی تعلیم میں قدرتی طریقہ ہی کی تلاش ہو تو ہمیں موجودہ سہل النقش طریقہ تحریر

کو ہوا میں اڑا کر پھر قدیم طریقہ میں عود کرنا چاہیئے کیونکہ تحریر تصویری کا طریقہ موجودہ تحریر حروفی سے

کہیں بڑھ کر قدرتی ہے۔ جانور گھوڑا۔ اور گھوڑے کی تصویر میں جو قدرتی تعلق اور شابہت ہے وہ اُس جانور اور حروف سے لکھے ہوئے لفظ "گھوڑے" میں بالکل مفقود ہے۔ الغرض اس طومار سے صرف یہ بتانا ظاہر ہے کہ طریقہ بین وگو کا محض قدرتی اور تحلیلی ہونا اس کے تفوق اور ترجیح کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ طریق تہجی یا کوئی دوسرا طریق جو غیر فطری اور ترکیبی کہے جانے کے اگر نتائج کے لحاظ سے زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہو تو اُسے طریق بین وگو پر سابقت حاصل ہوگی اگرچہ آخرالذکر یورپ کے تمام عطا کردہ تمام قدرتی اسلحہ سے مسلح کیوں نہ ہو۔ علاوہ بریں یہ کہنا بھی غور طلب ہے کہ "بچے تقریری زبان الفاظ سُن سُن کر سیکھتے ہیں اور پورے لفظ کا تلفظ کرنے کی کوشش کرتے ہیں نہ کہ ایک ایک جُز کی۔ اس لئے وہ تھوڑے ہی عرصہ میں بولنا سیکھ لیتے ہیں۔ نظر برآں نوشت و خواند کی تعلیم بھی اسی اصول پر ہونی چاہیئے۔" ہر وہ شخص جس کو مطالعہ اطفال کا کافی موقعہ ملا ہو جانتا ہے کہ شروع شروع بچے مفرد آواز نکالتے ہیں۔ الفاظ کا تلفظ عرصہ دراز کی مشق کا نتیجہ ہوتا ہے۔ پہلے وہ ماما۔ بابا۔ دادا۔ اہا وغیرہ رٹتے رہتے ہیں۔ اگرچہ بچہ سیکڑوں بار لفظ "پانی" سنتا ہے۔ لیکن وہ اس کا تلفظ کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ جب اُسے پیاس لگتی ہے تو بجائے "پانی" کہنے کے وہ "مم" مانگتا ہے۔ البتہ بہت عرصہ کے بعد وہ الفاظ کا تلفظ سیکھنا ہے۔ لیکن وہ بھی ناقص اور ادھورے طریقے پر۔ اس قول میں کہ "بچہ جلد بولنا سیکھ لیتا ہے" کچھ بھی صداقت نہیں۔ ماں۔ باپ۔ بھائی۔ بہن۔ انا۔ وغیرہ کو وہ چھ میں گھنٹے بولتے ہوئے سنتا ہے۔ تب کہیں چار یا پانچ سال کے بعد ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں لکنت زبان کے ساتھ اپنی خواہشات و ضروریات ظاہر کرنے کے قابل ہوتا ہے لیکن علم کی روزانہ صرف چند ساعتوں کی کوشش سے وہ بہت جلد زبان میں ترقی کرنے لگتا ہے۔ طریق بین وگو کے حامی یہ بھی کہتے ہیں کہ اس طریقہ پر کاربند ہونے سے مبتدیوں میں کتاب پڑھنے کی قابلیت جلد پیدا ہو جاتی ہے۔ قرأت میں روانی آتی ہے اور بے قاعدہ الفاظ آسانی سے اور جلد یاد ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ مشق آخر انگریزی کی تعلیم میں کسی حد تک صحیح ہو جہاں نظام ہجائی بالکل بے قاعدہ ہوتا

لیکن اُردو میں بے قاعدہ الفاظ نایاب ہیں۔ یہاں الفاظ کے ہجے بالعموم یکساں ہوتے ہیں۔ چند الفاظ البتہ بے قاعدہ ملینگے مثلاً عیسیٰ۔ خود۔ بالکل وغیرہ۔ لیکن ان کا شمار مستثنیات میں ہے۔ دُنیا کا کوئی اصول یا قاعدہ ایسا نہیں ہے جس میں کچھ نہ کچھ مستثنیات نہ ہوں لیکن یہ کہنا کہ اس طریق سے پڑھنا بہت جلد آجاتا ہے۔ البتہ جو اعتراض آمیز قول ہے۔ نفس حقیقت اسکے بالکل برعکس ہے۔ بتائی ہوئی عبارت کو رواں پڑھنا کوئی تعریف کی بات نہیں۔ نئی عبارت کو جلد پڑھنا تو کجا شاید بچے بدیر بھی نہیں پڑھ سکتے۔ وہ صرف ان ہی الفاظ کو پڑھنے میں تیزی دکھائینگے جن کو وہ پہلے سیکھ چکے ہیں۔ جہاں کوئی نیا لفظ آیا کہ اُن پر "خود روحل" کا مقولہ صادق آیا۔ واقعہ ہے کہ اس طریق کے تحت بچوں کو نئے الفاظ کے تلفظ کی قابلیت پیدا ہوتی ہی نہیں علاوہ بریں انہیں سیکڑوں الفاظ کی علامتیں سیکھنی اور یاد رکھنی پڑتی ہیں جس سے ان کی قوت حافظہ پر ناقابل برداشت بار پڑتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس طریق کے تحت بچے پہلے الفاظ سُنکر سیکھتے ہیں۔ اُن کے معنی معلوم کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان الفاظ معلومہ کو اُن کے علامات سے تعلق دیکر پڑھنا سیکھتے ہیں یعنی وہ عام نفسیاتی اصول پر معلوم سے نامعلوم کی طرف بڑھتے ہیں۔ لیکن اس اصول کی صداقت تو ہر طریق پر منطبق ہوسکتی ہے۔ اگر مادری زبان کی تعلیم ہو رہی ہو تو لڑکا پہلے ہی سے سیکڑوں الفاظ جانتا ہے جنھیں وہ روز مرہ کی بول چال میں استعمال کرتا ہے۔ اب وہ صرف الفاظ کو پڑھنا اور لکھنا سیکھتا ہے۔ اگر اجنبی زبان کی تعلیم ہو رہی ہو تو پہلے نئے الفاظ کے تلفظ اور معنی ذہن نشین کرانے کے بعد پڑھنے لکھنے کی تعلیم دیجا سکتی ہے۔ الغرض معلوم سے نامعلوم کی طرف چلنے کا اصول صرف طریق بین وگوہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ سر سے تمام طریقوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ مادری زبان کی تعلیم میں طریق بین وگوہ پر کاربند ہونے سے مفید نتائج کما حقہٗ مرتب نہیں ہوتے۔ بچے سیکڑوں الفاظ کے معنی اور استعمال پہلے سے جانتے ہیں۔ لیکن اگر طریق بین وگو کے تحت ان کی علامتوں کی شناخت نہ کرائی گئی ہو تو وہ انھیں پڑھ نہیں سکتے۔ بخلاف اس کے اگر وہ اصول ہجائی سے واقف ہوں تو نئے الفاظ کو ہجے کرکے

وہ خود پڑھ لینگے ۔ الغرض طریق بین وگو کے تحت جب تک لڑکا سیکڑوں الفاظ کے علامات نہ سیکھ لے اس کو پڑھنا نہیں آسکتا ۔ لیکن الفاظ کے سیکڑوں علامات سیکھنے اور یاد رکھنے کے بجائے نظام تہجی کے صرف چند حروف ۔ ان کے اتصال ۔ اصوات اور طاقت سیکھ کر ان سے کام لینا کتنا سہل ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ الفاظ پڑھنے کے اثنا میں لڑکے خود بخود حروف سیکھ لیتے ہیں ۔ وہ ہیئوں الفاظ کا باہمی مقابلہ کرکے اُن کے اجزا یعنی حروف کی شکل اور آواز نکال لینگے ۔ لیکن پہلے بتایا جا چکا ہے کہ بچوں کے قوائے ذہنیہ بالکل خام اور ناقص ہوتے ہیں ۔ مشاہدہ کی قوت اس قدر کمزور ہوتی ہے کہ انسان کی تصویر بنانے میں ہاتھ جیسے مفید اعضا کو دکھانا بھول جاتے ہیں ۔ گھڑی کی تصویر میں دو کے بجائے پانچ سُوئیاں بناتے ہیں ۔ گھوڑے کے سات پاؤں کھینچتے ہیں ۔ بھلا ایسے بچے الفاظ کی پیچیدہ علامتوں کا بغور مشاہدہ انکے مشابہ الفاظ کی شناخت اور اُن کے اصوات کی دریافت میں کہاں تک کامیاب ہوسکتے ہیں ؟ جس بچہ کو ہرن اور بارہ سینگے ۔ ہاتھی اور گینڈے ۔ سانبھر اور نیل گائے ۔ رنگین پرا اور پتی ۔ نارنگی اور سنترے میں بھی تمیز کرنے کی صلاحیت نہ ہو وہ الفاظ کے تحریری علامات کی مشابہات و فروق کس طرح دریافت کرسکتا ہے ؟ جس طفل مکتب کی قوت استنباط و استدلال کی نشو و نما سرے سے ہوئی ہی نہ ہو وہ مشاہدہ مقابلہ ۔ تفریق و تفہیم جیسے نازک ذہنی عمل کے ذریعہ سے حروف کی طاقت اور آواز کیسے اخذ کرسکتا ہے ؟ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر بڑے لڑکوں کو جنکے قوائے ذہنیہ بخوبی نمو یافتہ ہوں کسی اجنبی زبان کی تعلیم طریق بین وگو کے مطابق دیجائے تو کسی حد تک مفید نتائج مرتب ہوسکتے ہیں ۔ لیکن چھوٹے بچوں کو مادری زبان کی تعلیم اس طریق پر دینے سے مفید کے بجائے مضر اثرات رُونما ہونگے ۔ علاوہ بریں اتصالی طرز تحریر اُردو کی ایک ایسی خصوصیت ہے جس کے باعث ننھے بچے تو درکنار بالغ اور بڑے عمروں کی تعلیم کے لئے بھی طریق بین وگو مفید مطلب ثابت نہ ہوگا ۔ البتہ جس زبان میں افتراقی طرز تحریر رائج ہے ۔ مثلاً انگریزی ۔ سنسکرت ۔ ہندی وغیرہ جہاں بغیر کسی تم

کی قطع و برید کے پورے پورے حروف کے مجموعہ سے الفاظ بنتے ہیں وہاں ایک ترقی یافتہ دماغ مختلف الفاظ کے اجزا کا باہمی مقابلہ کرکے حروف کی شکل اور اس کی آواز کو شناخت کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہوسکتا ہے۔ لیکن اردو اتصالی طرز تحریر کی پابند ہے۔ یہاں حروف ترکیب کے وقت یا تو بالکل بدل جاتے ہیں یا ان کے صرف سرے یا اخیر کے حصے رہ جاتے ہیں۔ اس وجہ سے اتصالی تحریر میں حروف کی شناخت مشکل بلکہ محال ہے۔ تاوقتیکہ حروف علیحدہ طور پر نہ بتائے جائیں تحریر میں ان کا صرف ایک جز یا ان کی بدلی ہوئی شکل دیکھکر وہ کبھی پہچانے نہیں جاسکتے۔ اردو زبان کی تعلیم میں یہ ضرور ہے کہ مبتدیوں کو پہلے حروف تہجی کے پورے اشکال بتائے جائیں اور پھر انہیں دکھایا جائے کہ کسی لفظ کے شروع۔ وسط یا اخیر میں آنے سے ان کی صورت کیسی ہوتی ہے۔ الغرض زبان اردو کی خصوصیات۔ حروف تہجی۔ نظام ہجائی۔ رسم خط اور طرز تحریر وغیرہ کا لحاظ کرتے ہوئے یہاں طریق بین وگو کا استعمال ناموزوں اور نامناسب ہے۔

طریق صوتی مندرجہ بالا بحث و تمحیص سے اردو کی نوشت و خواند کی تعلیم کے لئے طریق بین وگو کی ناموزونیت اظہر من الشمس ہے۔ لیکن طریق تہجی میں بھی جسکی طریق بین وگو پر ترجیح و برتری ایک امر مسلمہ ہے چند ایک نقائص پائے جاتے ہیں۔ ان نقائص کے ازالہ و ترفیع کے لئے ایک نیا طریقہ تجویز کیا گیا ہے جو طریق صوتی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ طریق تہجی کی طرح یہ طریقہ بھی ترکیبی ہے۔ کیونکہ یہاں بھی جز سے کل کی طرف چلنا پڑتا ہے۔ اس طریق کے تحت بچوں کو حروف کے اسماء نہیں بتائے جاتے بلکہ صرف انکی واقعی یا آواز سکھائی جاتی ہے۔ مثلاً نظام تہجی کے حروف کو الف۔ بے۔ بیم وغیرہ کہنے کے بجائے بچہ صرف انہیں ا ب ج وغیرہ کہیگا۔ کسی لفظ کا تلفظ کرنے کے لئے اسکے تمام حروف و اعراب متعلقہ کے نام لینے کے عوض صرف حروف ترکیبی کی الگ الگ آوازیں بولکر کل لفظ کا تلفظ کرایا جاتا ہے۔ اس طریق کا اقتضا ہے کہ تمام مفرد اصوات کے لئے علیحدہ

علیحدہ علامتیں یا حروف ہوں۔ چونکہ انگریزی نظام حروف تہجی بالکل نامکمل اور ناقص ہے کیونکہ بہت سی آوازیں ایسی ہیں جو دائرہ حروف تہجی سے خارج ہیں۔ مثلاً ج اور ش کی آوازوں کا اظہار کسی مفرد حرف سے نہیں ہوسکتا اس لئے انگریزی میں حروف تہجی کے علاوہ اور کئی علامتوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ یہ فاضل علامتیں معمولی رسم تحریر میں کام نہیں دیتیں۔ لہذا انگریزی خواں بچوں کو دو قسم کی علامتیں سیکھنے کا بار برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ایک رومی علامتیں دوسری صوتی علامتیں۔ لیکن اُردو کا نظام حروف تہجی مکمل اور جملہ اقسام کے اصوات پر حاوی ہے۔ یہاں آوازوں کی تحریری اور صوتی علامتوں میں کچھ فرق نہیں ہے لہذا دائرۂ تہجی اور دائرۂ تصویت میں کامل انطباق ہوتا ہے۔ بنا برآں طریق صوتی اُردو کی تعلیم کے لئے بہت مفید ہے۔ یہ طریقہ بہت سہل۔ آسان اور دلچسپ ہے۔ حروف کی آوازوں کے مجموعے اور اُن سے بنے ہوئے لفظ کے تلفظ میں بہت کچھ شباہت پائی جاتی ہے جسے ننھا بچہ بھی بہ آسانی دریافت کرسکتا ہے اس لئے اس سے عملِ ذہنی کو ترقی ہوتی ہے۔ طریق صوتی کے مطابق تعلیم دینے سے بچوں کو صحت اور صفائی کے ساتھ بولنے اور تلفظ الفاظ میں بڑی مدد ملتی ہے اور نئے الفاظ کے تلفظ کرنے کی قابلیت حاصل ہوتی ہے انگریزی زبان کی خصوصیات کا لحاظ کرتے ہوئے اکثر انگریزی ماہرین فن طریق صوتی کو مفید مطلب نہیں خیال کرتے۔ ان کے دیکھا دیکھی بعض انگریزی داں ہندوستانی بھی اسکو اُردو کی تعلیم کے لئے غیر مفید قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ انگریزی اور اُردو کی نوعیت و خصوصیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ انگریزی مصلحین کی ناپسندیدگی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انگریزی نظام ہجائی بالکل بے قاعدہ ہے۔ طریق صوتی کا اقتضا ہے کہ ایک علامت ایک ہی آواز کی مظہر ہو۔ لیکن انگریزی میں ایس کا حرف کبھی س اور کبھی ز کی آواز پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح سی کبھی س اور کبھی ک کی آواز دیتی ہے۔ لیکن اُردو ان عیوب سے پاک ہے یہاں ایک حرف سے ہمیشہ ایک ہی قسم کی آواز ظاہر ہوتی ہے۔ بہر حال ابتداءً حروف کے

علامات اور اصوات بخوبی ذہن نشین کر دینے چاہئیں۔ طریق صوتی پر ایک یہ اعتراض عائد کیا جاسکتا ہے کہ اُردو میں بغیر اعراب کے حروف کو ملانے اور الفاظ کے تلفظ کرنے کی کوشش کیجاتی ہے جو ناممکن ہے۔ اور اگر اعراب کے نام لئے جائیں تو پھر وہی دقتیں پیش آئینگی جو طریق تہجی میں رونما ہوتی ہیں۔ کیونکہ حروف اور اعراب کے آوازوں کے مجموعہ اور لفظ کے تلفظ میں کوئی لگاؤ نہ ہوگا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اُردو میں اعراب لکھے نہیں جاتے اس لئے ان کے نام لینے کی ضرورت نہیں ہے صرف اس قدر کافی ہے کہ اعراب کی علامتوں سے لڑکوں کو روشناس کرا دیا جائے اور بتا دیا جائے کہ حروف کے ساتھ اعراب آئیں تو اصوات میں کیا تغیر رونما ہونگے۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ طریق صوتی کے تحت بچہ الف کو آ۔ بے کو ب۔ جیم کو ج کہیگا۔ علیٰ ہذا القیاس اب اُسے بتانا چاہیئے کہ اگر کسی حرف کے اُوپر (ـ) اس قسم کی علامت ہو تو اس کی آواز کیسی ہوگی۔ اگر یہی نشان اس کے نیچے ہو تو آواز میں کیا تغیر ہوگا۔ اگر کسی حرف کے اوپر (ـو) اس قسم کی علامت ہو تو کونسی آواز پیدا ہوگی۔ بہرکیف حروف کے ساتھ کوئی بھی علامت ہو لیکن حروف کے اصوات اور لفظ کے تلفظ میں بڑی حد تک یکسانی و مماثلت پائی جائیگی جو بچہ کی سمجھ میں آنے کے قابل ہے۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُردو میں اعراب لکھنے کا رواج نہیں ہے۔ اس لئے جب کوئی نیا لفظ آئے تو بچہ اس کا کیا تلفظ کریگا؟ مثلاً لفظ "قلم" کو دیکھکر وہ قلم یا قَلم یا قُلم یا کیا پڑھیگا؟ جواب یہ ہے کہ بچہ کو نوشت و خواند کی تعلیم اس وقت شروع کی جاتی ہے جبکہ وہ تقریری زبان میں بہت کچھ ترقی کر لیتا ہے۔ بچہ پہلے سے لفظ قلم کو جانتا ہے اور روزمرہ کی گفتگو میں اسے استعمال کرتا ہے۔ اگرچہ اس کی تحریری علامت سے وہ ناآشنا ہوتا ہے۔ لفظ قلم کو لکھا ہوا دیکھکر ممکن ہے کئی قسم کے اصوات اس کے ذہن میں آئیں لیکن وہ محسوس کریگا کہ قلم یا قَلم وغیرہ مہمل و بے معنی الفاظ ہیں البتہ قلم وہی ہے جو لکھنے کے کام آتا ہے۔ پس وہ مہمل آوازوں کو رد کر دیگا اور معنی دار لفظ کو قبول کر کے اُسے قلم ہی پڑھیگا۔ اُردو میں اعراب لکھنے کی عدم ترویج کے باعث یہ دقت طریق تہجی یا طریق بین و گو میں بھی پیدا ہوگی۔ لیکن لڑکا اپنی سابقہ معلومات کی بنا، پر الفاظ کے

وہی تلفظ کریگا جو کچھ معنی پیدا کرے۔ اگر حروف پر مختلف اعراب لگانے سے بھی معنی دار ہی الفاظ بنتے ہوں مثلاً حب اور حب۔ کل اور کل وغیرہ تو بچہ سیاق عبارت اور آگے پیچھے کے الفاظ کے حوالہ سے صحیح تلفظ دریافت کریگا۔ بہر حال جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے یہ وقت طریق صوتی سے مختص نہیں ہے طریق بین گو کے مطابق تعلیم پایا ہوا لڑکا بھی جب لفظ حب کو بغیر اعراب کے لکھا ہوا دیکھے گا تو اسکا اس جگہ صحیح تلفظ دریافت کرنے میں تھوڑا پس و پیش کریگا۔ لیکن سیاق عبارت اسے اس وقت پر غالب آنے میں مدد دیگی۔ اب ملاحظہ طلب امر یہ ہے کہ نئے الفاظ اگر پڑھنے میں آئیں جن کے معنی سے لڑکا واقف نہیں ہے تو وہ اُن کے تلفظ کس طرح کریگا۔ یہ سوال بھی طریق الصوت سے مخصوص نہیں ہے بلکہ طریق تہجی و طریق بین گو پر یکساں عائد ہوتا ہے۔ اگر تعلیم و تدریس میں معلوم سے نامعلوم کی طرف چلنے کے عام اصول پر عمل کیا جائے تو یہ سوال پیدا ہی نہ ہوگا۔ جب لڑکا خود کوئی نیا لفظ صحیح نہ پڑھ سکے تو معلم کا فرض ہے کہ وہ بتادے۔ اگر اعراب لکھنے کا قاعدہ اردو میں رائج ہوتا تو البتہ معلم سے امداد بغیر بچہ خود صحیح تلفظ نکال لیتا۔ لیکن پھر بھی معنی اور استعمال جاننے کے لئے معلم کی مدد کی ضرورت پیش آتی۔ معلم کا صحیح اصول یہ ہے کہ سبق میں جو نئے الفاظ آنیوالے ہیں اُن کے تلفظ معنی۔ استعمال وغیرہ کی خود معلم تشریح کردے۔ اس کے بعد کتاب پڑھنے کو کہے۔ اگر ہر شے لڑکا خود ہی دریافت کرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے تو پھر مدرس و مدرسہ کی ضرورت ہی باقی نہ رہیگی۔ کہا جاتا ہے کہ مثل انگریزی کے اردو نظام حروف تہجی بھی نامکمل ہے کیونکہ اردو میں مشمول یائے مجہول صرف ۳۷ حروف ہیں حالانکہ یہ زبان ۵۵ قسم کی آوازوں کی مالک ہے۔ طریق الصوت کے مطابق ہر آواز کے لئے ایک خاص علامت ہونی چاہیئے۔ اس لئے بعضوں کی رائے ہے کہ ہندی انسل اصوات مثلاً بھ تھ دھ کھ وغیرہ کے علامات کا بھی اردو حروف تہجی میں اضافہ کرکے بچوں کو ۳۷ علامتوں کے بجائے ۵۵ علامتیں ابتدا ہی میں بتادی جائیں لیکن بچوں کے دماغ پر اتنی بے تعلق علامتوں کا بار ڈالنے سے انہیں ذہنی انتشار پیدا ہوگا۔ بہت سی علامتیں خلط ملط ہو جائینگی۔ بہر حال مذکورہ بالا کئی وقتوں

کی طرح یہ خدشۂ اختلاط بھی طریق الصوت سے مختص نہیں ہے بلکہ دیگر دو طریقوں کے تحت بھی ایسا رُونما ہونا اغلب ہے۔ الغرض تعلیم کا آسان اور سہل اصول یہ ہے کہ پہلے مبتدیوں کو حروف تہجی کے علامات و اصول کی شناخت کرائی جائے۔ زاں بعد ہندی النسل آوازوں کے متعلق انہیں اچھی طرح سمجھا دیا جائے کہ حروف تہجی کے جن اصوات سے یہ آوازیں قریب المخرج ہوں ان میں ہ کی آواز جمع کر دینے سے یہ آوازیں پیدا ہوتی ہیں اور اُن کی علامتیں بھی انہیں دو آوازوں کے علامات کی ترکیب سے بنتی ہیں۔ اس اصول کو مدنظر رکھنے سے حروف تہجی کی تعداد اگرچہ بظاہر ۳۰ سے بڑھکر ۵۵ ہو جائیگی لیکن فی الحقیقت زحمت کے لحاظ سے صرف ایک کا اضافہ ہوگا کیونکہ جس طرح حرف کاف میں ھ مخلوط ہونے سے کھ بنتا ہے اسی ایک اصول پر تمام ہندی النسل آوازوں کی علامتیں اُن کے قریب المخرج حروف میں ھ مخلوط کرنے سے بنتی ہیں۔ طریق الصوت پر سب سے بڑا اعتراض یہ عائد کیا جاتا ہے کہ اُردو کے بعض حروف متحد الصوت ہوتے ہیں مثلاً ث۔ س۔ ص یا ذ۔ ز۔ ض۔ ظ وغیرہ۔ ان کا ایک ہی نام س یا ز ہونے سے وہ بچوں کے ذہن میں خلط ملط ہو جائینگے۔ لیکن فی الحقیقت یہ حروف متحد الصوت نہیں ہوتے۔ ایک ماہر معلم ان میں عمدہ تفریق پیدا کر سکتا ہے۔ ہر مدرس کو چاہیئے کہ علم الاصوات سے واقفیت حاصل کرے اور ہر حرف کی آواز اور الفاظ کے تلفظ صحیح مخرج سے ادا کرے۔ تمام آلات نطق مثلاً لب۔ زبان۔ حلق۔ دانت وغیرہ کے مختلف مرتع عمل اور حرکات جو آواز نکالنے میں واقع ہوتی ہیں ان کو جاننے کی کوشش کرے۔ پڑھانے کے وقت ہر لفظ کا تلفظ آہستہ آہستہ نہایت صفائی اور صراحت سے کرے۔ جلدی بازی اور عجلت کو راہ نہ دے بلکہ بچہ کو مبالغہ آمیز طور پر حرکت دینے سے بھی عار نہ کرے تاکہ بچے بغور دیکھ سکیں کہ کوئی لفظ بولنے میں مختلف آلات نطق کی جگہ کہاں رہتی ہے اور ان کو کس قسم کی حرکت دینی پڑتی ہے۔ اس سے بچے بظاہر متحد الصوت حروف میں جن کو متشابہ الصوت کہنا زیادہ مناسب ہے تفریق کرنیکے لایق بن جائینگے بلکہ دوسرے حروف کے بھی صحیح اصوات سے واقف اور الفاظ کے صاف اور

درست تلفظ سے آگاہ ہو جائینگے۔ حروف کے صحیح اصوات اور الفاظ کے ٹھیک تلفظ سکھانے کے لئے چند خارجی وسائل سے بھی کام لینا چاہیئے۔ مدرسہ میں ایسے نقشے ہم پہنچانے چاہئیں جن میں انسان کے سر سے سینے تک کی تصویریں بنی ہوتی ہیں۔ اُن میں آلات نطق۔ آلات تنفس اور صوتی نلیاں نمایاں طور پر دکھائی جاتی ہیں اور یہ بھی ظاہر کیا ہوا رہتا ہے کہ مختلف آوازوں کے بولنے میں ہونٹ۔ زبان۔ دانت۔ حلق۔ وغیرہ۔ کی ہیئت کیسی اور کس جائے وقوع کہاں ہوتی ہے۔ اس قسم کے تصویر دار نقشے ڈنٹ کمپنی سے دستیاب ہو سکتے ہیں سر کے مجسم نمونے بھی مہیا کرنے چاہئیں جن کے اجزا قابلِ تفریق ہوں تاکہ ہر جز کو الگ الگ کر کے آلات نطق کے موقع محل کی تشریح کیجا سکے۔ معمولی آئینوں سے بھی اصوات سکھانے میں مدد لیجا سکتی ہے۔ لیکن باوجود ان تمام ساز و سامان اور تفریق مخارج کے چھوٹے بچوں کو متشابہ الصوت حروف کے فروق دریافت کرنے میں دشواری پیش آئیگی۔ مگر یہ دشواری زیادہ اہمیت نہیں رکھتی البتہ اہم دشواری اس وقت پیش آتی جبکہ ایک ہی حرف متنوع الصوت ہوتا جیسے انگریزی کا حرف "جی" کبھی گ اور کبھی ج کی آواز پیدا کرتا ہے اگر اُردو کے کئی حروف متحد الصوت ہوں بھی تو اُن کے پڑھنے میں کوئی حرج واقع نہ ہوگا۔ کیونکہ تحریر میں ذ یا ز۔ یا ض۔ یا ظ آنے سے بچہ ہر سال میں ز کی آواز بولیگا جو عام اُردو بول چال میں صحیح سمجھا جاتا ہے البتہ املا نویسی کی صورت کچھ اور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب بغیر کتاب دیکھے ہوئے بچہ کو کچھ لکھنا پڑے تو متحد الصوت حروف آنے پر احتمال ہے کہ وہ املا کی غلطیاں کریگا۔ مثلاً املا نویسی کے وقت اگر لفظ "صندل" بولا جائے تو جس لڑکے کی تعلیم طریق تہجی پر ہوئی ہو اور اس کو لفظ "صندل" کا ہجہ اسطرح یاد ہو کہ "صاد نون زبر صن + دال لام زبر دل = صندل" تو وہ املا کی غلطی نہیں کریگا کیونکہ صاد یاد آنے پر وہ سین یا ثے نہیں لکھیگا۔ برخلاف اسکے طریق صوتی کے مطابق تعلیم پایا ہوا لڑکا اس کا ہجے س ن د ل کریگا۔ لیکن اس کو حیرانی ہوگی کہ تین قسم کے سن میں سے کونسا لکھے بہت ممکن ہے کہ "صندل" کا پہلا حرف بجائے ص کے س یا ث لکھدے۔ لیکن

اگر نظر امعان سے دیکھا جائے تو یہ اعتراض سطحی اور کاواک معلوم ہوگا۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ صحیح املا کو سماعت سے اتنا تعلق نہیں ہے جتنا بصارت یا قوت محرکہ سے ہے۔ رٹے ہوئے ہجے یاد نہیں رہ سکتے البتہ کسی لفظ کی تحریری صورت ذہن میں محفوظ رہتی ہے۔ اگر لفظ "صندل" پہلے سے پڑھا اور تحریراً مشق کیا ہوا ہے تو اس لفظ کے سنتے ہی اس کی صورت بچے کے ذہن میں آجائیگی اور لکھتے وقت وہ اس لفظ کو ص ہی سے لکھیگا نہ کہ س یا ث سے۔ اگر یہ لفظ اچھی طرح تحریراً مشق کیا جا چکا ہے تو پھر جب کبھی بچہ اس لفظ کو لکھیگا اس کے قلم سے خود بخود بلا قصد و ارادہ ص ہی تحریر ہوگا۔ یہ ایک نفسیاتی واقعہ ہے جس کی تصدیق ہر شخص مطالعہ باطن یا تجزیہ سے کر سکتا ہے۔ البتہ بظاہر متحد الصوت حروف میں تمیز کرنے کے لئے اس کے ساتھ کوئی صفت لگا دینی مناسب ہے۔ اڑیسہ۔ آسام۔ برما۔ وغیرہ علاقوں کے اکثر لڑکے ش اور ق کی آواز سے ج سے ادا نہیں کر سکتے۔ انکو س اور ش۔ ق اور ک متحد الصوت معلوم ہوتے ہیں اس لئے بغرض امتیاز س کو چھوٹا سین اور ش کو بڑا سین۔ اسی طرح ک کو چھوٹا کاف اور ق کو بڑا کاف کہتے ہیں۔ اسی اصول پر اگر طریق الصوت کے مطابق تعلیم دینے میں ث۔ س ص کو ایک ہی نام س سے پکارنا پڑے تو ان میں امتیاز قایم کرنے کے لئے کوئی اسم صفت لگا سکتے ہیں مثلاً ث کو پڑا س۔ س کو دندانہ دار س اور ص کو دستار دار س کہہ سکتے ہیں۔ اگر بچے سے لفظ "صندل" کا زبانی ہجے پوچھا جائے تو وہ ص۔ ن۔ د۔ ل۔ کہیگا اس کے بعد پوچھ سکتے ہیں کہ کونسا ص۔ جس کے جواب میں "صندل" کی صورت اس کے ذہن میں آجانے سے وہ کہدیگا کہ دستار دار س۔ بہر حال امتیازی نام ایسے ہونے چاہئیں جو بچوں کے لئے سہل اور دلچسپ ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ پڑھنے لکھنے کے اثنا میں چند بے قاعدہ الفاظ بھی آئینگے۔ مثلاً خود۔ عیسیٰ۔ بالکل وغیرہ۔ یہاں بجز اس کے کہ ان کو مستثنیٰ قرار دیکر معلم ان کے تلفظ بتادے اور بچوں کو ان کی علامتیں یاد رکھنے کے لئے تاکید کرے اور کوئی چارہ نہیں لیکن حسن اتفاق سے اردو کی لغات میں ایسے بے قاعدہ الفاظ بہت کم یاب ہیں۔ کوئی ایسا علمی اصول یا قاعدہ

منضبط نہیں کیا جا سکتا جو مستثنیات سے بالکل پاک ہو تعلیم و تدریس کے لئے کوئی ایک اصول ایسا نہیں قائم کیا جا سکتا جو عام اور ہمہ گیر ہو اور جس پر معلم آنکھ بند کر کے عمل پیرا ہو جائے اور اپنے قوائے امتیازی کو کام میں نہ لائے۔ بچوں کی تعلیم آسان نہیں ہے۔ ہر ہر قدم پر دشواریوں سے دوچار ہونا اور اُن کے اندفاع کی تدبیریں سوچنی پڑتی ہیں۔ طریق تہجی میں تمام الفاظ کے حروف کی مجموعی آواز اور الفاظ کے تلفظ میں مطلق لگاؤ نہیں ہوتا۔ لیکن طریق الصوت میں صرف چند ہی الفاظ بطور مستثنیٰ ہوتے ہیں اس لئے آخر الذکر طریقے کو اول الذکر پر ترجیح دینی چاہیئے۔ واضح رہے کہ انگریزی کی تعلیم کے لئے جو طریقہ صوتی اختیار کیا گیا ہے وہ اُردو طریق الصوت سے بالکل جُداگانہ ہے۔ انگریزی حروف تہجی کے نامکمل اور ناقص ہونے کی وجہ سے طریق الصوت میں بہت سی ایسی علامتوں کا اضافہ کیا گیا ہے جو انگریزی رسم خط سے خارج ہیں مثلاً ◌ ◌ ◌ وغیرہ علامتوں کا وجود نظام حروف تہجی میں نہیں ہے۔ لیکن اردو طریق الصوت نے نظام حروف تہجی میں کسی خارجی علامت کا ادخال ممنوع قرار دیا ہے۔ یہاں طریق صوتی میں وہی علامات مستعمل ہیں جو تحریر میں کام آتے ہیں۔ طریق صوتی کے علامات اور حروف تہجی میں کامل انطباق موجود ہے۔ دونوں طریقوں میں جہاں تک ان کا سروکار اردو زبان سے ہے صرف اسقدر فرق ہے کہ ثانی الذکر طریقہ کے مطابق حروف کے اسماء لڑکوں کو یاد کرائے جاتے ہیں اور اول الذکر طریقہ کے بموجب صرف حروف کے اصوات بتائے جاتے ہیں۔ لہٰذا انگریزی طریق الصوت پر جو اعتراضات عائد ہوتے ہیں ان کی بناء پر اُردو طریق صوتی کو غیر مفید ٹھیرانا قرین انصاف نہیں ہے الغرض اس طور کا منشا یہ ہے کہ اردو کے حروف تہجی کی اکملیت۔ نظام ہجائی کی باقاعدگی۔ رسم خط کی سہولت۔ طرز تحریر کی اتصالی نوعیت۔ لکھنے میں حروف کی قطع و برید کے جواز اور دیگر خصوصیات کے مدنظر "طریق بین وگو" نہایت زحمت طلب۔ تکان آفریں۔ اور موجب تضیع اوقات ہے۔ اُردو کی تعلیم حروف تہجی کی شناخت سے شروع کرنی چاہیئے۔ لیکن مبتدیوں کو حروف کے اسماء کے بجائے صرف اُن کے اصوات سکھانے چاہئیں۔ اور جب بچے کسی حد تک ترقی کر لیں تو حروف کے نام بھی۔

بتادینے میں کوئی ہرج نہ ہوگا۔ مدرس کو کسی ایک ہی قاعدہ کا پابند نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ موقع اور ضرورت کے لحاظ سے جہاں جو قاعدہ سہل اور موزوں معلوم ہو اس پر عمل کرنا چاہیئے کہیں کہیں طریق بین وگو کا استعمال بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ اُردو میں بے قاعدہ الفاظ اگرچہ کمیاب ہیں لیکن نایاب نہیں۔ بے قاعدہ الفاظ مثلاً خود۔ خویش۔ عیسیٰ۔ موسیٰ۔ بالکل وغیرہ کے پڑھانے میں طریق بین وگو سے استفادہ مناسب ہے۔ ابتداء میں حتی الامکان طریق الصوت پر کاربند ہونا چاہیئے۔ آگے چل کر طریق تہجی استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن طریق بین وگو کا استعمال بقیہ الفاظ کی تعلیم تک محدود رکھنا چاہیئے۔ (باقی آئندہ)

ڈالٹنی تجربہ خانہ والی تجویز

(نمبر ۳)

اکثر میں اپنے آپ یہ سوچا کرتا تھا "اب پھر وقت آگیا ہے کہ کوئی روسو پیدا ہو اور ہمیں اگلے وقتوں کی باتوں کی طرف لوٹنے کا مشورہ دے۔ کیونکہ اس زمانہ میں یہ برائے نام جدید طریقے تھے نہ اسباق کے اشارات تھے نہ جماعت واری ذہنی نٹ بازی اور نہ بچوں کو بیچوں سے بھرانا تھا۔ چلو فطرت کی طرف پھر لوٹ چلیں" جب میں نے دیکھا کہ مس پارک ہرسٹ جماعت کے بندھے بندھائے ایک سخت سانچے میں ڈھلے ڈھلائے کام کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہی ہیں تو اچنبھا اور خوشی ہوئی۔ لطف یہ ہے کہ مس پارک ہرسٹ روسو کی طرح دم خم رکھتی ہیں۔ لیکن روسو سے کہیں زیادہ سمجھ اور ڈھب سے کام کر رہی ہیں۔ عہد حاضر کے ماہرین تعلیم نے استاد کو جماعت میں اقتدار اور کشش کا مرکز بنا دیا ہے۔ مس پارک ہرسٹ استاد کو اس مرکز سے ہٹا کر پس پشت ڈال رہی ہیں اور شاگردوں کو وہ رتبہ دے رہی ہیں جس کے وہ مستحق ہیں بحالت موجودہ شاگرد خواہی نخواہی استاد سے مدد لینے پر مجبور ہیں۔ ڈالٹنی تجویز میں شاگرد کو اگر اپنے اوپر کافی

اعتماد ہے تو پھر اس کو اختیار ہے کہ اپنا کام استاد سے ایک آدھ دفعہ مشورہ لئے بغیر بھی کرتا جائے
جماعتی درس تدریس میں استاد مجبور ہے کہ سب طلبہ کو یکساں وقت دے۔ جن طلبہ کو استاد کی
توجہ کی ضرورت نہیں وہ اکتا جاتے ہیں اور جن کو ضرورت ہے اُن کے دلوں میں شکایت کا
شدید احساس پیدا ہوتا ہے۔ ڈالٹن تجویز میں مس پارک ہرسٹ نے ہمارے مدارس کے اس
زبردست تنظیمی نقص کو دُور کر دیا ہے۔

یہ بات عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ ہمارے لڑکے موجودہ پود مدرسہ کے باہر کے معاملات
کے متعلق بڑی بھاری جہالت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ میٹرک جماعت کے طلبہ بھی ہندوستان کے
وائسرائے صوبہ پریزیڈنسی کے گورنر اور کمانڈر ان چیف کے نام نہیں بتا سکتے۔ سو
میں سے مشکل ایک بھی ایسا نکلے گا جو منسٹر ٹرون یا ایگزیکیوٹو کونسل کے ممبروں
کونسل آف اسٹیٹ کے صدر نشین کے جس کے یوا سیم بلی یا کے جس کے نیو کونسل کے نام بتا سکے یا
کم سے کم یہ بتا سکے کہ ان مجلسوں میں خود اس کے ضلع سے کون قایم مقام بھیجے گئے ہیں۔ میری رائے میں
اس ناواقفیت کا اصلی راز یہ ہے کہ طالب علم کو یکھایا جاتا ہے کہ وہ اس قدر اپنے استاد کا سہارا ٹٹولنے لگے
کہ اس کو اپنے آپ کوشش کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کی بالکل نام کو باقی نہیں رہتی۔ شاگرد
کبھی اپنی علمی ترقی کو جانچنے کی کوشش نہیں کرتا اور جماعت میں استاد جن باتوں کا طالب ہوتا ہے ان کے
سوا لڑکوں کو اور کسی چیز میں دلچسپی نہیں رہتی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ استاد نااہل ہے حالانکہ میں برس
پہلے کے استادوں سے موجودہ استاد زیادہ اہل اور کارگزار ہیں۔ سنہ ۱۹۰۰ء سے پہلے طالب علم اپنے
سبق بغیر کسی کی مدد کے تیار کرتا تھا۔ سنہ ۱۹۰۰ء کے بعد سے یہ ہونے لگا ہے کہ استاد طالب علم کے لئے
ہنڈیا تیار کرتے ہیں اور ایسی چیزیں بھی پکا کر کھلاتے ہیں جن کو لڑکے بن پکی ہی نگل سکتے ہیں۔

ڈالٹن تجویز اس بات پر زور دیتی ہے کہ اگلے وقتوں کے طریقوں کی طرف مراجعت کی جائے لیکن
ساتھ ہی اگلی باتوں میں اصلاح اور ترمیم کا مشورہ دیتی ہے۔ ہمارے پرانے مدرسوں میں استاد یہ کیا کرتے
تھے کہ دوسرے دن کے لئے اتنا کام بتا دیتے تھے اور شاگردوں سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ گھر میں

اپنے اپنے گھر میں تفوضہ کاموں کو پورا کریں۔ ایسے چند بچے جن کو گھر میں کتابیں مل سکیں یا جن کا باپ یا بھائی پڑھا لکھا مدد دینے کے قابل ہو امزے میں رہتے تھے۔ جن کو بدقسمتی سے یہ سہولتیں میسر نہ ہوئیں ان کو مصیبت کا سامنا تھا۔ اس پارک ہرسٹ کی تجویز سے سب شاگردوں کو یکساں سہولتیں فراہم ہونگی۔ وہ طلبہ کو مکمل تجربہ خانوں میں چھوڑ دینگی اور آگ کرنے میں بیٹھی رہینگی اور ان کی مدد کرینگی جن کو مدد کی ضرورت ہو۔

ہمارے مدارس ثانویہ میں دو طرح کے نقص ہیں۔ ضرورت سے زیادہ ساز و سامان یا ضرورت سے کم۔ مدارس کے کتب خانوں میں اچھی اچھی کتابیں بھری ہوتی ہیں جن کو کوئی نہیں پڑھتا طلبہ کو ان کتابوں کے مطالعہ کے لئے وقت ہی نہیں ملتا۔ بعض ذہین بچے ان کو بڑے شوق سے اس وقت پڑھیں جبکہ جماعت کے بعض بڑے کند ذہن لڑکوں کو استاد کوئی معمولی بات سمجھا رہا ہو لیکن ان کو کون اجازت دیگا کہ وہ ایسا کریں؟ تجربہ خانہ میں طلبہ کو تمام مزید کتابوں کا مطالعہ اپنے آپ اور مجبوراً کرنا پڑیگا۔ ہمارے مدارس میں نقشے کورے چارٹ تختۂ سیاہ اور اوزار ناکافی ہوتے ہیں اور دس دس جماعتیں ایک ہی وقت ان چیزوں کی حاجتمند ہوتی ہیں اور مدرسہ میں ان چیزوں کے ایک یا دو سٹ ہوتے ہیں۔ لیکن دو تجربہ خانے جن میں ایک دو سٹ ہوں سات سو طلبہ کے لئے کافی ہو سکتے ہیں اگر دو تین سٹ ایک ہی تجربہ خانے میں رکھ دئے جائیں تو اتنا سامان ضرورت سے زیادہ ہو جائیگا۔

اکثر طلبہ استاد کی اعانت سے اتنا نہیں سیکھتے جتنا وہ اپنے دوستوں کی مدد سے سیکھ لیتے ہیں بات یہ ہے کہ طلبہ اپنے دوستوں سے زیادہ آزادی کے ساتھ رد و قدح کر سکتے ہیں۔ لیکن بحالات موجودہ جماعت میں ایک دوسرے سے بات چیت کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ تجربہ خانہ میں آپس کی بات چیت کی اجازت ہی نہیں دیجاتی۔ بلکہ آپس کی رد و قدح کا شوق دلایا جاتا ہے۔

اس تمام بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ڈالٹن تجویز مدرسہ کی تنظیم کے متعلق ایک نہایت قیمتی تجربہ ہے اور اس کا مستحق ہے کہ ہر صدر مدرس اس کا نہایت غور و خوض سے تفصیلی مطالعہ کرے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اس تجربہ سے ہندوستان میں کام لینے سے پہلے بہت کچھ اس میں رد و بدل

کرتی ہوئی۔ مس پارک ہرسٹ تو اس تجویز کی تحتانیہ وسطانیہ اور ثانویہ سب قسم کے مدارس کے لئے سفارش کرتی ہیں۔ میں ان مدارس میں سے فی الحال مدارس وسطانیہ کو علٰحدہ کر دینا چاہتا ہوں۔ علاوہ اس کے سب سے نیچی جماعتوں میں جماعت واری کام پڑھنا۔ بات چیت اور زبانی حساب کے لئے بہت کچھ باقی رکھنا ہوگا۔ ان باتوں کا بہترین تصفیہ صرف تجربہ سے ہی ہو سکیگا۔

یہ ڈالٹنی تجویز ہمارے [illegible] کے ہاتھوں میں جا پھنسی ہے جو ماہرین فن کہلاتے ہیں اور یہ حضرات حسب عادت کوشاں ہیں کہ اس تجویز کا ایک ڈھانچ تو قایم ہو جائے لیکن اس کی روح نکال ڈالی جائے۔ یہ تجویز ہندوستان پہنچتے پہنچتے ف ڈھانچ کی صورت ہو جائیگی اور اس صورت میں وہ مالک باغ (کندر گارٹن) طریقہ راست یا نظری تعلیم کی طرح یا تو ایک زبردست ناکامی یا زیادہ سے زیادہ ایک برائے نام کامیابی حاصل کریگی۔ کوئی طریقہ یا تجویز اسی وقت کامیاب ثابت ہو سکیگی کہ اس کی مانگ استادوں کی جانب سے ہو۔ جب مدرسوں کو کسی خاص طریقہ یا تجویز کے اختیار کرنے پر مجبور کیا جائیگا تو ناکامیابی یقینی ہے۔ نہایت ضرورت اس بات کی ہے کہ مدرسوں میں یہ داخلی رجحان اور مانگ پیدا کی جائے اور اس کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ چند مدرسوں کو نمونۃً ڈالٹنی تجویز کے مطابق تنظیم کر دیا جائے۔ جس مدرسہ میں پانسو طلبہ ہوں اسکو آسانی سے ڈالٹنی مدرسہ بنایا جا سکتا ہے۔ بہت سے برٹش انڈیا کے سرکاری اور امدادی مدارس اتنی تعداد رکھتے ہیں۔ اگر اس میں سہولت پائی جائے کہ سارے کے سارے مدرسے آن واحد میں ڈالٹنی بنا دئے جائیں تو اس ڈالٹنی تجویز کی صرف دو درجوں میں پانچویں اور چھٹے میں آزمائش کیجائے اور سہولت کے لحاظ سے اس تجویز کو اور جماعتوں اور درجوں تک پھیلا دیا جائے۔

جن اصحاب کو اس تجویز سے دلچسپی ہو وہ یہ کر سکتے ہیں کہ اس تجویز کے متعلق مضامین اور رسالے طبع اور منتشر کریں۔ ان رسالوں میں اس تجویز کی تاریخ بیان کی جائے اور اس تجویز کے متعلق چیزوں کے نمونے اور تجربہ خانہ کی آرائش اور ترتیب کی وضاحت کی جائے۔

اس تجویز کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنی ہوں تو ذیل کی انگریزی کتابیں مطالعہ

کی جائیں۔

(۱) ایجوکیشن اینڈ دی ڈال ٹن پلان از پارک ہرسٹ (جی بیل اینڈ سنس)

(۲) ڈال ٹن سے بورے ٹری پلان از مس اے دی لن ڈیواسی (ڈنٹ اینڈ سنس)

(۳) اِن ڈوی جوال ورک اینڈ دی ڈال ٹن پلان از اے۔ جے۔ لنچ (جاج فلپ اینڈ سنس)

اُردو طباعت کا نیا دور

نستعلیق ٹائپ

عہد ہمایون عثمانی کی بے شمار برکتوں میں چوتی کی چیز جامعہ عثمانیہ کا قیام ہے اس جامعہ کے اساسی اصول نے تمام ہندوستان کے ماہرین تعلیم کی آنکھیں کھولیں اور یقینی تعلیمی شاہراہ کی طرف کھولیں اور زبان اردو کو پہلی دفعہ اعلیٰ تعلیم کا کامیاب واسطہ قرار دیا گیا۔ حضرت اقدس اعلیٰ کی دُور رس نظر سے اُردو چھاپہ کی سقیم حالت پوشیدہ نہیں تھی کیونکہ اردو کے ذریعہ عام طور پر اُردو بولنے والوں میں علم اسی طرح پھیل سکتا ہے کہ اردو طباعت سستی اور حسین ہو جائے اور یہ بات پتھر کے چھاپہ کے خاتمہ اور نستعلیق ٹائپ کے تیار کئے بغیر ممکن نہیں تھی۔ چنانچہ حسب مشار خسروی نواب حیدر نواز جنگ بہادر نے نستعلیق ٹائپ کے بنانے اور ڈھالنے کی اسکیم تیار کی جس کے لئے ایک بیش قرار رقم کی منظوری شرف صدور لائی اور دار الطبع سرکار عالی میں یہ کام سٹرلنگ مہتمم صاحب دار الطبع کی نگرانی میں شروع کیا گیا۔ یہ ایک کٹھن اور احتیاط کا کام تھا اس لئے کہ اب تک جہاں جہاں نستعلیق ٹائپ کی تیاری کی کوششیں کی گئیں ان میں ناکامیابیاں ہوئیں۔ ایک تو بڑی خرابی یہ ہوتی تھی کہ

ٹائپ بدنما اور بدوضع ہوتا اور جوڑ بخوبی نہیں ملتے تھے اور دوسرے یہ مصیبت ہوتی تھی کہ جوڑوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہوتی تھی کہ ٹائپ کے جمانے میں وقت کی بہت برائے نام ہی رہ جاتی تھی۔

مسٹر پلے نے بڑی محنت کے بعد اس حد تک کامیابی حاصل کرلی ہے کہ جوڑ اچھی طرح ملیں اور بحیثیت مجموعی نستعلیق ٹائپ بدنما اور بدوضع نہیں رہے بلکہ پہلی کوشش کے لحاظ سے اسے ایک کامیاب اور خوش وضع ٹائپ کہا جا سکتا ہے۔ جوڑوں کی تعداد کے کم کرنے میں ابھی کامیابی نہیں ہوئی اور اس وقت تک ہو نہیں سکتی جب تک وجودہ سرخط میں ٹائپ کی سہولت کے مدنظر چند مطابق ضرورت تبدیلیاں نہ کیجائیں۔

بہر حال یہ ایک ایسا مبحث ہے جس پر ہم آئندہ کسی موقع پر تفصیلی بحث کرینگے۔ فی الحال قارئین کرام تک اس خوشخبری کا پہنچانا مقصود ہے کہ اس سرکار عالی کے نستعلیق ٹائپ میں نواب مسعود جنگ بہادر کے مشہور لیکچر "روح جاپان" کو ایک چھوٹے سے رسالہ کی صورت میں "المعلم" نے اپنی جانب سے باجازت نواب صاحب ممدوح طبع کرایا ہے۔ المعلم کا عقیدہ ہے کہ بغیر ٹائپ کے اردو طباعت ناقص رہے گی اور طباعت کے نقص کی وجہ سے اردو داں دنیا میں سستی اور عمدہ کتابیں رسالے اور روزنامے پیدا نہیں ہو سکینگے۔ لہذا المعلم نے مسٹر پلے کی تندہی سے یہ بات طے کی کہ نواب مسعود جنگ بہادر کا لیکچر نستعلیق ٹائپ میں چھاپا جائے جس سے پبلک کے سامنے یہ ٹائپ پیش ہو جائیگا اور عام طور پر لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ اس عہد بابرکت کی ایک اور عظیم الشان برکت کس حد تک پایہ تکمیل کو پہنچ چکی ہے ہمارا خیال ہے کہ یہ رسالہ نستعلیق ٹائپ میں ایک نہایت حسین چیز ہے اس کا سرورق اس قدر دلکش ہے کہ آدمی دیکھتا کا دیکھتا رہ جائے۔ اندر الفاظ موتی سے جڑے معلوم دیتے ہیں اور آنکھوں کو سکون پہنچاتے اور روشن کرتے ہیں۔ اس کی قیمت صرف ۶ر علاوہ محصول ڈاک رکھی گئی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اردو کے ہمدرد ارباب اس کو ہاتھوں ہاتھ لینگے۔ یہ رسالہ اردو طباعت کی ارتقا میں ایک تاریخی حیثیت رکھیگا۔ علاوہ اس تاریخی حیثیت کے ہمیں امید ہے کہ ارباب ذوق

اور عمدہ طباعت کے رسیا اس کو ایک حسین لہذا قابلِ قدر چیز خیال فرمائینگے۔ لیکچر کے متعلق ہیں اب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جن خیالات کو نواب مسعود جنگ بہادر نے اس لیکچر میں ظاہر کیا ہے ان کی گہرائی صداقت اور سبق آموزی ایک مسلمہ امر ہے۔ اس طرح یہ ننھا سا نستعلیق ٹائپ کا پہلا رسالہ ظاہر اور باطن دونوں لحاظ سے آنکھ اور روح کی نفیس ضیافت ہے۔

یہ رسالہ دفتر "المعلم" سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

مدیر و شریک مدیر

عجائبِ حساب

(نمبر ۲)

مولوی محمد نصیر احمد صاحب بی۔ ایس سی۔ کلیہ جامعہ عثمانیہ میں سائنس کے مددگار پروفیسر ہیں صاحب موصوف لکھنے کا ذوق رکھتے ہیں اور مطالب کو سیدھے سادے پیرایہ میں نہایت واضح طور پر ادا کرنے کا ملکہ سائنس کی تربیت سے انکی طبیعت ثانیہ ہوگیا ہے۔ آپ نے یہ دیکھکر کہ ریاضیات کا مضمون عام طور پر نہایت خشک اور بدمزہ پیرایہ میں لکھا اور پڑھایا جاتا ہے ایک کتاب تحفۂ حساب کے نام سے تالیف کی ہے اس کتاب میں ریاضیات کے نفیس نکتے اور لطیفے اور پہلیاں نہایت سیدھی سادی زبان میں اس ترتیب سے یکجا کی ہیں کہ جو لوگ ریاضیاتی ذوق سے عاری ہیں وہ بھی بتدریج آسان اور دلچسپ باتوں سے مزہ لیتے ہوئے آخر کی ذرا مشکل اور سوچ کی باتوں تک انجان طور پر پڑھ جائیں۔ ہماری رائے میں مولوی صاحب کا یہ کام نہایت قابلِ قدر ہے۔ اس قسم کی کتابوں سے ریاضیات جو خشک اور بدمزہ مضمون کی حیثیت سے ناحق بدنام ہے۔ بچوں کے لئے ایک دلکش اور آنکھیں کھولنے والا مضمون بن جائیگا۔

ہماری استدعا پر مولوی صاحب نے اس کتاب کے بعض ابواب کی "المعلم" میں اشاعت کی اجازت دی جس کی پہلی قسط گذشتہ مہینے کی اشاعت میں چھپ چکی ہے۔ اب دوسری قسط نذر ناظرین ہے۔ امید کیجاتی ہے کہ ہمارے اساتذہ اور طلبہ ان مضامین سے مزہ اٹھائینگے۔ اور ساتھ ہی ریاضیاتی استدلال کی نزاکت لطافت اور حسن سے روشناس ہونگے اور اُن کے دلوں سے ریاضیات کی جانب، وہ اُلجھن اور بدمزگی بہت کچھ کم ہوجائیگی جو بدقسمتی سے ہمارے ہاں کے طلبہ میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔

(ترمیم سید)

۶ - اعداد مربع | ایک مربع جس میں ۷ قطاریں ہوں اور ہر قطار میں ۷ خانے ہوں۔ اسطح کل ۷ × ۷ = $۷^۲$ = ۴۹ خانے ہوں۔ اس شکل میں مسلسل خطوں کے ذریعے متواتر مربع $۱^۲$، $۲^۲$، $۳^۲$، $۴^۲$، $۵^۲$، $۶^۲$ دکھائے گئے ہیں۔

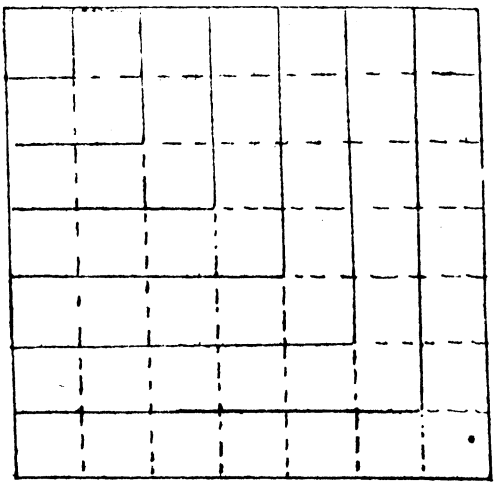

شکل نمبر (۸)

اخانہ کا پہلا مربع شکل میں سب سے اوپر بائیں جانب دکھلایا گیا ہے اس مربع سے $۲^۲$ یا ۴ خانے والے مربع تک پہنچنے کے لئے ۳ خانے شامل کرنے ضروری ہیں۔

پس ۱ + ۳ = $۲^۲$

اِس کے بعد ۹ خانے والے مربع تک پہنچنے کے لئے ۳ خانے داہنی جانب سے ۲ بائیں جانب سے اور ۱ خانہ نیچے سے شامل کرنا ضروری ہے اسی طرح عمل کو جاری رکھیں تو

$$۷^{۲} = ۱ + ۳ + ۵ + ۷ + ۹ + ۱۱ + ۱۳$$

اس کے یہ معنی ہیں کہ ۷ کا مربع پہلے ۷ طاق عدد کا مجموعہ ہے۔

اب بجائے ۷ کے کوئی دوسرا عدد صحیح مثلاً ن لو تو پہلے طاق عدد ۱، ۳، ۵، اور ن واں طاق عدد (۲ ن - ۱) ہونگے

پس

$$ن^{۲} = ۱ + ۳ + ۵ + \cdots + (۲ ن - ۱)$$

اور یہ علامتوں میں شکل بالا کی تعبیر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہم مربع عددوں کو ایک دوسرے طریقے سے ظاہر کر سکتے ہیں۔ یہ ذیل کی شکل میں دکھلایا گیا ہے:۔ جس میں ۱، ۲، ۳ اور ۴ کے مربعے دکھلائے گئے ہیں۔

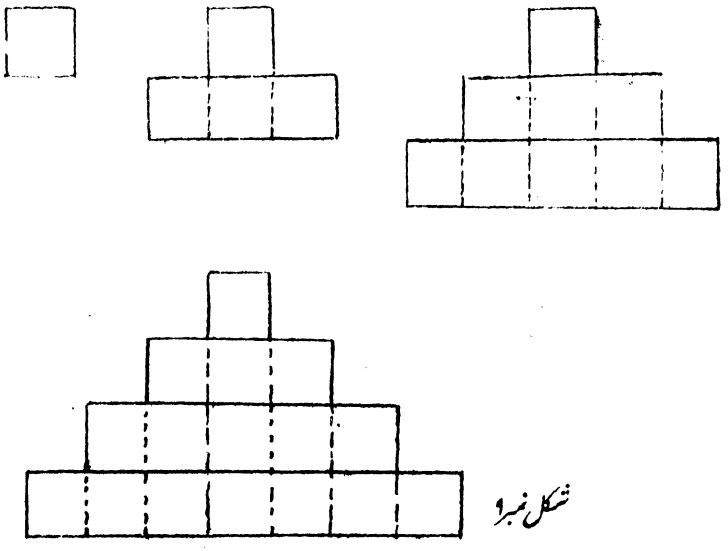

شکل نمبر ۹

چھوٹے چھوٹے لکڑی کے مربعوں سے ان شکلوں کو بنانا اور تغیر و تبدل کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے

اب بغیر کسی دقت کے ہم ایک مشکل مسئلہ حل کرنا چاہتے ہیں یعنی مثال کے طور پر ۱، ۲، ۳، ۴ کے مربعوں کا مجموعہ دریافت کرنا چاہتے ہیں شکل ۸ کو کام میں لاکر ۱، ۲، ۳، ۴ کے مربعوں کو نیچے سے تلے اوپر رکھنا شروع کریں تو شکل ۱۰ حاصل ہوگی جس کی تشریح کرنے کی ضرورت نہیں۔

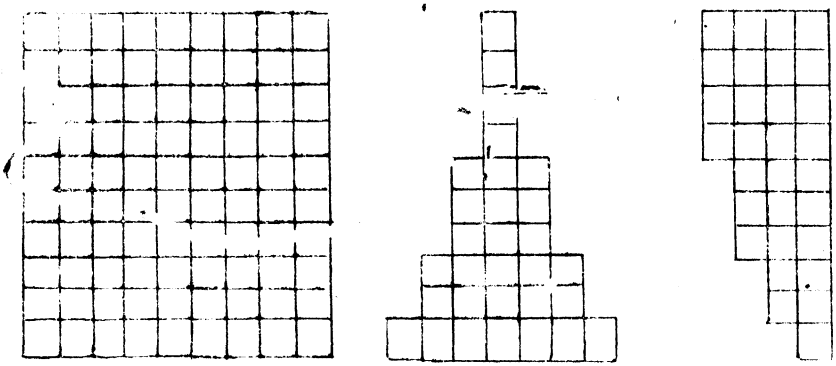

شکل ۸ شکل ۱۱ شکل ۱۰

شکل ۹ کے مختلف اجزا کو کام میں لائیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں

۴ قطاریں ۱ خانے کی ہیں

اب ان کو اگر نیچے اوپر رکھیں تو شکل ۱۲ حاصل ہوگی۔

شکل ۱۲ کی طرح شکل ۱۰ شکل ۱۱ مقلوب اور شکل ۱۱ کو ایک جگہ کریں تو ایک ایسا مستطیل حاصل ہوگا جس میں خانوں کی مطلوبہ تعداد سے تگنے خانے ہونگے۔

اس مستطیل میں قطاروں کی تعداد

$$۱ + ۲ + ۳ + ۴ = \frac{۴ \times ۵}{۲} = ۱۰ \text{ ہے}$$

ہر قطار میں خانوں کی تعداد جیسا کہ پہلی قطار میں ہے

$$۴ + ۱ + ۴ = ۴ \times ۲ + ۱ = ۹ \text{ ہے}$$

پس کل خانوں کی تعداد $= ۹ \times ۱۰ = ۹۰$

اور مطلوبہ عدد $= \frac{۱}{۳} \times ۹۰ = ۳۰$ ہوگا

پس $۱^۲ + ۲^۲ + ۳^۲ + ۴^۲ = ۱ + ۴ + ۹ + ۱۶ = ۳۰$

لیکن اگر بجائے ۴ کے ہم کوئی دوسرا عدد مثلاً ن لیتے تو بھی یہی عمل کرنا پڑتا اور کل $\frac{ن(ن+۱)}{۲}$ کے حل میں

$۱ + ۲ + ۳ + \ldots\ldots + ن$ یا $\frac{ن(ن+۱)}{۲}$ قطاریں اور $(۲ن+۱)$ کالم ہوتے

اور مطلوبہ عدد حاصل کرنے کے لئے ہم کو اس کا ایک ثلث لینا چاہیے۔ یعنی

$۱^۲ + ۲^۲ + ۳^۲ + \ldots\ldots + ن^۲ = \frac{ن(ن+۱)(۲ن+۱)}{۶}$ ہوا۔

یہ ایسا ضابطہ ہے کہ اس کے ثابت کرنے میں طالب علم ہمیشہ ہچکچاتے ہیں لیکن دیکھو ہم نے محض مثالوں کی مدد سے اس کو ثابت کر دیا۔

اگر ہم اعداد طبیعی کے مربعوں کو لکھیں اور پھر ان کی رقموں کے فرق کو لکھیں اور پھر اس فرق کے سلسلہ کا فرق لکھیں تو ہر صورت میں ۲ باقی رہینگے۔ چنانچہ

۱ ۴ ۹ ۱۶ ۲۵ ۳۶ ۴۹

۳ ۵ ۷ ۹ ۱۱ ۱۳

۲ ۲ ۲ ۲ ۲

یہ ن عددوں کے مربعوں کے مجموعہ کا استعمال پیشتر توپ خانہ میں بہت ہوتا تھا جبکہ گول گول گولے اسی اصول پر لگائے جاتے تھے۔ فوجی کارخانوں میں یہ گولے زمین پر مربع کی شکل میں رکھے جاتے تھے ان کے اوپر ایک چھوٹا مربع ہوتا تھا اور اس کے اوپر ایک اور چھوٹا یہاں تک کہ سب سے اوپر صرف ایک گولا ہوتا تھا گولوں کے اس ڈھیر کو مربع انبار کہتے تھے۔

کسی انبار میں گولوں کی تعداد معلوم کرنے کے لئے صرف اسی ضرورت رہتی تھی کہ سب سے نیچے والے

مربع کے ایک ضلع میں گولوں کی تعداد ن معلوم ہو جائے۔ مثلاً

فرض کرو کہ ن = ۱۷ تو مطلوبہ گولوں کی تعداد

$= ۱ + ۲^۲ + ۳^۲ + \dots + ۱۷^۲ = \frac{۳۵ + ۱۸ + ۱۷}{۶}$

$= ۱۷۰۵$

تبصرہ

ریاست کوچین میں تعلیم | ریاست کوچین کے محکمۂ تعلیمات کی سالانہ رپورٹ بابت ۱۹۲۴-۲۵ء ہمارے پاس تبصرہ کے لئے وصول ہوئی ہے یہ امر باعث مسرت ہے کہ بسطح ہم نے ریاست ہائے میسور اور بڑودہ کی تعلیمی حالت کا خاکہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرکے اُن کے حسن وقبح کی جانب متوجہ کیا اور اپنے ملک کی تعلیمی حالت سے مقابلہ کرنے کا موقع دیا۔ اس مرتبہ پھر ریاست کوچین کی تعلیمی حالت کا خاکہ آثار کر ہم اس کے متعلق ہیں کہ ناظرین ایک دفعہ اور اپنے ملک کے نظم ونسق واخراجات تعلیم پر غائر نظر ڈالکر اصلاح وترقی کی تدبیر اختیار فرمائیں۔

اخراجات تعلیم | ریاست کوچین ہمارے ملک کے جنوب ومغرب میں سمندر کے کنارے واقع ہے اس کا رقبہ ہمارے صوبہ بنگر سے کم ہے لیکن آبادی بہت زیادہ ہے۔ اس کی سالانہ آمدنی تقریباً نصف کروڑ ہے۔ سال زیر رپورٹ میں تعلیم پر گیارہ لاکھ سترہ ہزار اور اٹھارہ روپیہ خرچ ہوئے۔ فیس سے دو لاکھ اٹھانوے ہزار پانچسو بہتر روپیہ وصول ہوئے تھے۔ اس لئے سرکار کو آٹھ لاکھ اٹھارہ ہزار چار چھیالیس روپیہ کا بار برداشت کرنا پڑا۔ ریاست کی قلیل آمدنی پر نظر کرتے اخراجات متذکرہ بہت معقول معلوم ہوتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حکومت تعلیم کی اہمیت محسوس کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی جب رقم فیس پر نظر ڈالی جاتی ہے اور ہمارے ملک میں جو رقم بطور فیس وصول ہوتی ہے اس سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو ہمارے استعجاب کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ ریاست کوچین کی رعایا بیدار مغز ہے تعلیم کی خوبیوں کو سمجھتی ہے اور حکومت کے دوش بدوش روپیہ خرچ کرنے سے پس وپیش نہیں کرتی ہے۔

اعداد و شمار | سال زیر رپورٹ میں سرکاری اور امدادی مدارس ادبی و صنعتی کی جملہ تعداد ایک لاکھ چھ ہزار دو سو نوتھی۔ جن میں اٹھتر ہزار اور تراسی لڑکے اور سینتیس ہزار ایک سو تیس لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں۔ سرکاری مدارس میں ستائیس ہزار سات سو بیاسی لڑکے اور چودہ ہزار چھ سو اکاسی لڑکیاں شریک تعلیم تھیں۔ باقی یعنی اکتالیس ہزار تین سو ایک لڑکے اور بائیس ہزار چار سو بیالیس لڑکیاں امدادی مدارس میں زیر تعلیم تھیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پبلک بھی تعلیم کے اخراجات کا بار بہت اٹھاتی ہے۔ سرکاری اور امدادی مدارس ادبی و صنعتی میں لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد بلحاظ تعداد اطفال قابل تعلیم ۹۵،۱۳ اور ۴۶،۱۹ فیصدی ہے۔ بلحاظ مذاہب اطفال کی تعداد حسب ذیل ہے:۔

ہندو ۵۹۰۵۹ - عیسائی ۴۲۱۲۰ - مسلمان ۴۰۶۰

مجموعی تعداد اس قدر بتاتی ہے کہ ہندوستان کے بہت کم حصوں میں اس کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ ہم ریاست کوچین کو مبارکباد دیتے ہیں کہ وہاں کے قابل تعلیم اطفال کی بڑی تعداد میں باقاعدہ تعلیم پا رہے ہیں۔

اعلیٰ تعلیم | اس وقت تک کوئی یونیورسٹی قائم نہیں کی گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اعلیٰ تعلیم پر بہت توجہ کی جاتی ہے۔ اس لئے تعلیم کا انتظام ہندوستان کے اور حصوں کے برخلاف محض طبقۂ ذکور ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ طبقۂ اناث بھی حسب منشاء اعلیٰ تعلیم سے مستفید ہو چنانچہ سال زیر رپورٹ میں اناث کیلئے ایک جدید کالج قائم کیا گیا۔

ثانوی تعلیم | فوقانیہ مدارس کی تعداد چونتیس ۳۴ سے سینتیس ۳۷ ہوگئی۔ تعداد طلبہ و طالبات چار ہزار نو سو انتیس تھی جن میں چار ہزار انانیس لڑکے اور آٹھ سو بائیس لڑکیاں تھیں۔ لڑکیوں کی اتنی تعداد قابل تعریف ہے۔ افسوس کہ ہم اس کا بالکل بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ان مدارس میں کم و بیش وہی نصاب رائج ہے جو کہ ہمارے ہائی اسکولوں میں مقرر ہوتا ہے۔ لیکن ملک کی ضروریات و حالات کی مناسبت سے کوچین کے دیوان محکمۂ تعلیم نے تجارت۔ نباتات اور زراعت کی تعلیم بطور انتخابی مضامین پڑھانے کا مزید انتظام کیا ہے اور امید

اظہار کیا ہے کہ آئندہ سال بہت سے مدارس میں زراعت کی تعلیم کا انتظام کیا جائیگا۔ چنانچہ محکمہ نے کئی انتخاب افتہ زراعت کاروں کے لئے پونا روانہ کئے ہیں۔ ان کی واپسی پر تعلیم زراعت کو فروغ دینے میں مزید سہولت ہوگی۔ لڑکیوں کے لئے امور خانہ داری و تیمارداری اختیاری مضامین ہیں اور لڑکیوں کے مدارس فوقانیہ میں ان کی باقاعدہ تعلیم دیجاتی ہے۔

طبی معائنہ | دماغی تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ وطالبات کی جسمانی حالت کی بھی پوری نگرانی کیجاتی ہے تمام مدارس فوقانیہ میں باقاعدہ طور پر طبی معائنہ کیا جاتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ مقامی ڈاکٹر کو ہر سو طلبہ کے طبی معائنہ کے معاوضہ میں ۵ روپیہ دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح خزانہ پر بہت کم بار پڑتا ہے اور نئی پود کی جسمانی حالت کے درست کرنیکا موقع مل جاتا ہے۔ محکمہ کو شکایت ہے کہ والدین اپنے بچوں کی صحت کی اصلاح کی جانب توجہ نہیں کرتے۔ تاہم اب تک طبی معائنہ سے امید افزا نتائج برآمد ہوئے ہیں۔

مدارس وسطانیہ | مدارس وسطانیہ کی جملہ تعداد تراسی تھی اور تعداد طلبہ وطالبات آٹھ ہزار سات سو پینتیس۔ چھ ہزار چار سو بائیس لڑکے تھے اور دو ہزار تین سو گیارہ لڑکیاں۔ مدارس فوقانیہ کی طرح مدارس وسطانیہ میں بھی لڑکیوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ہمارے ملک کو اس چھوٹی سی ریاست کے باشندوں سے سبق لینا چاہئے حقیقت یہ ہے کہ لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ قلیل آمدنی کے باوجود تعلیم پر معتدبہ رقم صرف کیجاتی ہے۔ تعلیم پر پبلک الگ روپیہ لگاتی ہے اور ملک سرعت کے ساتھ میدان ترقی میں قدم بڑھاتا جاتا ہے

ابتدائی تعلیم | سرکاری اور امدادی مدارس تحتانیہ کی تعداد علی الترتیب ایک سو چونسٹھ اور دو سو چھاسی تھی۔ اور ان میں اسی ترتیب کے لحاظ سے بتیس ہزار آٹھ سو اکہتر اور ستاون ہزار دو سو اکاون طلبہ زیر تعلیم تھے۔ دونوں قسم کے مدارس میں لڑکیوں کی تعداد تینتیس ہزار چار سو تہتر تھی۔ علاوہ بریں نیم سرکاری اور غیر امدادی مدارس طلبہ کی تعداد دو سو اٹھانوے اور چھ ہزار نو سو اکیس تھی۔

مزدور پیشہ اشخاص کے لئے سرکاری طور پر مدارس شبینہ قائم ہیں ان کی جملہ تعداد چودہ ہے اور ان میں ایک ہزار ایک سو اکاون مرد اور چھیانوے عورتیں تحصیل علم میں مشغول تھیں۔

صنعتی تعلیم صنعت و حرفت کے مدارس کی جملہ تعداد بائیس تھی۔ ان میں سے ایک صرف اناثہ کے لئے مخصوص ہے۔ لٹریچور کے مدرسہ صنعت و حرفت میں اصول تجارت مختصر نویسی ٹائپ رائٹنگ وغیرہ کی تعلیم دیجاتی ہے۔ مدارس گورنمنٹ کے صنعت و حرفت کے امتحانات کے لئے بھی لڑکیوں کو تیار کیا جاتا ہے۔ اور نجاری۔ رنگریزی۔ بید کا کام۔ ملمع سازی وغیرہ بھی سکھائی جاتی ہے۔ سال زیر رپورٹ میں ادنیٰ مدارس ثانیہ کے چند مدرسین کو اس مدرسہ میں صنعتی تعلیم دلائی گئی تاکہ وہ اپنی واپسی پر اپنے اپنے مدارس میں ان فنون کو رواج دیں۔ اس کے علاوہ مدارس فوقانیہ کے شوقین طلبہ کو یہ موقع دیا گیا کہ وہ اپنے مدرسہ کے اوقات کے بعد ایک گھنٹہ روز کسی صنعت کو سیکھیں۔ اس وقت تک جو نتائج نکلے وہ تشفی بخش بیان کئے جاتے ہیں۔ لیکن ہم کو اس سے اتفاق نہیں ہے۔ اس قسم کی ادھوری تعلیم انسان کو موجودہ زمانہ میں پیروں پر کھڑا نہیں کر سکتی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ہی اس کا قطعی تصفیہ کر لینا چاہیئے کہ اب ادبی تعلیم شروع کیجائے یا صنعتی۔ بہرحال جس کا بھی انتخاب کیا جائے اسی میں ہمہ تن لگ جانا چاہیئے جہاں دھیان بٹا تکمیل میں رخنہ پڑا۔ اور زندگی تباہ ہوگئی۔

ارناکلم کا مدرسہ صرف نجاری۔ کپڑا بافی اور بوہاری کی تعلیم دیتا ہے۔ ان کے علاوہ انہیں دیہی مدارس صنعت و حرفت ہیں جن میں مقامی صنعتیں سکھائی جاتی ہیں۔ کسی میں بورے بنانا سکھایا جاتا ہے تو کسی میں نجاری۔ کسی میں لاکھ کا کام تو کسی میں کپڑا بافی۔ مختصر یہ کہ مقامی صنعتوں کو ان مدارس کے ذریعہ زندہ رکھا جاتا ہے اور عمدہ تعلیم و انتظام کی بدولت ان میں روز بروز اصلاح و ترقی ہوتی جاتی ہے۔

ہمارے ملک کے حالات کے لحاظ سے ریاست کوچین کا سب سے زیادہ سبق آموز اور دلچسپ مدرسہ لڑکیوں کا صنعت و حرفت کا مدرسہ ہے۔ اس میں سینا پرونا۔ کشیدہ نکالنا۔ کاڑھنا۔ لیس بنانا۔ اور اسی قسم کی بہت سی موزوں صنعتیں سکھائی جاتی ہیں جو ہر عورت کا بہترین زیور ہیں۔ بقیہ

امتحان کی تعلیم کا بھی خاص انتظام ہے۔ اس تعلیم کے اخراجات کا پورا بار سرکار برداشت کرتی ہے اور طالب علم کے فیس داخلہ کرنے سے جتنی بھی رقم وصول ہوتی ہے اس میں سے ۵۰ فیصدی رقم طالبات کو بطور زر ورزش واپس دیتی ہے۔

ورزش جسمانی | محکمہ نے اس میں ورزش جسمانی کا اچھا انتظام پیش کیا ہے۔ تھوڑا روپیہ بطور امداد دیکر انگریزی کھیلوں کو رواج دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ رپورٹ سے اس کا بالکل پتہ نہیں لگتا کہ آیا دیسی کھیلوں پر کوئی توجہ کی گئی یا نہیں۔ ہر سال انٹر اسکول ٹورنمنٹ بھی کیا جاتا ہے اور ریاست کے مختلف حصوں میں فٹ بال ٹینس وغیرہ کے ٹورنمنٹ کے انعقاد کی ترغیب دیجاتی ہے۔

بوائے اسکاٹ | سال زیر رپورٹ میں بوائے اسکاٹ کے دفتر کے لئے ایک نئی عمارت تیار کرائی گئی ہے۔ اسکاؤٹس کی تعداد سات سو کے قریب ہے۔ محکمہ نے ریاست کے ہر گوشہ سے اسکاؤٹ جمع کرکے ہفتہ اسکاؤٹ بنایا جو بہت کامیاب رہا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ریاست کوئمبتور نے "گرل گائیڈ" کی تحریک کو بھی رواج دیدیا ہے۔ لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیاں نظم و انضباط زیادہ پیدا کرتی ہیں وہ صرف اس لئے کہ محکمہ تعلیمات و پبلک نے سمجھ لیا ہے کہ ملک کی ترقی کے لئے لڑکے اور لڑکیوں کا دوش بدوش چلنا لازم و ملزوم کا حکم رکھتا ہے۔

آخر میں ہم ریاست کوچین کے محکمہ تعلیمات کو اس قابل تعریف رپورٹ پر بتہ ۱۹۲۱ء مبارکباد دیتے ہیں

شذرات

بہ عہد دورہ نواب حسین نواز جنگ بہادر اول تعلقدار ضلع گلبرگہ شریف نے بتاریخ ۴ آبان سنہ ۱۳۵۵ف مدرسہ کا معائنہ فرما کر ازراہ علمدوستی طلبا مدرسہ کی حوصلہ افزائی کے لئے مبلغ ( ) بچاس روپیہ کا گرانقدر عطیہ بغرض تقسیم انعامات مرحمت فرمایا۔ دوسرے روز جمعہ کی تعطیل میں ۱۰ بجے دوپہر جلسہ مقرر کر کے نظام العمل مرتب کیا گیا۔ جس میں دوم تعلقدار صاحب ڈیوژن شوراپور کی تحریک اور راجہ کشٹیا نایک صاحب بلونت بحری بہادر کی تائید پر اول تعلقدار صاحب صدر نشین منتخب ہوئے۔ مدرسہ کے سامنے وسیع میدان کو جھنڈیوں اور ہیروں سے آراستہ کیا گیا۔ فرش فرنیچر سے اعلیٰ پیمانہ پر نشست گاہ کا انتظام تھا۔ اکثر معززین و جاگیرداران و بیوپاریان و عہدہ داران و وکلا صاحبان شریک جلسہ تھے۔ لیکن عین آغاز جلسہ کے وقت بارش کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس لئے دوسرے روز چونکہ بوجہ گنیش چوتھ صبح کا مدرسہ تھا۔ ۳ بجے جلسہ مقرر کیا گیا۔ ایک مصنوعی مکان بنائی گئی تھی۔ جس کے سامنے "خیر مقدم" کا خوبصورت بورڈ تھا۔

پہلے جلسہ کا پروگرام تقسیم ہوا۔ اس کے بعد نواب خورشید علیخاں صاحب دوم تعلقدار نے صدارت کے لئے نواب حسین نواز جنگ بہادر کا انتخاب فرما کر جناب ممدوح کی علمی دلچسپی کی نسبت اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ راجہ کشٹیا نایک صاحب نے اس تحریک کی لفظ بہ لفظ تائید فرمائی۔ مزید تائید منصف صاحب شوراپور نے بھی فرمائی۔ حسب تحریک جناب ممدوح نے شکریہ کے ساتھ جلسہ کی صدارت کو قبول فرمایا۔ بموجب نظام العمل چند طلبائے مدرسہ نے خوش الحانی کے ساتھ اردو و فارسی میں ترانۂ حمد سنایا پھر سراج الدین و غلام محمد تلامیذ مدرسہ نے قصیدہ ہمیہ جناب صدر صاحب پڑھا۔ اس کے بعد اس پورٹس کے چند کھیل ہوئے اس میں جن لڑکوں نے کامیابی حاصل کی تھی ان کے لئے انعامات تجویز کئے گئے۔ اور کرلی کشٹیا صاحب ساہوکار تمّاپور نے بھی غریب و نادار طلبہ کے لئے ازراہ ہمدردی دو سو ٹوپیاں پیش کی تھیں۔ انعامات اور شیرینی کے تقسیم کے بعد نادار طلبا کو ٹوپیاں دئے گئے اور راجہ صاحب ممدوح نے نمائش کے کام پر بی جگناتھ راؤ طالب علم کو مبلغ (۵۰) روپیہ انعام عطا فرمایا۔ اور دوم تعلقدار صاحب نے بھی ایک طلائی تمغہ

(اسی طالب علم کو) مرحمت فرمایا۔ اس کے بعد صدر صاحب نے خطبۂ صدارت پڑھکر سنایا جسمیں اعلیحضرت بندگانعالی کی روشن خیالی و بیدار مغزی کی نسبت آپ نے خیالات کا اظہار فرما کر اعلیحضرت کی ترقی عمر و اقبال کے لئے دعا فرمائی اور بچوں نے دعائیہ نظم پڑھی۔

ہوا میں غضب کی قوت ہوتی ہے جو ذرا سی محنت و کوشش سے بہت کارآمد اور نافع ہو سکتی ہے۔ یورپ کے اکثر ممالک میں ہوا چکی کے ذریعہ سے باؤلیوں میں سے پانی نکالا جاتا ہے ہمارے ملک کے ان حصوں میں جہاں ہوا زور سے چلتی رہتی ہے۔ ہوا چکی بہت ہی مفید ہوگی اس کا بنانا آسان اور چلانا آسان تر ہے۔ اس کا خرچ بائے نام اور فائدہ بے اندازہ ہے۔

برٹش میوزیم یعنی برطانوی عجائب خانہ میں پچاس لاکھ قلمی اور مطبوعہ کتابیں۔ اور تیس ہزار سکے۔ اور بیس ہزار قدرتی عجائبات ہیں۔

اب تک مریض کی حالت زبان اور نبض کے دیکھنے اور تھرمامیٹر یعنی مقیاس حرارت کے لگانے سے معلوم کی جاتی تھی۔ لیکن تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ جس طرح صرف زبان اور نبض سے حالت کا صحیح اندازہ غیر تشفی بخش خیال کیا جانے لگا تھا۔ مقیاس حرارت کو بھی ناقص قرار دیا گیا ہے اور تصفیہ یہ ہوا ہے کہ مریض کے خون کا امتحان کیا جائے۔ کیونکہ تجربے نے ثابت کیا ہے کہ انسان کے کسی عضو یا جسم کے حصہ میں کوئی بیماری ہو تو اس کا خون پر اثر ہو جاتا ہے اور خون کے امتحان سے اصلی حالت کا پتہ چل جاتا ہے۔

ہر جوان شخص کے سر کے بالوں کی تعداد تقریباً لاکھ ہوتی ہے۔

عام طور پر ہر آدمی ایک منٹ میں اٹھارہ دفعہ سانس لیتا ہے۔

ایک روسی سائنس داں ڈاکٹر مانولاف نے عرصہ دراز کی کوشش و تجربہ کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ ذی حس کی طرح غیر ذی حس میں بھی تذکیر و تانیث موجود ہے۔ ان کا بیان ہے کہ پتھروں میں بھی نر اور مادہ پتھر ہوتے ہیں۔

صدر انجمن اساتذہ صوبہ گلبرگہ کی انتظامی کمیٹی نے نمائش زراعتی پونہ کے معائنہ کے لئے اپنے اخراجات سے دو نمایندوں کو روانہ کیا ہے اور ان کو ہدایت دی ہے کہ واپسی پر وہ ایک مکمل رپورٹ پیش کریں۔

فرح سلطانہ بیگم صاحبزادی ایڈیٹر صاحب جبل المتین نے اس سال کلکتہ یونیورسٹی سے قانون کا امتحان بدرجۂ اعلیٰ کامیاب کیا ہے چونکہ آپ پردہ نشین تھیں اس لئے امتحان گاہ میں خاص انتظام کیا گیا۔ آپ ہندوستان ہی کیا تمام دنیا میں پہلی پردہ نشین خاتون ہیں جنہوں نے قانون میں ڈگری حاصل کی ہے۔

حسب رائے ٹکسٹ بک کمیٹی۔ ناظم صاحب تعلیمات صوبہ متوسط اور برار نے بچوں کا قاعدہ نصاب میں شریک فرمادیا ہے۔

ہم اس سے قبل لکھ چکے ہیں کہ انگلش چینل (بحیرۂ انگریز) کو ایک امریکن لڑکی ایڈرل نامی نے چودہ گھنٹے انتالیس منٹ میں تیر کر پار کرلیا۔ لیکن اس حیرت انگیز واقعہ نے مرد تیراکوں کو بیچین کردیا تھا۔ آخر کار ایک جرمن تیراک۔ والیر کارٹر نے اسی قدر سلکو اڑھ گھنٹے بیالیس منٹ

ہیں نے لڑکے دوں کی عزت رکھ لی۔

اس امر کا تصفیہ ہو گیا ہے کہ آئندہ سال یعنی ۱۹۲۷ء سے انگلستان و ہندوستان کے مابین ہوائی جہازوں پر سفر ہو سکیگا۔ آلن کاہم حال ہی میں راستہ کی مشکلات اور موسم کی حالت کی دریافت کی غرض سے انگلستان سے ہندوستان ہوائی جہاز پر ہی آئے اور واپس ہو گئے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ آئندہ سال وہ مع بیوی بچوں کے ہوائی جہاز پر یہاں آئینگے۔

ایک زمانہ تھا کہ ہماری ریاست کی مالی حالت خراب و خستہ تھی لیکن جب سے نواب حیدر نواز جنگ بہادر مہمات المہام فینانس ہوئے ہیں مالی حالت درست ہی نہیں ہو گئی بلکہ عام اصلاحات و نفاذ ٹائم اسکیل کے باوجود معتدبہ رقم پس انداز ہونے لگی۔ سنہ ۱۳۳۶ف کا جو موازنہ شایع ہوا ہے اس کے بغور دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ سہ سالہ مدت سیل بندی کے اختتام پر دو کروڑ تیئیس لاکھ روپیہ بچت ہیں تھے یہ زبردست رقم خزانہ میں مقفل نہیں رکھی گئی بلکہ نہایت دُور بینی اور دور اندیشی سے اس کو ایسے کاموں میں لگایا جا رہا ہے جو ملک و قوم کے لئے مفید ہوں اور آمدنی میں اضافہ کریں۔ چنانچہ ایک کروڑ تیس لاکھ روپیہ تعمیر ریلوے پر صرف کئے جائینگے۔ ساڑھے اٹھارہ لاکھ قحط کی بلائے ناگہانی کے دُور کرنے کے لئے محفوظ رہینگے۔ پندرہ لاکھ سڑکوں کی توسیع و مرمت پر خرچ ہونگے۔ تین لاکھ تعلیم صنعت و حرفت پر اور تین لاکھ افزائش نسل چوپایہ پر اور باقی ماندہ رقم اسی قسم کے اور کاموں پر لگادی جائیگی۔

نواب صاحب ممدوح نے خیال ظاہر فرمایا ہے کہ سال آئندہ ریاست کی کل آمدنی سات کروڑ سینتالیس لاکھ روپیہ ہوگی اور خرچ چھ کروڑ چھبیس لاکھ روپیہ اس طرح ایک معتدبہ رقم پس انداز ہونیکی توقع ہے۔

وبائی امراض کے عام ہو جانے کے باوجود ہم لوگوں نے حفظ ماتقدم کے لئے تدابیر اختیار کرنیکا خیال تک نہیں کیا ہے۔ حالانکہ یورپ اور امریکہ کے تجربوں سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ہر مرض کا بہترین علاج یہ ہے کہ اس مرض کو قریب ہی نہ آنے دیا جائے۔ ہندوستان کی طرح یورپ میں بھی طاعون ہوا کرتا تھا لیکن حفظان صحت کے اصول پر عمل کر کے اس کو نیست و نابود کر دیا گیا ہے۔ امریکہ میں ملیریہ بخار نے آفت مچا رکھی تھی۔ لیکن عمدہ تدابیر کے اختیار کرنے کے بعد یہ نتیجہ ہوا کہ ۱۹۰۶ء میں فی ہزار آٹھ سو اکیس ملیریا کے شکار تھے۔ لیکن ۱۹۱۷ء میں فی ہزار صرف چودہ رہ گئے۔ ان ہی تدابیر سے ہم بھی وبائی امراض سے اپنے کو محفوظ کر سکتے ہیں۔

سائنس داں یہ کہتے ہیں کہ سیسہ کا ایک جزو نکال دیا جائے تو پارہ بن جائیگا۔ یورپ میں اس طرح پر پارہ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے لیکن اب تک کامیابی نہیں ہوئی۔

بمقام جنیوا جو مجلس بین الاقوامی کا صدر مقام ہے ایک ایسا مدرسہ قایم ہوا ہے جہاں مختلف قوموں کے بچوں کو ایک ساتھ تعلیم دیجاتی ہے فی الحال اس مدرسہ میں دس مختلف قوموں کے بچے ہیں۔ ذریعہ تعلیم انگریزی اور فرانسیسی بانیں ہیں۔ خیال یہ ہے کہ مختلف قوموں کے بچوں کو ایک جگہ تعلیم دیکر قوموں کے میل ملاپ کا سنگ بنیاد رکھا جائے۔ ہماری رائے میں ہندوستان میں اگر کوئی روشن خیال ایک اسی قسم کا مدرسہ قایم کر کے ہر مذہب و ملت کے بچوں کو ایک جگہ کر کے تعلیم دے تو بہت مفید نتائج برآمد ہونگے۔

حکومت بڑودہ نے بھی ایک یونیورسٹی قایم کرنیکا ارادہ کر لیا ہے چنانچہ اس نے ایک کمیشن مقرر کیا ہے کہ وہ ضروریات ملک اور موجودہ تعلیمی حالت و انتظامات پر غور و فکر کر کے ایک مکمل رپورٹ پیش کرے تاکہ ایک اعلیٰ قسم کی یونیورسٹی قایم کی جا سکے۔

تاریخی و جیاگرفیکل اٹلس اردو ملک سرکارعالی

اس اٹلس میں ملک سرکارعالی اور اس کے جملہ اضلاع و نیز پائیگاہوں سمستانات اور ملک برار کے نقشہ جات نہایت صحت کیساتھ طبع ہوئے ہیں اور ہر نقشہ کے محاذی پورے صفحہ پر اس کے متعلقہ جغرافی معلومات بالتفصیل درج کئے گئے ہیں ناظرین اٹلس ہذا کو آئندہ ہر ایک حصہ ملک کے ضروری جغرافی حالات معلوم کرنیکے لئے کسی مزید جغرافیہ کے ملاحظہ کی ضرورت داعی نہ ہوگی یہ پہلا موقع ہے کہ اس اہتمام کے ساتھ ہمارے ملک کا اٹلس طبع ہوکر پیش ناظرین ہو رہا ہے۔ ملک کے قدردان اصحاب اور مدارس کے طلبار و مدرسین اس نادر تحفہ کے طلب کرنے میں عجلت سے کام لیں گے تاکہ موجودہ نسخے ختم ہونے پر انہیں طبع ثانی کا انتظار نہ کرنا پڑے اس اٹلس کی قیمت صرف عہ سکہ عثمانیہ ہے اس اٹلس کو صدر مجلس انتخاب کتب صدر دفتر نظامت تعلیمات سرکارعالی منعقدہ ماہ آبان ۱۳۳۵ف نے کل مدارس سرکارعالی کے کتب خانون کیلئے منظور فرمایا ہے۔

المشتہر سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر و مالک اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

اُردو کا ماہانہ رسالہ شمع آگرہ

جنوری ۱۹۲۵ء سے شمع نہایت آب و تاب سے شایع ہو رہا ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ غرض ہر لحاظ سے اپنی آپ نظیر ہے ہر مضمون مہذب محرک خیال اور معلومات جدیدہ کا بہترین نمونہ ہوتا ہے اور تاریخی سیاسی۔ اقتصادی و ادبی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اسکے مقاصد علمی و ادبی ہیں۔ لائق مدیران شمع مسٹر محمد حبیب (آکسن) بیرسٹرایٹ لا پروفیسر تاریخ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ و مسٹر حسن عابد جعفری (آکسن) بیرسٹرایٹ لا آگرہ ہیں۔ یہ حضرات بہترین تعلیم یافتہ ہونیکے علاوہ اعلیٰ درجہ کے نقاد اور ادیب ہیں اور فن اخبار نویسی سے واقف ہیں اور محض ادبی و علمی خدمت کی آرزو میں رسالہ کی ترتیب میں مصروف ہیں اس میں کوئی ذاتی فائدہ شامل نہیں اور نہ کسی تجارتی اصول پر اسکو پیش کرنا چاہتے ہیں۔

ہر ماہ میں پابندی وقت سے شایع ہوتا ہے تصاویر بھی شائع ہوتی رہتی ہیں۔

حجم ۱۰۰ صفحہ قیمت سالانہ (۲) کلدار نمونہ کا پرچہ (۱۰) کلدار

المشتہر منیجر رسالہ شمع حسن منزل شاہ گنج آگرہ

بچوں کا قاعدہ

مرتبہ سجاد مرزا۔ ایم۔ اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ

(اقتباس از خیر آرا)

رہنمائے تعلیم لاہور | یہ بڑی تقطیع کا باتصویر قاعدہ ہے جسکی لکھائی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ۔ طرز تعلیم عمدہ و آسان ہے مشکل کے اصول کو ہر حالت میں مدنظر رکھا گیا ہے مدرسین کو اور خود خواندن کی تعلیم میں جو مشکلات پیدا ہوا کرتی ہیں انکے لئے ہر سبق کے آخر میں یا انجام پر فٹ نوٹ کی صورت میں مناسب ہدایات دی گئی ہیں۔ حروف تہجی کی ملاوٹ کا طریق نہایت واضح اور صاف ہے جو اس قاعدہ کو دیگر مروجہ قاعدوں سے مخصوص کرتا ہے اگر اسے مصنف کی ہدایات کی بموجب پڑھایا گیا تو وہ موجودہ تکالیف تکان کو بہت کچھ دور کر دیگا

رفیق التعلیم لاہور | صدر مہتمم تعلیمات گلبرگہ نے حال ہی میں بچوں کے لئے ایک نہایت مفید بچوں کا قاعدہ اردو سیکھنے کے لئے تالیف کیا ہے مصنف نے اس قاعدہ کو ہر طرح مکمل بنانے کی کوشش کی ہے۔ تصاویر کی مدد سے اسباق کو دلچسپ بنایا گیا ہے اور ہر سبق کے بارے میں استاد کے لئے ہدایت دی گئی ہے۔

ظل السلطان بھوپال | بچوں کے پڑھنے کے لئے اکثر قاعدے لکھے گئے ہیں جو کچھ نہ کچھ فائدہ بخش ضرور ہیں اور ان میں بچوں کے واسطے آسانیاں اور سہولتیں بھی بہت کچھ پیدا کی گئی ہیں۔ انجمن ترقی اردو نے بھی ایک قاعدہ مرتب اور اپنی دانست میں اس نے بچوں کی ابتدائی تعلیمی مشکلات کو ختم کر دیا ہے لیکن باوجود کلید قاعدہ کے ابھی اسکے سمجھنے والوں کی تعداد ہندوستان میں بہت کم ہے ممکن ہے کہ آئندہ کسی دور میں انکی سعی مشکور و بار آور ہو۔ جب سجاد مرزا صاحب کے قاعدہ کو دیکھا جاتا ہے تو وہ بہت زیادہ مفید اور کار آمد معلوم ہوتا ہے اور امید ہے کہ جب یہ قاعدہ بچوں کو پڑھایا جائیگا اس سے ان کو بہت سہولت پیدا ہو جائیگی کیونکہ بعض خصوصیات اس قاعدہ میں ایسی ہیں جس سے اسکی دلچسپی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ بہر حال یہ قاعدہ اور قاعدوں سے زیادہ سہل اور آسان ہے۔

یہ طرز جدید کا پہلا قاعدہ جس میں ممالک محروسہ کیلئے حضور نظام کی اور علاقہ انگریزی کے لئے کنگ جارج کی تصویر ہے ہمارے بک ڈپو سے بقیمت فی جلد (۴/) ملسکتا ہے۔ مدارس اور مدرسوں کو کمیشن دیا جاتا ہے۔

دی حیدرآباد بک ڈپو۔ چادر گھاٹ حیدرآباد (دکن)

بلد سوم نمبر (۵)

المعلم

ع

ماہ دے سنہ ۱۳۳۶ ف

مدیر ..... محمد سجاد مرزا۔ ایم۔ اے (کنٹب)

شریک مدیر ..... محمد عظمت اللہ خاں بی۔ اے

اعظم اسٹیم پریس چارمینار

حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہونگے سیاسی مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائینگے

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شایع ہوا کریگا

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہونگے ان کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (پیشگی) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائیگی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ پانچ آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائیگا۔

(۷) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہیئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہیگی۔

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے رقم وصول ہونے پر اشتہار طبع کئے جائینگے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	۱	۸ر ۰	۸ر ۰
۳ بار	۲	۱	۸ر ۱
ششماہ	۱۰	۵ر ۵	۱۰
سالانہ	۱۸	۱۰	۸ر ۵

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ موسومہ شریک مدیر پتہ ذیل پر ہونی چاہیئے۔

محمد عظمت اللہ خاں بی۔اے شریک مدیر

دفتر رسالۂ العلم بلگرامی ہوز سانحہ توپ

حیدر آباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مندرجات

المعلم

(۱) مبتدیوں کی اردو نشت وخواند نمبر (۵) — از مولوی محمد حسین صاحب جہانیم اے۔ بی۔ ای۔ ڈی صدر مدرس فوقانی بیدر — (۱ تا ۱۰)

(۲) ایک روشن خیال مسلم خاتون کا پرزور خطبہ — شریک مدیر — (۱۱ تا ۲۹)

(۳) بچوں کی تعلیم — از مولوی احمد حسین صاحب قدوائی مدگار صدر نوقانیہ انگریزی گلبرگہ — (۲۹ تا ۳۵)

(۴) عجائب حساب نمبر (۳) — از مولوی نصیر احمد صاحب بی۔ ایس سی مدگار پروفیسر کرسچین کالج مدراس — (۳۵ تا ۳۸)

(۵) مشترمرغ — " " " — (۳۹ تا ۴۱)

(۶) تبصرے۔ ادبستان۔ چند پرند۔ عقوبت گناہ — شریک مدیر — (۴۱ تا ۴۳)

(۷) شذرات۔ — " — (۴۴ تا ۴۸)

جلد سوم — بابتہ ماہ دے سنہ ۱۳۳۶ف — نمبر (۵)

مبتدیوں کی اُردو نوشت وخواند

(نمبر ۵)

تعلیم کیلئے تیاری | مختلف طریقہ تعلیم کی ماہیت وموزونیت پر اصولی بحث وتمحیص کے بعد ہمیں دیکھنا ہے کہ عملاً بچوں کی تعلیم کس طرح شروع کرنی چاہیئے۔ معلوم سے نامعلوم اور آسان سے مشکل کی طرف چلنا تعلیم کا عام نفسیاتی اصول ہے جسکی پیروی ہر قسم کی تعلیم میں مفید نتائج پیدا کرتی ہے کیونکہ اس سے عقل کی ترقی کی اسراع بہت تیز ہوجاتی ہے۔ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ نوشت وخواند کی باقاعدہ تعلیم سے پہلے بچوں کو تقریری اور زبانی تعلیم دینی چاہیئے۔ والدین ومعلمین کو چاہیئے کہ چھوٹے

بچوں کے ساتھ آسان جملوں میں گفتگو کریں۔ دلچسپ اور نصیحت آمیز قصص و حکایات بیان کریں۔ اِرد گرد کی اشیاء اور جانوروں کا حال بتائیں۔ بچوں سے سوالات کریں اور مختلف چیزوں کے نام خواص، فوائد اور استعمال کے متعلق اُن سے جوابات اخذ کریں۔ اس طرح بچوں کی طاقت گویائی کو ترقی دیں اور انہیں پڑھنا لکھنا سیکھنے کے لئے تیار کریں۔ چونکہ پڑھنے اور لکھنے میں گہرا تعلق ہے اور ہر ایک کی دوسرے سے تکمیل ہوتی ہے۔ اِس لیے نوشت و خواند کی تعلیم ساتھ ساتھ ہونی چاہیئے مانٹیسری کے قول کے مطابق ایک بات لڑکوں کو بیسیوں طریقہ سے ذہن نشین کرنی چاہیئے اور جہاں تک ممکن ہو ان کے مختلف حواسوں سے کام لینا چاہیئے۔ کسی شئے کی تعلیم میں بچوں کی قوتِ باصرہ۔ قوتِ سامعہ۔ قوت لامسہ۔ قوت محرکہ سب کی سب بروئے کار لائی جائیں تو اس شئے کا نہایت گہرا نقش بچوں کے ذہن پر قایم ہوگا جو کبھی محو نہیں ہو سکتا جس طرح پڑھنے کا تعلق صرف بصارت اور سماعت سے ہے اسی طرح لکھنے کا بصارت لمس اور قوت محرکہ سے ہے لیکن جب پڑھنا اور لکھنا دونوں دوش بدوش رہینگے تو یہ تمام قوتیں مصروف بکار رہینگی۔ لہذا لڑکا جو کچھ پڑھے اُسے لکھ بھی لیا کرے تو وہ بخوبی اس کے ذہن نشین ہو جائیگا۔ الغرض اوپر بالا ہمیں اِس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں کہ بچوں کو پڑھنا اور لکھنا ساتھ ساتھ سکھانا چاہیئے۔ لیکن جس طرح پڑھنا شروع کرنے کے پہلے لڑکوں کو زبانی تعلیم کے ذریعہ تیار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح انہیں قبل سے لکھنے کے لئے تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ لہذا زبانی تعلیم کے اثناء میں بچوں سے مختلف اشکال کھینچنے کی مہارت کرانی چاہیئے۔ "اردو کی خصوصیات" کے تحت بتایا جا چکا ہے کہ اردو کے حروف چند سادہ خطوط سے بنتے ہیں اور بعض دوسری زبانوں کے حروف کی طرح وہ پیچیدہ بیل بوٹے کی شکل اختیار نہیں کرتے۔ تصویر بنانے اور نقل اتارنے کی طرف بچوں کا طبعی میلان ہوتا ہے معلم کو چاہیئے کہ اس حیلہ سے فائدہ اٹھائے اور اس کا رُخ بیکار اور فضول اشکال کی جانب سے پھیر کر مفید اور کارآمد اشکال کی طرف لگا دے پہلے بچوں سے کھڑے۔ آڑے۔ ترچھے۔ پڑے خطوط مستقیمہ کھنچوانے چاہئیں جب انکی پوری طرح مشق ہو جائے تو ٹیڑھے۔ خمدار۔ منقار نما۔ دندانہ دار لکیروں کی مہارت کرانی چاہیئے۔ اس بعد مدور

شبہ مدور۔ بیضوی۔ الٹے اور سیدھے نصف دائرہ وغیرہ کی شکلیں بنوانی چاہئیں۔ جب بچوں میں گرفت قلم کی پوری طاقت اور ہاتھ میں صفائی پیدا ہوجائے تو نوشت وخواند کی باضابطہ تعلیم شروع کرنی چاہیئے۔ اور حروف کا پڑھنا یعنی ان کی آوازیں بولنی اور ان کی علامتیں لکھنی ساتھ ساتھ سکھانی چاہئیں اکثر حروف چونکہ دو یا تین قسم کے خطوط سے مرکب ہوتے ہیں۔ اس لئے پہلے اُن کے اجزا کی طرف بچوں کی توجہ مبذول کرنی چاہیئے اور پھر اجزا کو ترکیب دیکر پورے حروف لکھوانے چاہئیں۔ تعلیم کا یہ طریقہ دو اہم نفسیاتی اصول پر مبنی ہے۔ اول یہ کہ عمل ذہنی کی رفتار معلوم سے نامعلوم کی طرف اور دوم یہ کہ آسان سے مشکل کی طرف ہوتی ہے۔ خطوط معلومہ سے نامعلوم حروف کا بنانا اصول اول کے تحت آتا ہے۔ چونکہ اجزاء بہ نسبت مرکب کے زیادہ سہل ہوتے ہیں۔ اس لئے پہلے حروف کے اجزاء کھنچوا کر پھر کل حروف کو ترکیب دینے سے اصول دوم کی پابندی ہوتی ہے۔

حروف تہجی کی تعلیم جب اس طرح بچے پڑھنے اور لکھنے کے لئے تیار ہوجائیں تو حروف تہجی کی تعلیم طریق الصوت کے مطابق شروع کرنی چاہیئے۔ مطالعہ اطفال کے تحت بیان ہوچکا ہے کہ بچوں کو کھیل سے فطری رغبت ہوتی ہے۔ عمدہ اور خوشنما چیزیں ان کی توجہ اپنی جانب جلد مبذول کرتی ہیں۔ اور اُن کا تصور اُن کے ذہن میں عرصہ تک قایم رہتا ہے۔ مثلاً اوپر بیان ہوچکا ہے کہ ایک بچہ کو جب انسان کی تصویر بنانے کے لئے کہا گیا تو وہ ہاتھ جیسے مفید اور اہم اعضاء کا بنانا بھول گیا۔ لیکن کمر بند۔ بوتام۔ بوٹ اور ٹوپی کے پر اپنی خوشنمائی کے باعث اس کے ذہن میں منقوش تھے لہذا ان کا کھینچنا وہ فراموش نہ کرسکا۔ بچے بہت دیر تک اپنی توجہ کسی چیز پر قایم نہیں رکھ سکتے البتہ اگر ان چیزوں میں دلچسپی اور خوشنمائی کا سامان پیدا کردیا جائے تو وہ دیر تک بچوں کی توجہ اپنی جانب مرکوز رکھینگی۔ نوشت وخواند کی تعلیم میں بچوں کے جبلی خصائص اور طبعی میلانات کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیئے۔ قدیم طرز پر بچوں کو حروف تہجی گھوٹ گھوٹ کر رٹانے سے اب کام نہیں چلیگا۔ حروف کے اصوات وعلامات سکھانے میں عجلت نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ نہایت ہوشیاری۔ صبر اور استقلال کے ساتھ تعلیم دینی چاہیئے۔ ایک ایک حرف لیکر اس کی علامت اور آواز مختلف وسائل کے ذریعہ سے

دلچسپ بنا کر سکھانی چاہیئے تاکہ بچوں میں شوق اور جوش عمل پیدا ہو۔ معلم کو چاہیئے کہ تعلیم کو مرغوب بنانے اور بچوں میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے چند ضروری سامان پہلے سے مہیا کر رکھے۔ مانٹیسری نے ابجد خوانوں کی تعلیم کے لئے جو وسائل تجویز کئے ہیں ان میں سے حسب ذیل اردو کی تعلیم کے لئے مفید ثابت ہونگے :-

(۱) چوبی مکعب جن کے پہلوؤں پر خوش خط حروف لکھے ہوئے ہوں (۲) مین یا وصلیوں کے بنے ہوئے حروف (۳) حروف تہجی کی تاش (۴) ایک رنگین غلتہ جس پر مختلف جانور۔ درخت اور متفرق خانہ داری کے سامان کی تصویریں بنی ہوئی ہوں اور ہر شئے کے نام کا پہلا حرف جلی خط میں لکھا ہو (۵) خام موم یا گیلی مٹی جسے کف دست پر ملکر لڑا اور پھر اس سے حروف کی شکلیں بنائی جا سکتی ہیں (۶) چھوٹی چھوٹی تیلیاں اور تنکے جن سے خطوط مستقیم سے بنے ہوئے حروف دکھائے جا سکتے ہیں (۷) تانبے یا پیتل کے تار جن کو موڑ کر مدور۔ شبہ مدور۔ بیضوی اور منحنی خطوط سے ترکیب پائے ہوئے حروف بنائے جا سکتے ہیں (۸) وصلیاں یا مقوے جن پر موٹے موٹے حروف تہجی با ترتیب اور بے ترتیب چھپے ہوئے ہوں۔ پڑھے ہوئے حروف کی شناخت کرانے کے لئے بے ترتیب لکھے ہوئے حروف بہت کار آمد ہوتے ہیں (۹) لکھنے کے سامان مثلاً تختہ سیاہ۔ کھڑیا۔ کاغذ تختی قلم۔ دوات وغیرہ ان تمام سامان کے بہم پہنچنے پر مدرس کو چاہیئے کہ حروف تہجی ایک ایک کر کے اسباق الاشیاء کے طرز پر دلچسپ پیرایہ میں سکھائے۔ پہلے ایک حرف کو تختہ سیاہ پر لکھے۔ اس کی آواز آہستہ آہستہ صاف اور واضح طور سے نکالے۔ آواز بولنے میں آلات نطق کی جائے وقوع اور انکی حرکات اچھی طرح دکھائے اور بچوں کو سمجھائے۔ ہر آواز کو صحیح مخرج سے ادا کرے۔ طریق الصوت کے تحت بیان کئے ہوئے وسائل سے مدد لے۔ بچوں سے پہلے اجتماعی طور پر اپنے ساتھ ساتھ آواز کہلوائے پھر انفرادی طور پر ایک ایک لڑکے سے وہ آواز نکلوائے تیلیوں کے ذریعہ سے یا تار کو خم کر کے حرف بنوائے۔ موم یا گیلی مٹی کو ہاتھ کی ہتھیلیوں پر ملکر لڑا اور پھر لڑوں کو موڑ کر حرف کی شکل بنائے۔ مین یا وصلیوں سے بنے ہوئے حروف۔ کہ مجموعہ میں سے اس

حرف کو نکلوائے۔ چوبی مکعب۔ حروف تہجی کی تاش۔ یا تصویر دار نقشوں میں وہ حرف تلاش کرائے۔ بے ترتیب حروف کی وصلی میں سے اس حرف کی شناخت کرائے۔ اس کے بعد بچوں سے وہ حرف تختی۔ سلیٹ یا کاغذ پر لکھوائے اسی طریق پر تمام حروف کی علیحدہ علیحدہ تعلیم دے۔ جب مرکب حرف یعنی ایسے حرف کی باری آئے جو مستقیم۔ مدور۔ شبہ مدور وغیرہ خطوط کی ترکیب سے بنا ہو تو پہلے اسکے اجزا کی جانب بچوں کی توجہ مبذول کرے۔ پھر ان اجزا کو باہم ملا کر پورا حرف بنانا سکھائے۔ جب تمام حروف فرداً فرداً اس طریق پر بچوں کے بخوبی ذہن نشین کرائے جا چکیں تو ان حروف کا باہمی مقابلہ کرائے ان کے مشابہات و اختلافات دریافت کرائے مشابہ حروف کے نقطے اول بدل کر۔ اوپر نیچے رکھکر گھٹا بڑھا کر۔ امتحان کرے۔ بے ترتیب چھپے یا لکھے ہوئے حروف تہجی کے تختے سے حروف کی شناخت کرائے۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ مقابلہ۔ تفریق و شناخت کا عمل تمام حروف تہجی سکھانے کے بعد ہی شروع کیا جائے بلکہ اسکا طریقہ یہ ہے کہ چند حروف سکھانیکے بعد یہ عمل جاری کر دیا جائے اس طرح تعلیم دینے سے بچوں میں بیحد شوق پیدا ہوگا تعلیم کی خشکی اور روکھا پن دور ہو جائے گا اور انکے لئے ایک دلچسپ کھیل معلوم ہوگی۔

اسی وقت سے خوشنویسی کے تمام لوازمات پر دھیان دینا چاہیئے نشست و گرفت قلم کا طریقہ تختی۔ سلیٹ کاغذ وغیرہ مناسب جگہ رکھنے کا سلیقہ ابھی سے بتانا چاہیئے ورنہ غلط انداز سے بیٹھنے اور غیر مناسب طریقہ سے قلم پکڑنے کی عادت پڑ جانے پر آئندہ بچہ کبھی خوشنویس نہ ہو سکیگا حروف کی موٹائی اور لمبائی۔ شوشوں کا اتار چڑھاؤ۔ اجزائے حروف کا تناسب وغیرہ بطور خاص مدرس کی توجہ کے محتاج ہیں۔ جب حروف تہجی کے اصوات و علامات بچوں کے بخوبی ذہن نشین ہو جائیں تو ہر حرف کی امتیازی خصوصیت۔ متعلقہ نقطے۔ اسکا ضروری جز جو اتصالی طرز تحریر میں قطع و برید کے بعد قائم رہتا ہے وغیرہ کی جانب بچوں کی توجہ بطور خاص مبذول کرنی چاہیئے اسکے بعد بچوں کو سکھانا چاہیئے کہ بعض حروف کے ساتھ مخلوط کرنے سے کس طرح ہندی النسل آوازوں کی علامتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ ہندی النسل اصوات اور انکے علامات کی ترکیب سمجھانیکے بعد انہیں مفرد اصوات قرار دینا چاہیئے تاکہ آگے چلکر "بھدیا" "کھر" وغیرہ کے بجائے نہیں ب ھ د ی ا ک ھ ر کہنے

کے بجائے بچہ صرف بھ ۔ د یا کھ ۔ ر کہے ۔ کیونکہ اول الذکر طریق پر بچے کرنے میں پھر وہی بے ترتیبی یا دقت پیدا ہوگی جو طریق تہجی کی اتباع سے رونما ہوتی ہے ۔ جب تمام دہ قسم کے اصوات اور ان کے علامات سے بچے بخوبی واقف ہو جائیں تو پھر اعراب لگا کر پڑھنا سکھانا چاہیئے تاکہ اعراب کے فوائد اور طاقت سے لڑکے بخوبی روشناس ہو جائیں ۔

مرکبات کی تعلیم | جب بچے اردو زبان کی دہ آوازوں اور ان کی تحریری علامتوں سے بخوبی واقف ہو جائیں تو انہیں دو حرفی و سہ حرفی مرکب الفاظ سکھانے چاہئیں ۔ بعض حضرات کو یہ طریقہ طویل اور وقت طلب معلوم ہوتا ہے اس لئے وہ "بین بین" گو کی حمایت میں رطب اللسان نظر آتے ہیں ۔ ان کا کہنا ہے کہ طریق بین گو لڑکوں میں شروع ہی سے بامعنی الفاظ اور جملوں کو پڑھنے اور لکھنے کا مادہ پیدا کر دیتا ہے ۔ لیکن یہ امر ذہن نشین رہے کہ جو کچھ تھوڑی بہت دقتیں پیش آتی ہیں جن پر معترضین کو بغلیں بجانے کا موقع ہاتھ آتا ہے وہ صرف ابتدائی زینوں میں رونما ہوتی ہیں ۔ آگے چلکر نوشت و خواند کے متعلق ترقی کی رفتار بہت تیز ہو جاتی ہے اور مدرس کی معمولی مدد اور توجہ سے بچے پڑھنے لکھنے پر قادر ہو جاتے ہیں ۔ برخلاف اس کے طریق بین گو ابتداءً بہت دلچسپ معلوم ہوتا ہے بشرطیکہ مبتدی سن اور اس کا دماغ نو یافتہ ہو ۔ ابتدا ہی سے بچے بامعنی الفاظ اور جملے پڑھنے لگتے ہیں ۔ لیکن جیوں جیوں وہ ترقی کرتے جاتے ہیں تیوں تیوں ان کی دشواریوں اور دقتوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے وہ جتنے الفاظ سیکھتے ہیں سب کی علحدہ علحدہ علامتیں ان کو یاد کرنی پڑتی ہیں یہاں تک کہ سینکڑوں متفرق و منتشر علامات کا بار ان کے حافظہ پر اس قدر گراں گزرتا ہے کہ وہ اس کے متحمل نہیں ہو سکتے تمام بے تعلق علامتیں ان کے دماغ میں خلط ملط ہو جاتی ہیں ۔ ترقی کی رفتار نہایت دھیمی پڑ جاتی ہے علاوہ بریں اس طریق کے تحت بچے سوائے سیکھے ہوئے الفاظ کے کوئی نیا لفظ نہیں پڑھ سکتے ۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حروف کی سادہ اور آسان شکل کی مشق کئے بغیر الفاظ کی پیچیدہ اور مشکل علامتوں کو بغور مشاہدہ کرنے ۔ ان کا پیچیدہ تصور اپنے ذہن میں قایم کرنے ۔ ایک لفظ کی علامت کو دوسرے سے تفریق کرنے ۔ اور ان کی نقل کاغذ یا تختی پر اتارنے میں ننھے بچے کس حد تک

کامیاب ہوسکتے ہیں۔ البتہ اگر طریق بین وگو کے مطابق انگریزی جیسی الجھی ہوئی اجنبی زبان کی تعلیم بڑے لڑکوں کو دی جائے جنکے قوائے ذہنیہ بڑی حد تک ترقی کئے ہوئے ہوں اور جنہوں نے نقشہ کشی میں اتنی مہارت پیدا کرلی ہو کہ الفاظ کے پیچیدہ اور مشکل علامات کا تصور اپنے ذہن میں قایم کرکے ان کی نقل بھی اتار سکتے ہوں تو کچھ مفید نتائج مرتب ہو سکتے ہیں لیکن ننھے بچوں کی تعلیم کے لئے جن کی مادری زبان، دو جیسی سلجھی ہوئی لسان ہو یہ طریقہ مفید نہ ہوگا۔ اجنبی زبان میں لڑکوں کی معلومات صرف مدرس کے سکھائے ہوئے الفاظ تک محدود ہوتی ہیں۔ لیکن مادری زبان کے سینکڑوں الفاظ اور جملے وہ روزمرہ کی بول چال میں استعمال کرتے ہیں اور ان کے معنی سے واقف ہوتے ہیں ان کو صرف ایسے طریقہ تعلیم کی ضرورت ہے جس سے وہ جملہ الفاظ و جملہ ہائے معلومہ کو پڑھنے اور لکھنے کے لائق بن جائیں۔ یہ غرض طریق بین گو سے ویسی پوری نہیں ہو سکتی جیسی طریق تہجی یا طریق صوتی سے۔

بہرحال حروف تہجی کی تعلیم کے بعد مرکبات سکھانے چاہئیں۔ یہاں معلمین کو دو باتوں کا بطور خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ اول یہ کہ الفاظ ثقیل اور کرخت نہ ہوں۔ بلکہ بچوں کی زبان سے بہ آسانی ادا ہو سکتے ہوں۔ دوم یہ کہ وہ بامعنی اور مانوس ہوں۔ غیر مانوس الفاظ سے بچوں کو وہ لطف حاصل نہ ہوگا جو ایسے الفاظ سے ہو سکتا ہے جسے وہ روزمرہ کی گفتگو میں استعمال کرتے ہوں۔ آسان اور معلوم سے مشکل اور نامعلوم کی طرف چلنے کا اصول یہاں بھی معلم کے پیش نظر رہنا چاہیئے بے معنی اور مہمل الفاظ سکھانے سے ایک ہی نقصان نہیں ہوتا کہ وہ تضیع اوقات کا موجب ہے۔ بلکہ اس سے بچوں کی املا غلط ہو جانے کا بھی اندیشہ ہے۔ اگر بچوں کو گز۔ گذ۔ گض۔ گظ چاروں صورتیں بتادی جائیں تو آگے چل کر املا نویسی کے وقت "ایک گز کپڑا لاؤ" کو ممکن ہے کہ لڑکا اس طرح لکھے۔ "ایک گذ کپڑا لاؤ"۔ زبان کھلنے یا تلفظ صاف ہونے کے حیلے سے "گذ" پڑھانے کو تو پڑھا دیا گیا۔ لیکن املا نویسی کے وقت اس غلط تصور کو جو عرصہ سے بچوں کے ذہن پر نقش ہو گیا ہو مٹانا مشکل ہے۔ لہٰذا اگر شروع ہی سے یہ خیال نہ رکھا جائے کہ بچے الفاظ کی غلط صورتوں سے آشنا ہی نہ ہونے پائیں تو

املا کی غلطی نہ ہوگی اور نہ معلم کو بچوں کے ذہن سے غلط تصورات ہٹانے کی زحمت گوارا کرنی پڑیگی۔

مندرجۂ بالا دو اصولوں کو مدنظر رکھ کر مدرس کو چاہیئے کہ پہلے ایسے دو حرفی مرکبات لے جہاں حروف کی سالم علامتیں ساتھ ساتھ رکھدی جاتی ہیں مثلاً اب۔ اُف۔ دَم۔ رَس۔ دِل رب وغیرہ بچوں کو چونکہ اعراب سے واقف کرایا جا چکا ہے۔ اسلئے آج۔ آپ۔ آم وغیرہ بھی اس ضمن میں سکھائے جا سکتے ہیں۔ اس قسم کے دو حرفی مرکبات پڑھانے اور لکھانے میں کوئی دقت پیش نہ آئیگی۔ اسکے بعد ایسے دو حرفی مرکب الفاظ کی تعلیم شروع کرنی چاہیئے جہاں دونوں حروف کا اتصال ہوتا ہو۔ اور اتصال کیغرض سے ایک حرف کا سرا یا آخر کا بڑا جزو لیا جاتا ہو۔ مثلاً بَت۔ بَن بَد۔ جَد۔ پَر۔ لڑ وغیرہ۔ اسی زینہ پر یہ بھی بچوں کے ذہن نشین کرانا چاہیئے کہ مختلف حروف کیساتھ حروف علت آ۔ و۔ ی کے اتصال سے کس قسم کی آوازیں نکلتی ہیں اور کس طرح یہ حروف بھی یک گونہ اعراب کا کام دیتے ہیں۔ دو حرفی مرکبات کی جب لڑکوں کو خوب مشق ہو جائے تو سہ حرفی مرکبات شروع کرنے چاہئیں۔ سہ حرفی مرکبات کی تعلیم کے وقت مدرس کو چاہیئے کہ پہلے لفظ کو اجزاء پر تقسیم کرے اور ہر جز کو الگ الگ سکھائے۔ پھر دونوں اجزاء کو ترکیب دیکر پورے لفظ کی تحریری علامت بتائے۔ جیسے گھ + ڑی = گھڑی۔ سَ + را = سرا۔ بَ + دن = بدن وغیرہ۔ اسی اصول پر چہار حرفی مرکبات کی تعلیم دینی چاہیئے مثلاً بک + ری = بکری۔ کُر + تا = کُرتا وغیرہ۔ جس وقت سے مرکبات شروع کئے جائیں اسی وقت سے بچوں کے بخوبی ذہن نشین کرانیکی کوشش کرنی چاہیئے کہ کسی لفظ کے شروع وسط اور آخیر میں آنے سے حروف کی مختلف شکلیں کس طرح بدل جاتی ہیں۔ یہ بھی ان کو اچھی طرح سمجھا دینا چاہیئے کہ آ۔ دَ۔ ڈ۔ ذ۔ ر۔ ڑ۔ ز۔ ژ۔ اور و انقطاعی حروف ہیں۔ یعنی کسی لفظ میں ان حروف کے واقع ہونے سے ان کے بعد حروف کا اتصال منقطع ہو جاتا ہے یہ حروف اپنے بعد آنے والے حروف کے ساتھ ملا کر لکھے نہیں جاتے۔ بہر حال دو حرفی مرکبات شروع کرنے ہی کے وقت سے اس امر کا خیال ضرور رکھنا چاہیئے کہ جب لڑکوں کو چند الفاظ پڑھنے آجائیں معاً ان الفاظ سے چھوٹے چھوٹے بامعنی و پر لطف جملے بنا کر پیش کئے جائیں محض الفاظ پڑھانے سے تعلیم خشک اور روکھی پھیکی بن جائیگی۔

جملہ پڑھنے سے ان کی دلچسپی بڑھیگی اور ترقی کرنے کا شوق پیدا ہوگا۔ جملوں کی تعلیم مدرس کو اس طرح دینی چاہیئے کہ پہلے ایک لفظ تختہ سیاہ پر لکھ کر بچوں سے اجماعی و انفرادی دونوں طور پر پڑھوائے اس کے بعد اس کے متصل دوسرا لفظ لکھے اور پہلے کی طرح پڑھوائے۔ پھر دونوں لفظوں کو ملا کر پڑھوائے۔ وعلیٰ ہذا۔ جب پورا جملہ ختم ہو جائے تو اس کو بھی اجماعی اور انفرادی دونوں طور سے دُہرانے کو کہے۔ پڑھنے کے بعد لڑکوں سے لکھوانا بھی ضرور ہے۔ اسی طرح سہ حرفی۔ چہار حرفی اور زائد حرفی الفاظ کی رفتہ رفتہ تعلیم دینی چاہیئے۔ جب سبق آگے بڑھے تو آہستہ آہستہ اس میں نئے الفاظ داخل کرتے جانا چاہیئے۔ لیکن نئے الفاظ کے تلفظ معنی اور استعمال پہلے بذریعہ تقریر سمجھا دینے چاہئیں۔ کسی لفظ میں اگر متحد الصوت حروف میں سے کوئی حرف آئے تو اس کی جانب لڑکوں کی توجہ بطور خاص مبذول کرنی چاہیئے انہیں بتانا چاہیئے کہ جب کبھی وہ لفظ لکھنا ہو تو وہی حرف ہمیشہ استعمال کیا جائے۔ دوسرے طور پر لکھنا غلط ہوگا جیسے پڑھنے میں اگر لفظ "مختصر" واقع ہو تو پہلے طلبہ کو اس لفظ کی صورت بغور دیکھنے کو کہا جائے پھر اُن سے لکھایا جائے تاکہ اس کا صحیح تصور ان کے ذہن میں اچھی طرح قائم ہو جائے اس کے بعد ان کو سمجھا دیا جائے کہ اس لفظ کو وہ ہمیشہ اسی طرح لکھا کریں۔ ت کی بجائے ط۔ یا ص کی بجائے س یا ث ہرگز نہ لکھیں۔ لفظ "مختصر" کا نقشہ جب ایک بار ان کے ذہن پر منقوش ہو جائیگا تو جب وہ اس کو غلط لکھا ہوا پائیں گے فوراً معلوم کرلینگے۔ کیونکہ غلط تحریر اُن کے ذہن میں پہلے سے قایم شدہ نقشہ سے مطابقت نہ رکھنے کے باعث غیر مانوس اور اجنبی معلوم ہوگی۔ بہرکیف جب لڑکے کچھ ترقی کرلیں تو انہیں کتاب دیکھکر عبارت نقل کرنے کے لئے کہنا چاہیئے اس سے انکا خط سدھرنے لگیگا۔ کیونکہ کتاب بالعموم خوشنویس کاتبوں کی لکھی ہوتی ہے۔ تاہم اثنائے نقل نویسی میں مدرس کو غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ بلکہ اس کا فرض ہے کہ جماعت میں گھوم گھوم کر لڑکوں کے کام کی جانچ کرے۔ انہیں مناسب ہدایات دے۔ لکھنے کا طریقہ بتائے اور غلطیوں کی اصلاح کیا کرے۔ پڑھنے کے اثنا میں جب بے قاعدہ الفاظ مثلاً اعلیٰ۔ علٰحدہ۔ ایضاً کریم النفس وغیرہ آئیں تو ان کی طرف مدرس بچوں کی توجہ بطور خاص مبذول کرے۔ انکو غور سے دیکھنے

کہے۔ اُن کے ہجے یاد کرائے ان کے تلفظ بنائے۔ کئی بار لکھائے۔ جملوں میں استعمال کرے۔ معنی اچھی طرح سمجھائے۔ وقتاً فوقتاً ان الفاظ کو بول کر لکھوائے تاکہ ایسے الفاظ کی صورتیں بخوبی اُن کے ذہن میں نقش ہو جائیں اور پھر وہ املا کی غلطی نہ کریں۔

جب بچے چھوٹے چھوٹے جملے پڑھنے لگیں اسی وقت سے خیال چاہیئے کہ جملے بے تعلق نہ ہوں بلکہ ان میں باہمی ربط اور لگاؤ ہو۔ بچوں کو قصے کہانیوں سے فطری رغبت ہوتی ہے۔ گھر کی بزرگ خواتین سے وہ روزانہ سونے کے وقت قصہ گوئی کی فرمائش کرتے ہیں انہیں بڑے غور اور دلچسپی سے سُنتے ہیں۔ لہٰذا جب بچے پڑھنے لکھنے میں کسی قدر ترقی کریں تو بے تعلق اور منتشر جملے سکھانے کے بجائے چھوٹی چھوٹی نصیحت آمیز کہانیاں جن کی عبارت سلیس اور الفاظ آسان ہوں پڑھانی بہت مفید ثابت ہونگی۔ اس سے ان کا شوق بڑھیگا۔ کہانیوں کی چاٹ انہیں سبق سے آگے کتاب کا مطالعہ کرنے کی طرف مائل کریگی۔ اس طرح ان میں ذاتی سعی کی تحریک ہوگی۔ سلسل عبارت پڑھنے میں صحت تلفظ۔ تغیر لحن اور مناسب اوقاف کی پابندی کا بھی خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے تاکہ بچوں میں خوش خوانی کی عادت پیدا ہو۔ انسان طبعاً نظم کا دلدادہ ہوتا ہے۔ وحشی ہو یا مہذب۔ جاہل ہو یا عالم۔ امیر ہو یا غریب۔ بڑا ہو یا چھوٹا سب کے جذبات کو نظم سے تحریک ہوتی ہے۔ دور توحش کے انسان بھی راگ اور لحن کے گرویدہ تھے جو نظم کے لوازمات سے ہیں۔ گنوار مزدور بھی سخت محنت کرنے کے وقت راگ نکالتے۔ گنگناتے یا مقفیٰ الفاظ بولتے ہیں اس سے کام کی سختی کی جانب سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور تکان جلد نہیں پیدا ہوتی۔ بچے بھی شعر و لحن کے فریفتہ ہوتے ہیں۔ نظم پڑھنے میں ان کو خاص لطف اور حظ حاصل ہوتا ہے اسلئے جب بچے جملے پڑھنے لگ جائیں اسی وقت سے چند دلچسپ سہل اور سبق آموز نظموں کی تعلیم بھی شروع کردینی چاہیئے اس سے انکے جذبات لطیفہ کو تحریک ہوگی۔ اخلاق درست ہوگا پڑھنے سے طبیعت اُچاٹ نہ ہوگی۔ ذہنی تکان اور خستگی دور ہو جائیگی اور آگے بڑھنے اور ترقی کرنیکا شوق پیدا ہوگا۔ الغرض اردو نوخت خواند کا یہی بہترین طریقہ ہے اگر مدرس اس پر عمل پیرا ہو تو بچے بہت جلد اردو پڑھنے اور لکھنے پر قادر ہو جائینگے فقط

ایک روشن خیال مسلمہ خاتون
کا
خطبۂ صدارت

مسز خدیجہ شفیع طیب جی صاحبہ بمبئی کی ایک ممتاز اور مشہور علمی خاندان کی مسلم خاتون ہیں۔ ذیل میں آپ کے ایک معرکتہ الآرا خطبۂ صدارت کے چند اقتباس ناظرین کے ملاحظہ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ خطبۂ صدارت مسلم خواتین کی تعلیمی کانفرنس کے اجلاس سوم منعقدۂ پونہ میں صاحبہ ممدوحہ نے پڑھا۔

ممدوحہ کا خاندان مغربی ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک علمی ستارہ ہے جس کا ایک ایک کن روشن خیال اور علمی سرچشموں سے سیراب ہو چکا ہے۔ ممدوحہ خود نہ صرف علوم مختلفہ سے بہرہ ور ہیں بلکہ ہندوستان کے گوناگوں حالات اور مسلم کمیونٹی خصوصاً مسلمان مستورات کی حالت پر نہایت گہری نظر رکھتی ہیں۔ تعلیم خاندانی روایات اور علمی کارآمد زندگی نے صاحبہ ممدوحہ کے خیالات کو تعمیری حیثیت سے انمول بنا دیا ہے۔ اسلامی بیویوں کی موجودہ زندگی اور پھر اس زندگی کے گرد وہ طوفان جو مغربی تعلیم اور اثرات نے ہندوستان میں پیدا کر دیا ہے اور جس کی موجوں کا زبردست دباؤ اور بیرحانہ تھپیڑے ان باعفت پردہ نشینوں تک بھی پہنچ چلا ہے۔ ایک ایسا اہم مسئلہ ہے جس پر ہر پڑھے لکھے مسلمان کو نہایت عملی پہلو سے غور و خوض کرنا چاہیئے۔ اس واقعہ سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ بحالت موجودہ مسلمانوں کی نصف سے زیادہ آبادی نکمی علم سے بے بہرہ اور بے ہنر ہو گئی ہے اور یہی وہ آبادی ہے جو آئندہ نسلوں کو پالتی اور پوستی ہے اور اچھے یا برے رجحانات اور خیالات کے بیج نئی پود کے نفوس میں بوتی ہے۔ اب خیال فرمائیے کہ یہ ننھی نسلوں کے پالنے پوسنے والیاں بے علم اور بے ہنر ہوں تو اٹھتی پود کے علمی اور اخلاقی حیثیت سے پروان چڑھنے کی کیا خاک توقع ہو سکتی ہے۔ صرف یہی ایک خرابی نہیں ہے بلکہ مصیبت یہ ہے

ہماری ستورات بے علمی اور بے ہنری کی وجہ سے مردوں کے کاروبار کی اہمیت نہیں سمجھتیں اور مردوں کے پاؤں میں بھاری بیڑیوں کی طرح رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ ایک تعلیم یافتہ شخص دن بھر اپنے دفتر میں محنت اور جفاکشی سے کام کرتا ہے اور جب شام کو گھر لوٹتا ہے تو گھر میں بجائے اس احساس کے کہ اسے آرام و مسرت کا موقع دیا جائے اور پریشان کن جھمیلوں میں پھنس جائے تو آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ اس سے ایک محنتی دماغ اور تھکے ماندے جسم پر کیا بیتا گذرتی ہوگی۔ ماں، بہن اور بیوی جب اپنے گھر کے مردوں کی دماغی زندگی میں شریک نہ ہو سکیں تو ہوتا یہ ہے کہ مردوں کی روحیں ٹاپوؤں کی طرح اپنی ستورات کی روزمرہ زندگی سے الگ ہو جاتی ہیں۔ مادی غذائیں اور دیگر مادی نعمتوں میں ظاہری شرکت ہو جاتی ہے لیکن روحانی غذا اور روحانی برکتوں کی زیادہ بیش بہا زیادہ لطیف اور زیادہ پائدار لہریں مردوں کی الگ ہی رہتی ہیں اس لئے کہ ہمارے ہاں کی صنف نازک روحوں کی یہ ترنگیں ابھرتی ہی نہیں۔ ان کے روحانی چشموں پر جہالت کی ریت لہریں لگا دیتی ہے۔ مسلمانوں کی ترقی اس وقت ہوگی کہ ان کے گھر علم اور ہنر سے بچ جائیں۔ اور ماؤں بہنوں، بیویوں اور بیٹیوں سے روحانی اور دماغی اتصال اور ہمدردی پیدا ہو جائے بحالت موجودہ ہمارے ہاں کی ستورات کا یہ عالم ہے کہ اگر کسی شہر میں بلوہ و فساد ہو جائے اور گھر گھر کو اپنی حفاظت اور مدافعت کرنی پڑے تو اس کا تو ذکر ہی کیا کہ ہماری ستورات مدافعت میں کچھ مدد دیں۔ کم سے کم مردوں کو بندوقیں اور طمنچے بھر بھر کے دیتی جائیں۔ الٹی مردوں پر یہ مصیبت نازل ہوگی کہ گھر کے کہرام اور کھڑے قدغشیوں اور پٹنک پیاسے مردوں کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہینگے۔ مسلمان جب حکمراں تھے تو ان کی ستورات کا یہ حال نہ تھا۔ بہرحال اب زبردست سوال یہ ہے کہ کیا ہم اپنے جسد قومی کے ایک حصہ کو مفلوج رکھنا چاہتے ہیں؟ کیا ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے بچوں کی مائیں اندھی اور اپاہج ہی رہیں؟ اگر قومی حالت کو واقعی سدھارنا ہے تو ہمیں اس زبردست قومی صحت اور زیست کے مسئلہ تعلیم نسواں کے

سوال کو۔ فوراً حل کرنا چاہیئے۔ اور ذیل کے اقتباسات میں سے آپ کو ایک مسلم روشن خیال شریف خاتون کی آواز سنائی دیگی جس نے اس اہم مسئلہ پر بہت غور کیا ہے اور عملی تدابیر آپ کے سامنے نہایت صاف مختصری عبارت میں پیش کی ہے۔ صاحبہ ممدوحہ بے تکلف رواں بامحاورہ اور علمی عبارت لکھتی ہیں۔ اس پاکیزہ خطبہ کے پڑھنے سے قارئین پر یہ بات کھل جائیگی کہ محترمہ صاحبہ کے خطبہ کا منشا یہ ہے کہ ہماری مستورات واقعی باعلم اور باہنر بنیں۔ اپنے ہاں کی روایات اور رواج کو قایم رکھیں اور اپنے دینی اعتقادات اور خصوصیات پر ثابت قدم رہیں۔ کیونکہ یہ ہماری روایات اور ہمارے اعتقادات دراصل علم کے حامی اور اخلاق کے جلا دینے اور قلوب کو زندگی کی کشمکش میں سکون بخشنے والے ہیں مسلمان بیویوں کی تعلیم کے یہ معنی نہیں کہ وہ یورپ کا لباس یورپ کی عادتیں سیکھ لیں اور اپنی خصوصیتوں کو اس بھونڈی اور زہریلی نقالی سے ملیامیٹ کردیں اور خود بھی مسخ ہوجائیں۔ اس قسم کی تعلیم تعلیم ہی نہیں۔ یہ ہیں وہ خیالات جو اس پُرمغز خطبہ کے پڑھنے سے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور اب ہم ذیل میں اس خطبہ کے وہ اقتباسات دیتے ہیں جن کے خیالات انمول جواہر پارے ہیں اس لئے کہ ایک سن رسیدہ روشن خیال مسلم خاتون کے مدت العمر کے غور و فکر عمل اور تجربہ اور سچے قومی درد کا پھل ہیں۔

(شریک مدیر)

کانفرنس کے انعقاد کا مقصد۔ عام طور پر لوگ کانفرنسوں کو پسند نہیں کرتے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ کانفرنسوں میں فضول بکواس کے سوا اور عملی کارروائی کچھ بھی نہیں ہوتی۔ اگر کانفرنسوں کے انعقاد کا نتیجہ صرف "نشستند و گفتند و برخاستند" ہی ہے تو واقعی کانفرنسیں فضول ہیں اور ان پر جو روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اور بیقیمتی وقت صرف کیا جاتا ہے وہ قومی اثاثہ کی بربادی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ بقول حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ بہت اچھی چیز ہے اور قومی کاموں کے لئے مشورہ کرنے کی غرض سے کانفرنسوں کا منعقد ہونا عین شعار اسلام ہے۔ البتہ

کارپردازوں کو اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ان قومی جلسوں کا نتیجہ نری کواس نہ ہو بلکہ جو تجاویز اس "کواس" کا نتیجہ ہوں ان کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس نے اسی اصول کی بنا پر کانفرنس کا ایک مستقل دفتر اور مستقل عملہ رکھا ہے جو اس کانفرنس کی تجاویز کے متعلق عملی کارروائی کرتا رہتا ہے۔ امید ہے کہ اس کانفرنس کے کارپرداز بھی اس کا تتبع کرینگے اور جو وقت اور روپیہ ان قومی جلسوں میں صرف ہوتا ہے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرینگے۔

یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ ہماری ہندو اور پارسی بہنیں میدان تعلیم میں ہم پر سبقت لے گئی ہیں اور ایک عرصہ تک ہمارے لئے ان کی برابری کرنا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ ایسی حالت میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کانفرنس کی صدارت کے انتخاب کا دائرہ کیوں وسیع نہ کیا جائے اور کیوں غیر قوم کی تعلیم یافتہ اور فن تعلیم کی ماہر بیبیوں کو یہ عزت دے کے ان کے قیمتی مشورہ سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ میں کارپردازانِ کانفرنس کو اس طرف توجہ دلاتی ہوں۔ میری ذاتی رائے ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ صرف مسلمانوں ہی کے سوچنے کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس تمام ملک ہند کے مستقبل کا دارومدار ہے اس لئے ہر غیر مسلم ہندی کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس امر میں صلاح و مشورہ دے اور ان کی تعلیمی ترقی کے لئے کوشش کرے۔ بغیر اس کے ملک ہند کی مختلف قوموں کا اتحاد ناممکن ہے۔

شہر پونہ ایک خاص علمی فضا رکھتا ہے جو ہندوستان کے کسی اور شہر کو نصیب نہیں تعلیم نسواں کے متعلق جو سامان یہاں موجود ہیں ملک ہند میں اور کہیں نہیں۔ عورتوں کی یونیورسٹی یعنی دارالعلوم سوا پونہ کے آپ اور کہیں نہیں پائینگی۔ یہی وجہ ہے کہ اس شہر کو اس امتیاز کی بنا پر ایک خاص عزت دی جارہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان کے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے خواتین ہند کی "آل انڈیا کانفرنس" کا پہلا اجلاس آئندہ جنوری میں یہیں منعقد ہوگا یہاں کی مسلمان خواتین کو چاہیئے کہ اس بے نظیر موقع سے فائدہ اٹھائیں۔

تعلیم نسواں اور مسلمانان علاقۂ بمبئی

اس علاقہ میں تعلیم نسواں کی پچھلے سال کوئی ایسی نمایاں ترقی نہیں ہوئی جو قابل ذکر ہو۔ ترقی کا ذکر ہی کیا ہے جو چند مدارس ہیں ان میں بھی اس قدر جمود ہے کہ جب تک ان کی کافی طور پر اصلاح نہ ہو زیادہ مدارس کا قائم کرنا خلافِ مصلحت ہے۔ شہر بمبئی میں میونسپلٹی نے مسلمان لڑکیوں کے لئے کوئی چونتیس مدرسے قائم کئے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی چار پانچ مدرسے خانگی ہیں لیکن سوا دو تین مدرسوں کے اور کوئی ایسا مدرسہ نظر نہیں آتا کہ جس کے معائنہ سے طبیعت اگر خوش نہ ہو تو کم از کم منغص تو نہ ہو۔

اُردو رسم الخط نہیں معلوم کس وجہ سے ترقی تعلیم میں سدِ راہ ہو رہا ہے۔ ابتدائی درجوں میں لڑکیاں کم از کم سال دو سال تو صرف الف بے ہی پڑھتی رہتی ہیں۔ گجراتی اور مرہٹی کے مدارس میں تو دو سال میں لڑکی ترقی پاکر دوسرے درجہ میں پہنچ جاتی ہے اور یہاں مسلمانوں کی لڑکیاں الف بے ہی رٹتی رہتی ہیں۔ بمبئی اسکولس کمیٹی کو اس خرابی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور اس کمیٹی کی سرپرستی میں اردو حروف تہجی کے پڑھانے کا آسان ترین طریقہ معلوم کرنے کے لئے ایک کانفرنس مسلمان اراکین اسکولس کمیٹی اور مسلمان افسرانِ محکمۂ تعلیمات کی منعقد ہوئی تھی جس کی رپورٹ گو ابھی مرتب نہیں ہوئی ہے لیکن غالباً یہ رائے قائم ہوگی کہ اردو حروف ہجا بیکن میتھڈ یا اسٹوری میتھڈ کے ذریعہ سے سکھانے میں بہت زیادہ آسانی ہے۔ یہ طریقۂ تعلیم کہانیوں کے ذریعہ پہلے الفاظ سکھا کر پھر حروف کی مختلف شکلیں بتاتا ہے۔ میں نے چند اراکین اسکولس کمیٹی کے ساتھ اسی شہر کے متصل ہر پسر گاؤں کے اردو مدرسہ کا دو مہینے پر معائنہ کیا تھا اور وہاں حیرت کے ساتھ دیکھا تھا کہ اس مدرسہ کے مسلمان لڑکے اور لڑکیاں تو درکنار ہندو لڑکے اور لڑکیاں بھی قلیل عرصہ میں اردو حروف تہجی آسانی کے ساتھ لکھنے پڑھنے لگی ہیں۔ یہاں کے اسپیشل اُردو ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر شیخ بافر علی صاحب اس میں بہت دلچسپی لے رہے ہیں اور امید ہے کہ ان کی کوشش بار آور ہوگی اور یہ حروف تہجی پڑھانے کا آسان طریقہ بہت جلد علاقہ بھر کے اُردو مدارس میں جاری ہو جائیگا۔ اور اس سے مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کی ابتدائی تعلیم میں بہت جلد ترقی کی صورت رونما ہوگی۔

تعلیم کی غایت | محترم بہنو! یہ کانفرنس اس غرض سے منعقد ہوئی ہے کہ اس میں ہم باہمی مشورہ سے قوم کی لڑکیوں کی تعلیمی اصلاح کی کوشش کریں۔ ہمیں سب سے پہلے اس امر کا فیصلہ کرنا چاہیئے کہ لڑکیوں کو تعلیم دینے کی غایت کیا ہے۔ عام طور پر تعلیم کی غایت امتحانوں کا پاس کرنا ہوتا ہے۔ اگر آپ کی بھی یہی رائے ہے تو یہ سمجھئے کہ کام بالکل آسان ہے۔ کتابیں موجود ہیں اُستانیاں موجود ہیں۔ مدرسے موجود ہیں۔ مضامین رٹ لئے جائیں۔ پھر امتحان میں کامیاب ہونا ایسی کونسی بات ہے۔ اس کانفرنس کی بھی کیا ضرورت ہے؟ لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ کے یہ خیالات نہیں ہیں۔ آپ کے نزدیک بھی تعلیم کی غایت محض امتحانوں کا پاس کرنا نہیں ہے بلکہ قوم کی لڑکیوں کا مستقبل سُدھارنا ہے اور یہی تعلیم کی غایت ہونی چاہیئے۔ ہم اپنی لڑکیوں کو اس غرض سے تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ وہ تعلیم پاکر سگھڑ بی بیاں بنیں، اپنی خوش انتظامی سے اپنے گھروں کو آراستہ اور اپنے شوہروں کو خوش رکھیں اور اپنے بچوں کے لئے اچھی مائیں بنیں، جس سے نہ فقط قوم بلکہ ملک کا مستقبل شاندار ہو۔ معزز بہنو! اسی اصول کو مدنظر رکھ کر ہمیں تعلیم نسواں کے ضروری اور غور طلب مسئلوں پر ایک غائر نظر ڈالنی چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ کہاں کہاں اصلاح کی گنجائش ہے اور اصلاح کیونکر ممکن ہے۔ .....

ہماری موجودہ ضرورتیں | سب سے پہلے ہمیں یہ سوچنا چاہیئے کہ تعلیم نسواں کے متعلق ہماری موجودہ ضرورتیں کیا ہیں۔ میں ان ضرورتوں کو چار حصوں پر تقسیم کرونگی:۔ اچھا نصاب تعلیم (۲) اچھی اُستانیاں (۳) خانگی مدارس کی کثرت (۴) جبری تعلیم۔

اگر مذکورہ بالا چار چیزوں کی فراہمی میں کامیاب ہوئیں تو یہ سمجھئے کہ ہم منزل مقصود کو پہنچیں لیکن ان کی فراہمی کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر مسلمان کمربستہ ہو اور گورنمنٹ کی امداد کے سہارے بیٹھے بغیر ہر طرح مدد دینے کے لئے تیار ہو۔

(۱) اچھا نصاب تعلیم | یہ امر مسلمہ ہے کہ اچھی تعلیم کا دارومدار اچھے نصاب اور اچھی اُستانیوں پر ہے یعنی کیا پڑھایا جائے اور کون پڑھائے۔ نصاب کا اچھا اور منتخب ہونا کامیابی کی کنجی ہے۔

ابتدائی تعلیم نسواں کا موجودہ گورنمنٹی نصاب ہماری ضرورت کے لئے قطعی ناکافی ہے۔ ہمیں اس کو بدلنا چاہیئے۔ اگر ابتدائی تعلیم ہی مکمل طور پر ہو تو میری دانست میں وہ ہماری لڑکیوں کی ضرورت کے لئے کافی ہے۔ عام طور پر لڑکی کی تعلیم چھٹے سال سے شروع ہونی چاہیئے اور ابتدائی تعلیم کا کورس کم از کم سات سال کا رکھنا چاہیئے یعنی بارھویں سال میں ایک لڑکی کو وہ کورس ختم کرنا چاہیئے۔ عام مسلمان اپنی لڑکیوں کو انگریزی تعلیم دینا پسند نہیں کرتے ہیں۔ ان پر جبر نہ کیا جائے بلکہ یہ سات سال کا ابتدائی تعلیم کا کورس ہی اس خوبی کے ساتھ مرکب کیا جائے کہ اس کے اختتام پر ایک لڑکی اُردو میں بخوبی نوشت وخواند کرنے کے علاوہ ثانوی تعلیم کے بعض مضامین میں بھی خاصی قابلیت حاصل کر سکے اور انگریزی تعلیم کی محتاج نہ رہے۔ قرآن شریف بامعنی، دستکاری، سوزن کاری، نقاشی، حفظان صحت، سائنس، انتظام خانہ داری، تاریخ ہند، جغرافیہ ہند وممالک اسلامیہ بالخصوص اور جغرافیۂ عالم بالعموم اور ڈرل ان سب مضامین میں بخوبی تعلیم دی جائے اور ان کی مناسبت سے نصاب ترتیب دیا جائے۔ موسیقی کی تعلیم کے متعلق اختلاف رائے ہے۔ اس کی تعلیم جبری نہیں بلکہ اختیاری رکھی جائے۔ میرے نزدیک شوہر اپنے گھروں میں اپنی عصمت دار بیویوں سے عمدہ گانا سنیں اور اپنے ہی گھروں کو بزم عیش وطرب بنائیں تو وہ بہت سی برائیوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ صوفیائے کرام نے تو اسے جائز رکھا ہے اس حالت میں اگر مسلمان خواتین زیور علم سے آراستہ ہو کر اپنے گھروں کی فضا بدل ڈالیں اور ان میں دلچسپیوں کا سامان مہیا کر کے موسیقی سے بھی مدد لیں تو مجھے یقین ہے کہ ان کے شوہر بجائے کلبوں اور محفلوں کے اپنے گھروں میں زیادہ دلچسپی پائینگے۔ شہر بمبئی میں کلب لائف یعنی کلبوں میں رات کا وقت گزارنے کی عادت جو میاں بیوی کے تعلقات کے لئے نہایت مضر ہے اس کے دلدادہ وہ مرد نہیں پائے جاتے ہیں جن کی عورتیں تعلیم یافتہ ہیں، اپنے گھروں کی صفائی کا خیال رکھتی ہیں، خود صاف ستھری رہتی ہیں اور اپنی خوش پوشی اور خوش گوئی سے اپنے شوہروں کو گرویدہ کرتی ہیں۔ ایسی بی بیوں کو جب فن موسیقی سے بھی کسی قدر واقفیت ہوتی ہے تو وہ ان کے شوہروں کے لئے اور بھی دلچسپی کا سامان ہوتا ہے۔ کھیل کود اور سنیما کے ذریعہ سے اخلاقی تعلیم

دینے کی بھی میں قائل ہوں اور اسی لئے جسمانی تعلیم اور عینی مشاہدات کو شامل نصاب کرنا نہایت ضروری ہے۔ گرل گائیڈ کی تحریک بھی اخلاقی تعلیم اور صحت جسمانی کے لئے نہایت ضروری ہے اور مسلمان لڑکیوں کو اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ ریاست حیدرآباد میں پردہ کی قید کے ساتھ گرل گائیڈ کی تحریک جاری ہوئی ہے اور اس میں کارپردازانِ محکمۂ تعلیم کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

اچھے نصاب کے لئے ہمیں اچھی درسی کتابوں کی بھی ضرورت ہوگی۔ اس قسم کا ایک سلسلہ علاقہ بمبئی کی مقامی خصوصیات کو مدنظر رکھ کر لکھوایا جائے۔ جس میں مناظر قدرت، حفظانِ صحت، آسان علاج اخلاق وغیرہ کے متعلق سبق کثرت سے ہوں۔ تاریخ اسلام کا سلسلہ الگ ہو۔ اکثر موجودہ اردو درسی کتابوں میں تاریخ اسلام کا حصہ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ بہت سے ضروری مضامین کے لئے ان کتابوں میں گنجائش نہیں رہتی۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ سیرۃ النبیؐ سے بعض مقامات اخذ کرکے ایک تاریخ اسلام کا علیحدہ سلسلہ مرتب کیا جائے۔

ترتیب نصاب کے لئے ماہرینِ فن تعلیم کی ایک کمیٹی مقرر ہو اور وہ مسلمان والیانِ ریاست کی اجازت سے ان ریاستوں کے ناظمانِ تعلیمات کے ساتھ مشورہ کرکے ایک عمدہ نصاب مسلمان لڑکیوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے مرتب کرے۔ میں نے صرف ابتدائی تعلیم کے نصاب پر بحث کی ہے کیونکہ ملک کو اسی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ صرف مسلمان لڑکیوں ہی کے لئے نہیں بلکہ اور قوموں کے لئے بھی ترمیم نصاب کی ضرورت ہے۔ بمبئی پریزیڈنسی ویمنس کاؤنسل یعنی مجلس نسوان علاقۂ بمبئی ایک خاص کمیٹی مقرر کرکے ایک نصاب تیار کرا رہی ہے جو امید ہے کہ مرتب ہونے پر لڑکیوں کے لئے خاص طور پر مفید اور کارآمد ثابت ہوگا۔ ثانوی تعلیم گو مسلمان لڑکیوں کے لئے بہت ضروری ہے لیکن میں نے اس کا کچھ حصہ ابتدائی تعلیم کے نصاب ہی میں شامل کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ اگر ابتدائی تعلیم کا یہ مجوزہ نصاب پڑھنے کے بعد کوئی لڑکی مزید ثانوی تعلیم حاصل کرنا چاہے تو اُسے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوسکتی۔ بلکہ جو لڑکیاں انگریزی تعلیم حاصل کرنے کی خواہشمند ہوں وہ ابتدائی چوتھے درجہ ہی سے انگریزی زبان بطور سیکنڈ لینگویج پڑھیں تاکہ جب وہ ابتدائی تعلیم کا نصاب پورا کریں تو ان کی انگریزی تعلیم بھی تیسرے درجے تک

مکمل ہوجائے اس کے بعد وہ کسی زنانہ ہائے اسکول کے درجۂ چہارم میں شریک ہوکر صرف چار سال کی تازی تعلیم کے بعد میٹریکولیشن کا امتحان بہ آسانی دے سکتی ہیں۔ اگر ایسی لڑکیوں کی تعداد کافی ہو تو ہر شہر میں قومی زنانہ ہائے اسکول بھی قایم ہوسکتے ہیں۔

(۲) اچھی اُستانیاں | اس علاقہ میں اچھی استانیوں کا گویا قحط ہے۔ ٹریننگ پائی ہوئی اردو معلمات بھی جیسی چاہیئے ویسی قابلیت نہیں رکھتیں۔ اول تو ٹریننگ کے لئے کافی سہولتیں نہیں ہیں۔ ایک سنٹرل اسکول پونہ میں ہے۔ دوسرا شائد دھارواڑ میں۔ خدا خدا کرکے بمبئی اسکوس کمیٹی نے اردو معلمات کے لئے ایک ٹریننگ کلاس کھولا ہے جس میں ورناکیولر فائنل اور فرسٹ ایر کی تعلیم دیجاتی ہے۔ گورنمنٹ کو چاہیئے کہ اس ٹریننگ کلاس کی ترقی کی کوشش کرے اور وظائف دیکر یہاں اُستانیوں کو ٹریننگ کے لئے بھیجے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جہاں جہاں ضرورت ہو اردو معلمات کے لئے ٹریننگ کلاس قائم کرے۔

میری دانست میں علاقۂ بمبئی میں اچھی استانیوں کا کافی تعداد میں مہیا ہونا ابھی ایک عرصہ تک ممکن نہیں۔ ایسی حالت میں تو۔ پی، حیدر آباد اور پنجاب سے استانیاں بلائی جائیں۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ وہاں اچھی اُستانیاں مل سکتی ہیں۔ سردست مناسب ہوگا اگر مدارس صبیات میں بچوں کی جماعتوں اور اول درجوں کو پڑھانے کے لئے ٹریننگ یافتہ استادوں سے کام لیا جائے یہاں تک کہ ٹرینڈ اُستانیاں کافی تعداد میں تیار ہوجائیں۔ ٹرینڈ معلمات کی یونہی قلت تھی۔ اب گورنمنٹ نے اس میں بجائے آسانی کے مشکلیں پیدا کردیں۔ ورناکیولر فائنل کے بعد ایک ہی سال میں معلمات ٹرینڈ ہوسکتی تھیں۔ لیکن اب گورنمنٹ نے دو سال کا کورس کیا ہے۔ گورنمنٹ اگر چاہتی تو اردو معلمات کے لئے چند سال تک رعایت کرسکتی تھی۔

(۳) خانگی مدارس | یہ ظاہر ہے کہ گورنمنٹ ہماری قومی ضروریات کو ملحوظ رکھکر ہماری لڑکیوں کی تعلیم کا خاص بندوبست نہیں کرسکتی۔ اول تو گورنمنٹ قرآن کی تعلیم کے لئے گرانٹ دینے سے انکار کرتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دینیات کی تعلیم کا خرچ بھی زائد اخراجات میں شمار نہیں کرتی۔ ایسی حالت

میں میونسپل مدارس میں، خانگی مدارس میں قرآن کی تعلیم گورنمنٹ کے منشار کے خلاف ہے اور جو گورنمنٹ کا نصاب ان مدرسوں میں پڑھایا جاتا ہے وہ ہماری ضرورت کے لئے بالکل ناکافی ہے۔ پس اس سے خانگی مدارس کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ آپس میں چندہ کرکے ہر طرف خانگی مدارس قایم کریں اور ان میں اپنا خاص نصاب پڑھائیں۔ سخت جدوجہد کی جائے کہ گورنمنٹ ہمارے قومی نصاب کو منظور کرے اور اگر اس میں گورنمنٹ کو تامل ہو تو ہمیں چاہیئے کہ ہم گورنمنٹ کی امداد کے بغیر کچھ عرصہ تک اپنے خانگی مدارس چلائیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ گرانٹ کے لئے جدوجہد جاری رکھیں مجھے یقین ہے کہ جب ہم اپنے پیروں پر کھڑے ہوجائینگے تو گورنمنٹ بھی ہمارے قومی نصاب کو منظور کریگی اور ہمارے خانگی مدارس کو گرانٹ بھی دیگی۔ یہ یاد رہے کہ گو گورنمنٹ گرانٹ دینے میں سختیاں پیش کرتی ہے۔ لیکن گورنمنٹ کی ایجوکیشنل پالیسی یہی ہے کہ ایک بھی مدرسہ گرانٹ ان ایڈ سسٹم کا حلقہ بگوش ہوئے بغیر نہ رہے۔

جب خانگی مدارس کی کثرت ہوگی اور ان میں ہمارا قومی نصاب پڑھایا جائیگا اور اُستانیاں بھی بقدر ضرورت مہیا ہونے لگینگی تو یقین مانئے کہ ہماری تعلیمی ترقی کا مسئلہ عقدہ لاینحل نہیں رہیگا۔

ثانوی تعلیم انگریزی زبان میں دیجائے یا اردو میں؟

یہ ایک بہت پیچیدہ مسئلہ ہے اور اس پر ماہرانِ فنِ تعلیم کی رائیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مسلمان لڑکیوں کے لئے ابتدائی تعلیم تو جبری کرنے کا میں مشورہ دے چکی ہوں۔ اور اس میں انگریزی کی تعلیم اختیاری رکھی ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ ابتدائی تعلیم جبری ہونے کی وجہ سے جب عام ہوجائیگی تو لامحالہ اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ثانوی تعلیم کا شوق بھی لڑکیوں میں پیدا ہوجائیگا اور ماں باپ بھی اپنی لڑکیوں کو ثانوی تعلیم دینے کے خواہشمند ہونگے۔ ایسی حالت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ثانوی تعلیم انگریزی زبان میں دینا مناسب ہوگا یا ہماری مادری زبان میں میں نے اس مسئلہ کو بہت سوچا ہے اور بہت سے ماہرانِ فنِ تعلیم کی رایوں سے استفادہ کیا ہے اور بالآخر میں نے بھی یہی رائے قائم کی ہے کہ گو انگریزی تعلیم لڑکیوں کے لئے بیحد مفید ہوگی تاہم ان کے لئے ثانوی تعلیم اردو زبان ہی میں دینے میں ان کے لئے بہت زیادہ آسانی ہوگی اور جو مضامین لڑکیاں

اپنی مادری زبان کے توسط سے سیکھینگی وہ اُن کے ذہن نشین ہوکر یاد رہینگے اور اس سے ان کی معلومات میں بہت زیادہ اضافہ ہوگا اور وہ مدرسہ چھوڑنے کے بعد خانگی طور پر اپنا علم بڑھانے میں زیادہ کامیاب ہونگی۔

آج سے دس سال پہلے تو اس کا کوئی ذکر تک نہیں کرسکتا تھا کہ ثانوی تعلیم کے مضامین ہندوستانیوں کو ان کی مادری زبان میں پڑھائے جائیں۔ لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ ایک واحد شخصیت نے اس خواب وخیال کو ایک عملی صورت دی اور مادری زبان میں ثانوی تعلیم کا دینا ممکنات سے کردیا۔ وہ شخصیت ایک بہت بڑے جلیل القدر رئیس سلطنت کی ہے۔ آج سے دس سال پہلے ہزاکزالٹیڈ ہائینس محی الملۃ والدین میر سر عثمان علی خاں۔ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی نظام دکن نے اپنے معتمد مال مسٹر محمد اکبر حیدری عرف نواب حیدر نواز جنگ بہادر کے مشورہ سے عثمانیہ یونیورسٹی اپنے قلمرو میں قائم کی۔ اس یونیورسٹی کا طغرائے امتیاز یہ ہے کہ اس میں علوم وفنون کی تعلیم بجائے انگریزی زبان کے اُردو میں دیجاتی ہے اور زبان انگریزی بطور ایک کمپلسری سکنڈ لینگویج کے پڑھائی جاتی ہے یعنی انگریزی کی تعلیم بطور ایک زبان کے لازمی رکھی گئی ہے۔ اس نئے طریقۂ تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے میٹریکیولیٹ جب تیار ہوئے تو معلوم ہوا کہ وہ اور کسی ہندوستانی یونیورسٹی کے میٹریکیولیٹ سے سب مضامین میں زیادہ معلومات اور قابلیت رکھتے ہیں اور اس یونیورسٹی کے گرائجوائٹ بھی زیادہ اور یونیورسٹی کے گریجوئٹوں سے زیادہ قابلیت رکھتے ہیں۔ البتہ انگریزی زبان میں ان کی قابلیت بمقابل اور یونیورسٹیوں کے گریجوئٹوں کے کچھ کم ہوتی ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے گریجوئٹ کو اس وجہ سے عام یونیورسٹیوں کے گریجوائٹوں پر ترجیح دینی چاہیئے کہ اس کی ذہنیت کا معیار بمقابل آخر الذکر گریجوائٹوں کے بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ پبلک سروس میں ایسی ذہنیت کے لوگ بہ لحاظ زیادہ کارآمد ثابت ہونگے۔

جب عثمانیہ یونیورسٹی پہلے پہل قائم ہوئی تو اُس کی غیر مسلم لیڈروں اور ماہرین فن تعلیم نے بہت شد و مد سے مخالفت کی۔ لیکن مسٹر حیدری اپنی بات پر اڑے رہے اور مخالفین کے اعتراضات

لی جو محض اُردو کی مخالفت پر مبنی تھے ذرہ برابر بھی پرمانہ کی۔ اِس مستقل مزاجی کا نتیجہ ہم اب دیکھ رہے ہیں کہ ان کو اپنے کام میں پوری پوری کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ بلکہ یہ سنکر بے انتہا خوشی ہوتی ہے کہ اب انگریزی علم طب کی تعلیم بھی عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو زبان کے ذریعہ سے دی جائیگی۔ گو اس کی بھی اب مخالفت ہو رہی ہے۔ لیکن آگے چلکے اس کے عمدہ نتائج سے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ دوسری قوموں کو بھی اور خصوصاً ملک ہندوستان کو بہت بڑا فائدہ ہوگا۔

ایک ہی مہینے کی بات ہے کہ ایک انگریزی لیڈی ڈاکٹر جو میری دوست ہیں اور ایک بہت بڑے ہسپتال کی نگراں کار ہیں انھوں نے مجھے لکھا کہ چند عورتوں کی سفارش کرو تا کہ میں انھیں لیڈی ہارڈنگ فنڈ سے نرسنگ کی تعلیم کے لئے دہلی بھیجوں۔ انہیں چالیس روپے ماہوار وظیفہ ملیگا اور تین سال میں وہ پوری قابلیت کے ساتھ نرسین بنکر واپس آجائینگی میں نے بہتیرا چاہا کہ کسی مسلمان بی بی کی سفارش کروں لیکن مشکل یہ آکے پڑی تھی کہ دہلی میں نرسنگ کی تعلیم انگریزی زبان میں دیجاتی ہے اور مجھے کوئی مسلمان بی بی انگریزی کی اتنی بھی قابلیت رکھنے والی نہیں مل سکی کہ جو معمولی نرسنگ کی کتابیں انگریزی زبان میں پڑھ سکے۔ مجبوراً مجھے ناکام واپس بھیجوا اگر یہی نرسنگ کی تعلیم اردو کے ذریعہ دیجاتی تو مسلمان بی بیاں کافی تعداد میں نرسین بننے کے لئے تیار ہوجاتیں۔

ان سب باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزی زبان کے ذریعہ سے تعلیم دینا ہندوستانیوں کے لئے ان کی تعلیم میں آسانی پیدا کرنے کے بجائے ان کو مشکل میں ڈالنا ہے اور اسی وجہ سے یہ اشد ضروری ہے کہ تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، الجبرا، اقلیدس، حفظانِ صحت، نقاشی، باغبانی، زراعت، کیمسٹری، اسٹرانومی، طب، سائنس، منطق، فلسفہ، غرض جتنے علوم ہیں سب اردو زبان میں پڑھائے جائیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان سب علوم کی کتابیں اُردو زبان میں موجود بھی ہیں؟ آپ کو یہ معلوم کرکے خوشی ہوگی کہ ایک دارالترجمہ خاص اسی غرض سے عثمانیہ یونیورسٹی کے متعلق قائم ہوا ہے اور اس محکمہ کا کام صرف یہی ہے کہ یورپین زبانوں خصوصاً انگریزی سے علوم و فنون کا ترجمہ

اُردو زبان میں کرے۔ ایک کافی ذخیرہ ترجمہ شدہ کتابوں کا تیار ہو گیا ہے۔ اور ابھی اس کا کام جاری ہے۔ حضور نظام کی گورنمنٹ نہایت دریا دلی سے اس ترجمہ کے محکمہ کے لئے ہر سال لاکھوں روپے کے گرانٹ کی منظوری دیا کرتی ہے۔ ہم مسلمانوں کو حضور نظام اور ان کے لائق وزیر مال نواب حیدر نواز جنگ، کا بیحد ممنون ہونا چاہیئے کہ انھوں نے علوم اعلیٰ کی تعلیم کے لئے اردو زبان میں اس قدر بے بہا تراجم کا خزانہ مہیا کر دیا ہے جس کی وجہ سے نہ فقط مسلمان بلکہ وہ ہندو بھی جن کی مادری زبان اُردو ہے بیحد فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور صرف انگریزی زبان نہ جاننے کی وجہ سے مجبوراً جہالت میں پڑے رہینگے۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں انگریزی کالجوں کا پورا نصاب اردو زبان میں پڑھایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ٹریگنومیٹری جیسا مشکل مضمون بھی پروفیسر بخوبی پڑھاتے ہیں اور طلباء بہ آسانی تمام سمجھ سکتے ہیں۔ تراجم کی آسانی کے لئے نئے مشکل الفاظ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ وضع کیا گیا ہے جس سے منطق، فلسفہ، سائنس اور اور علوم کا ترجمہ بھی آسانی سے ہو سکتا ہے۔

اس موقع پر مجھے یہ کہنا ضروری ہے کہ مسٹر حیدری نے جب یہ سُنا کہ بمبئی میونسپلٹی نے غواتین کے لئے ایک پبلک لائبریری قائم کی ہے تو انہوں نے نہایت فراخدلی سے عثمانیہ یونیورسٹی کی کاؤنسل کو اس پر آمادہ کیا کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے دارالترجمہ سے وقتاً فوقتاً جتنی کتابیں شایع ہوں وہ سب لائبریری مذکور کو بھیجدی جائیں۔

اردو زبان کے ذریعہ سے انگریزی علوم وفنون کے پڑھانے سے بہت بڑا فائدہ آگے چلکر یہ ہوگا کہ یہ سب علوم تراجم کے ذریعہ ہماری زبان میں مہیا ہو جائینگے اور ہماری آئندہ نسلوں کو اُن کے حاصل کرنے کے لئے کسی غیر زبان کا محتاج نہیں رہنا پڑیگا۔ یہ ہمارا قومی فرض ہے کہ ہم اپنی زبان کو غیر زبان کے علوم سے مالا مال کریں اور اپنے آبا و اجداد کے کارناموں سے سبق لیں۔ عرب نے جب روم و یونان کی سلطنتوں کو مٹایا تو ان کے علمی خزانوں کو بصرف زر کثیر عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ آج یورپ نے انہی عربی ترجموں سے فائدہ اُٹھا کر تمدن کی ترقی میں کامیابی حاصل کی ہے۔ پھر ہم کیوں اپنی زبان کو یورپ کے علمی خزانوں سے مالا مال نہ کریں۔

اب میں یہ انگریزی اور دیسی زبانوں کی بحث ایک انگریز ماہر فن تعلیم کے قول پر ختم کرتی ہوں۔ پرنسپال ڈبلیو۔ ایچ۔ ہیمنڈ۔ ایم۔ اے، یف۔ آر۔ جی۔ ایس۔ جو اس وقت انگلو اسکاٹش ایجوکیشن سوسائٹی بمبئی کے اعلیٰ تعلیمی مشیر ہیں فرماتے ہیں کہ:۔

"مجھے اس رائے سے پورا پورا اتفاق ہے کہ کم از کم میٹریکولیشن تک دیسی زبانوں کی وساطت سے تعلیم دی جائے۔ البتہ اس میں چند مشکلات کا سامنا ضرور ہوگا لیکن اگر تعلیم کی اصلاح منظور ہے تو یہ بالکل ضروری ہے کہ دیسی زبان کے ذریعہ سے تعلیم دی جائے۔ اگر انگریز لڑکے سے یہ کہا جائے کہ وہ سب فرانسیسی یا جرمن زبانوں کے ذریعہ سے سیکھیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تعلیم کا معیار فوراً گر جائیگا۔ اس کی ذہنیت پر اس کا بُرا اثر پڑیگا۔ ایک غیر زبان کے ذریعہ سے تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے ہندوستانی طلبا مضامین کو کافی طور پر سمجھنے میں شاذ و نادر ہی کامیاب ہوتے ہیں۔ جو کچھ وہ پڑھتے ہیں اس کے متعلق صاف اور واضح خیالات اُن کے دماغ میں پیدا نہیں ہوتے اور ... دھوکے میں رہتے ہیں کہ غیر زبان میں کسی مضمون کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبار اسکولوں کی تعلیم کے زمانہ میں ان سب مضامین کے متعلق ایسے خام خیالات ذہن نشین کر لیتے ہیں کہ جن سے ان کو زندگی میں بیحد نقصان پہنچتا ہے۔ اگر ہندوستانی ماہر فن تعلیم واقعی تعلیمی اصلاح کے خواہشمند ہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ تعلیم کو دیسی سانچے میں ڈھالنے کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل ہیں اُن کا قلع و قمع کریں۔"

اس مضمون پر ایک طویل بحث کرکے میں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اُن کی ابتدائی تعلیم کے نصاب میں ایسے مضامین شامل ہوں جنھیں وہ ابتدائی اسکول کے آخری تین سالوں میں اُردو زبان میں پڑھ کر اپنی علمی استعداد بڑھائیں۔ اور تعلیم کے لئے انگریزی زبان کی محتاج ہو کر بیٹھ نہ رہیں۔

پردہ کیا یہ ممکن ہے کہ لیڈیز کانفرنس کا پلیٹ فارم ہو اور اس پر پردہ کے متعلق کچھ نہ کہا جائے؟ میں اس موقع کو غنیمت جان کر پردہ کے متعلق جو میرے ذاتی خیالات ہیں وہ آپکی

خدمت میں پیش کرتی ہوں۔

عزیز بہنو! میں انتہا پسند نہیں ہوں بلکہ میانہ روی سے عمل کارروائی کرنا مجھے زیادہ پسند ہے۔ چند روز پیشتر ہماری ایک مصری بہن مسز ذکیہ سلیمان نے اکثر ہندوؤں کی سرپرستی میں جسے کہ کئے مسلمانان ہند کے پردہ کی سخت مخالفت کی ہے۔ کاشکے ہندو سوسائٹی سے مسلمانوں کے پردہ کے متعلق خیالات حاصل کرنے کے بجائے انہوں نے اپنے قلیل عرصۂ قیام میں مسلمان بی بیوں ہی سے زیادہ [illegible] حال، پردہ کیا ہوتا۔ اس صورت میں ان کو اندازہ ہوا ہوتا کہ ہندوستان کی مسلمان عورتوں کو یک لخت پردہ چھوڑنے کے لئے کہنا کہاں تک قرین مصلحت ہے۔ ایسی صلاح ومشورہ کا نتیجہ صرف یہی ہوگا کہ بجائے پردہ چھوڑنے کے اس کی اور زیادہ سختی کے ساتھ پابندی کی جائیگی۔ میرے نزدیک یہ ہندوستان کا رواجی پردہ قطعاً شرعی پردہ نہیں ہے۔ کلام مجید میں پردہ کے متعلق نص قطعی ہے اس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن قرآن پاک میں جہاں چادروں کے استعمال کا ذکر آیا ہے وہاں عورتوں سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، بلکہ مردوں کو بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم صادر ہوا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چادروں کا استعمال گھر کے لئے نہیں ہے بلکہ باہر عورتوں کے لئے ہے اور نیچی نگاہ رکھنے کی تاکید عورتوں کے ساتھ مردوں کو بھی دی گئی ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ راستہ میں جب مرد عورت کا مقابلہ ہو تو دونوں کو اپنی نگاہیں نیچی کرنی چاہئے۔ غرض یہ کلام مجید سے ثابت ہے کہ نہ عورتوں کو چار دیواری میں بند رکھنے کی ضرورت ہے، نہ انہیں مناسب پردہ کے ساتھ باہر سڑکوں اور شاہراہوں پر مردوں کے سامنے سے گزرنے کی ممانعت ہے۔

بہنو! جب قرآن پاک کا کوئی صریح حکم ہم کو چار دیواری میں بند کر کے رکھنے کا نہیں ہے۔ جب کلام ربانی ہمیں مناسب پردہ کے ساتھ شاہراہوں پر مردوں کے سامنے سے گذرنے [illegible] تو پھر کیوں ہم کو چار دیواریوں میں بند کر کے ہماری صحت کو تباہ کیا جاتا ہے۔ کیوں باہر آنے جانے کی [illegible] سے ہماری آزادی کو ختم کیا جاتا ہے۔ کلکتہ کے اعلیٰ افسر محکمہ صحت کی رپورٹ ہے کہ وہاں مسلمانوں میں سخت پردہ کا رواج ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی عورتوں

میں دق کا مرض بہت پھیلا ہے اور اکثر کمسن عورتیں اس مہلک مرض کا شکار ہو جاتی ہیں۔

بہنو! ایسا پردہ خودکشی سے کم نہیں ہے اور خدائے پاک اس سے ہرگز راضی نہیں ہیں آپ کو یہی مشورہ دونگی کہ مناسب پردہ کے ساتھ آپس میں ملنا جلنا ہوا خوری کو جانا ہر ذریعے سے تعلیم حاصل کرنا ان سب کاموں میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے اور اگر آپ اپنی لڑکیوں کو اور قوموں کی لڑکیوں کی طرح تعلیم یافتہ اور تندرست دیکھنا چاہتی ہیں تو آپ انہیں سخت پردہ کرنے پر مجبور نہ کریں اور ان کی صحت کو برباد ہونے نہ دیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری لڑکیاں پردہ اختیار کرنے سے پہلے اچھی صحت رکھتی ہیں۔ پھر بعد میں ان کی صحت کیوں بگڑ جاتی ہے؟ بہنو! یہ صحت کی خرابی ہے۔ ہم ایک درخت باغ میں لگاتے ہیں اور اسے سینچتے ہیں تو وہ ہوا اور سورج کی گرمی سے خوب نشوونما پاکر بڑا ہو جاتا ہے۔ اسی قسم کا ایک درخت ہم گملے میں لگا کر مکان کے اندر رکھتے ہیں اور اسے بھی ہر روز بلا ناغہ پانی دیا کرتے ہیں لیکن اس کی نشوونما اس خوبی کے ساتھ نہیں ہوتی۔ یہی فرق صاف ہوا میں زندگی بسر کرنیوالوں اور کثیف ہوا میں رہنے والوں میں ہے۔ سخت پردہ کی پابندی مسلمان عورتوں کی صحت کے لئے نہایت مضر ہے۔ یہ اسی سخت رواجی پردہ کا نتیجہ ہے کہ وہ تازہ اور صاف ہوا سے دور رہنے اور غلیظ اور کثیف ہوا میں زندگی بسر کرنے سے عمر طبعی بیس سال پہلے قبر میں پہنچتی ہیں۔

بہنو! یہ سوچنے کی بات ہے۔ میں خدا اور رسول کے حکم کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہتی نہ آپ کو پردہ قطعاً چھوڑنے کی ہدایت کرتی ہوں۔ میری غرض صرف یہی ہے کہ سخت رواجی پردہ جو صحت اور ترقی تعلیم دونوں کا دشمن ہے اس کو چھوڑ دو اور صرف شرعی پردہ اختیار کرو۔

شادی شدہ عورتوں کی تعلیم لائبریریاں اور سوشیل کلب

معزز بہنو! میں نے قوم کی لڑکیوں کی تعلیم کے متعلق بہت کچھ سمع خراشی کی لیکن ہماری وہ بہنیں جو علم کی دولت سے محروم ہیں اور ان کی شادیاں ہو چکی ہیں، کیا ہماری غیرت قبول کرتی ہے کہ وہ جہالت کی تاریکی میں پڑی رہیں۔

بہنو! تعلیم صرف مدرسوں ہی میں حاصل نہیں ہوتی ہے۔ اگر کوئی شادی شدہ اور پردہ

پابند بی بی اپنے گھر بار کے کام سے فارغ ہو کر ہر روز تھوڑا سا وقت تعلیم حاصل کرنے کے لئے نکالے تو رفتہ رفتہ اس میں لکھنے پڑھنے کی قابلیت پیدا ہو سکتی ہے اور وہ اچھی اچھی کتابیں پڑھ کر اپنی معلومات کو بڑھا سکتی ہے۔ انگلستان کی لیبر پارٹی کے سب سے بڑے لیڈر مسٹر رامسے مکڈانلڈ برطانیہ کے وزیر اعظم رہ چکے ہیں آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ انہوں نے کسی مدرسہ میں باقاعدہ تعلیم نہیں پائی۔ دن بھر مزدوری کر کے وہ شام کے وقت ایسے مدرسوں میں پڑھنے جاتے تھے جہاں جوان لوگوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے اپنی قابلیت اس قدر بڑھائی کہ آج برٹش پارلیمنٹ کے ایک ممبر۔ مقرر۔ ایک اچھے محرر۔ اور ایک اچھے مدبر کہلانے کا فخر انہیں حاصل ہے۔ انگلستان میں جہاں جوان مردوں کے لئے مدرسے قائم ہوئے ہیں وہاں جوان عورتوں کی تعلیم کا بھی سامان مہیا کیا گیا ہے۔ البتہ ہندوستان میں اس کی کمی ہے۔ بمبئی میں ایک مدرسہ شادی شدہ بیویوں کے لئے مسس نکمبے نامی ایک عیسائی خاتون نے قائم کیا ہے جس میں انگریزی زبان کی تعلیم دی جاتی ہے اور سینا پرونا۔ کاڑھنا۔ موسیقی وغیرہ بہت اعلیٰ درجہ کا سکھایا جاتا ہے۔ اس مدرسہ سے صرف ہندو عورتیں فائدہ اٹھاتی ہیں اور کوئی مسلمان بی بی آج تک اس میں داخل نہیں ہوئی ہے۔ مدرسوں کی ہم مسلمانوں کو بہت سخت ضرورت ہے جس سے ہماری شادی شدہ ان پڑھ بہنیں بھی رفتہ زیور علم سے آراستہ ہو سکیں۔

ایسی بیویوں کے لئے لائبریریوں کی بھی سخت ضرورت ہے۔ بمبئی میونسپلٹی نے خاص عورتوں کے لئے ایک لائبریری قائم کی ہے جس کا ذکر میں پہلے کر چکی ہوں۔ اس سے صرف ہندو اور پارسی عورتیں فائدہ اٹھاتی ہیں اور مسلمان بی بیاں کبھی بھولے سے بھی وہاں نہیں جاتیں۔ جب اسکولس کمیٹی کو اس کا خیال ہوا تو خاص مسلمان بی بیوں کے لئے ایک موبیلنگ یعنی گشتی لائبریری قائم کی گئی۔ چند لکڑی کے صندوق جن میں اردو کتابیں اور ان کی فہرستیں رکھی ہوئی ہوتی ہیں باری باری سے چند مقررہ مقامات پر بھیج دئے جاتے ہیں۔ کسی اسکول کی صدر معلمہ یا کسی پالی کی تعلیم یافتہ بی بی کے تحویل میں وہ صندوق رکھا جاتا ہے اور وہ اس محلہ کی عورتوں کو کتابیں

پڑھنے کے لئے دیتی ہے۔ جب ایک صندوق ختم ہو جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ پر لا رکھا جاتا ہے۔ غرض یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ میں نہایت خوشی کے ساتھ آپ کو کہتی ہوں کہ اس گشتی لائبریری سے بہت سی مسلمان عورتیں فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ بمبئی سوشیل سروس لیگ نے بھی ایسی ٹریولنگ لائبریریاں قائم کی ہیں جو زیادہ تر ہندوؤں کے لئے ہیں۔ لیکن بمبئی اسکولس کمیٹی کے ایما سے مسلمان عورتوں کے لئے بھی چند صندوق مہیا کئے گئے ہیں۔ ایسی لائبریریوں کا ہر شہر میں قائم ہونا مسلمان زنانہ بچوں کی تعلیمی ترقی کے لئے نہایت ضروری ہے اور مجھے امید ہے کہ بمبئی پریزیڈنسی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اپنی توجہ اس طرف مبذول کریگی۔

مسلمانوں میں پردہ کا موجودہ سخت رواج مجھے اجازت نہیں دیتا کہ میں مسلمان بی بیوں کے لئے پبلک لائبریریاں قائم کرنے کا مشورہ دوں۔ اگرچہ مناسب پردہ کی پابندی کے ساتھ زنانہ لائبریریاں قائم ہو جائیں تو وہ نہ صرف مطالعہ کے لئے سودمند ثابت ہونگی بلکہ ان سے تبادلۂ خیالات کا بھی موقع ملتا رہیگا۔ اور اس کا نتیجہ علمی، ذہنی اور معاشرتی ترقی ہوگا۔ اخبار بینی کے فوائد سے کون آگاہ نہیں؟ خدا کرے ہمارے مسلمان بھائی اپنی ان پڑھ بہنوں کی تعلیم کی ترقی کے لئے کوشش کریں۔ اور ایسی زنانہ پبلک لائبریریاں مسلمانوں کے محلوں میں قائم کریں جن سے کتب بینی اور اخبار بینی کا شوق مسلمان [illegible] میں پیدا ہو اور وہ اپنی دیگر اقوام کی بہنوں کے ساتھ شانہ بشانہ ترقی کے میدان میں گامزن خدا کرے وہ وقت جلد آئے اور ہم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔

پبلک لائبریریوں کے ساتھ ہی ساتھ اگر ہر شہر میں مسلمان بی بیوں کے لئے چند زنانہ سوشیل کلب بھی قائم ہوں تو اس سے بہت کچھ معاشرتی اصلاح ممکن ہے۔ تعلیم نسواں کی ترقی کے لئے ایسے زنانہ کلب بہت کچھ جد وجہد کر سکتے ہیں۔

بمبئی میں سیوا سدن، گجراتی استری منڈل وغیرہ عورتوں کی علمی اور معاشرتی ترقی کے انسٹیٹیوشن موجود ہیں۔ ایسے ہی انسٹیٹیوشن مسلمان عورتوں کے لئے قائم [illegible] میں یاد رہے کہ جب تک مردوں نے عورتوں کا ساتھ نہیں دیا ہے۔ عورتیں ایسے انسٹیٹیوشن قائم

میں کامیاب نہیں ہوئی ہیں۔ ہمارے مسلمان بھائیوں کا فرض ہے کہ وہ اس میں پیش قدمی کریں اور دیگر اقوام کی مثالوں سے فائدہ اٹھا کر اپنی پس ماندہ بہنوں کے لئے بھی کوشش بلیغ کر کے ایسے انسٹیٹیوشن قائم کریں جس سے قوم کا مستقبل شاندار ہو۔

بچوں کی تعلیم

مشرق و مغرب دونوں کا ابتدائی تعلیم میں ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ جو بچے ابتدا ہی سے ذہانت و تیزی کا اظہار کرتے ہیں ان کی تعلیم پر تو خاص توجہ مبذول کی جاتی ہے۔ مگر کند ذہن یا سست لڑکوں کی طرف اساتذہ توجہ نہیں کرتے اور یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ جس شئے لطیف سے خود قدرت ہی نے ان کو محروم رکھا ہے اس میں دخل دہی فطرت کے خلاف جنگ کرنا ہے۔ اس لئے اس ذیل میں کچھ کوشش کرنا محض تضیع اوقات اور تحصیل حاصل ہے۔

یہ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ابتدائی و پرائمری مدارس میں اکثر طلبا صرف جماعت صغیر میں کئی کئی سال تک پڑے رہتے ہیں اور انہیں ابجد کے پورے حروف بھی ذہن نشین نہیں ہوتے اور گنتیاں صرف زبانی رٹ لیتے ہیں۔ محکمہ تعلیمات کے افسران ہمیشہ سے کوشاں ہیں کہ یہ نقص کسی طرح دور ہو۔ مدرسین کو نارمل اسکولوں میں خاص طور پر تربیت دی جاتی ہے۔ لیکن پھر بھی نتیجہ خاطر خواہ نہیں نکلتا۔ کیا اس مسئلہ کا حل ممکن ہے۔

ارسطو نے سب سے پہلے فلسفہ تعلیم پر کتاب لکھی۔ سقراط سرے ہی سے کتب کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس کا قول ہے کہ کتب سے سوال و جواب ممکن نہیں اس لئے وہ کچھ سکھا بھی نہیں سکتیں۔ اس کا [illegible] زبانی تعلیم پر ہے۔ انیسویں صدی کے انگریز فلسفی ہربرٹ اسپنسر نے نہایت درجہ اس مسئلہ کی تحقیق اور ایک مستقل تصنیف Education فلسفہ تعلیم نامی کتاب دنیائے تعلیم کو

رہنمائی کے لئے چھوڑ گیا۔ کہیں کیا ان تصانیف میں ابتدائی تعلیم اور خاصکر غبی اطفال کی تعلیم کے متعلق کوئی مواد موجود ہے؟ بالکل نہیں۔

اس باب میں جس شئے نے واقعی رہنمائی کی وہ موجودہ دور میں علم النفس کی دماغی چھان بین تھی۔ جس سے ذہن کی پیمائش کر کے ایسے نکات نکالے گئے کہ تعلیم میں ایک انقلاب پھیل گیا نفس اصول پر تشریح دماغ کے تجربات اب تک جاری ہیں۔ بڑے بڑے پروفیسران اور ماہرین تعلیم اس کی تحقیق میں مصروف ہیں۔ مختلف آلات بھی ایجاد ہو گئے ہیں جن سے خاصی مدد مل رہی اور آگے چل کر معلوم نہیں کہ کیا کیا نئے انکشافات ہوں۔

لیکن یہاں مسئلہ زیر بحث صرف طریق تعلیم ہی نہیں بلکہ اطفال کے صرف اس طبقہ سے بحث ہے جنہیں قدرت نے مخفی طور پر قوائے عقلی تو ودیعت کئے ہیں۔ لیکن جن کا اظہار آسانی نہیں ہوتا یا ابتک سائنٹفک طریقوں سے ان کے نشوونما کی کوشش نہیں ہوئی۔ ہمارے ملک میں موجودہ طریقہ تعلیم میں ذہانت کے اعتبار سے ایک جماعت کی دو تین تقسیمیں کیجاتی ہیں اور ہر طالبعلم کو اس کی اہلیت کے اعتبار سے مماثل طبقوں میں تعلیم ہوتی ہے۔ ملک فرانس میں یہ اصول قائم کیا گیا ہے کہ ابتدا میں ہر بچے کے طبی معائنہ کے بعد اس کی ذہانت اور رجحان طبع کے موافق قابل برداشت تعلیم دیجاتی ہے جس کا نتیجہ نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ بعض بچے ریاضی میں تو بہتر نکلتے ہیں لیکن ادب و تاریخ میں بالکل ناکام۔ بعض کا میلان طبع لٹریچر کی جانب ہوتا ہے۔ جنہیں اگر ریاضی کی تعلیم دیجائے تو محض ناکارہ ہوگی۔ مگر یہاں بحث صرف طریق تعلیم سے ہے۔

بالک باغ (کنڈرگارٹن) جرمن میں جس وقت سے طریق ہذا کا اجرا ہوا ہے اس وقت سے لیکر ابتک تقریباً ساری مہذب دنیا میں اس کی تقلید ہوئی۔ جس میں طبعی اصولوں پر بچوں کے سامنے مختلف کھلونے رکھکر تعلیم دی جانے لگی۔ درحقیقت یہ طریقہ بھی نہایت درجہ مفید ثابت ہوا ہے لیکن ایجاد و تحقیق کا دور کہیں ختم نہیں ہوتا۔ ملک اٹلی کی ایک خاتون میڈم مونٹسوری Maria Montessori نے اس سے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور

دس پندرہ سال کے عرصہ میں مسلسل کوششوں کے بعد ایک ایسا قدرتی طریقۂ تعلیم ایجاد کیا جو سب پر سبقت لے گیا۔

اس طریقہ میں ابتداءً تو بچوں کے سامنے مکتاب کارڈ یا تختہ سیاہ وکھلونے ہوتے ہیں بلکہ ان کو صرف کھیلنے کے لئے نہایت آزادانہ طور پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور انہیں اختیار ہے کہ جو کھیل چاہیں کھیلیں۔ لیکن صرف انہیں کھیلوں میں رفتہ رفتہ ان کے سادے دماغوں پر تعلیم کے نہایت مستقل اثرات دزگار بنجاتے ہیں جو تمام عمر مٹ نہیں سکتے۔

[illegible] یا ماریا مونٹی سوری اس سلسلہ میں خاتون موصوف کے مختصر حالات و تجربات خالی از دلچسپی نہ ہونگے یہ نامور لیڈی ۱۸۷۰ء میں شہر روما میں پیدا ہوئی اور سن بلوغ کو پہنچکر اسی شہر کی یونیورسٹی سے ڈاکٹری کی سند حاصل کی کچھ عرصہ کے بعد اسی [illegible] یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہو کر امراض عقلی کا علاج معالجہ شروع کیا۔ اس عرصہ میں ہزاروں دماغی امراض کے مریض اس کی نظر سے گذرے جن کی عجیب و غریب حرکات و کیفیات سے اس کو نہایت درجہ دلچسپی پیدا ہو گئی اور وہ [illegible] نے اس کو آئندہ اکتشافات کے لئے راستہ بتلایا۔

۱۸۹۸ء میں شہر تورین میں ایک تعلیمی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں اس کی تقریر نے سامعین کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کر لیا۔ اس زمانہ کے وزیر تعلیمات میوسیو سنیوبار تشلے نے ازراہ قدردانی روما کے مدرسین کے سامنے غبی اور کند ذہن بچوں کی تعلیم پر تقریر کی فرمائش کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے بڑے ماہران تعلیم کو اس کا اعتراف کرنا پڑا۔ اب ایک مدرسہ خاصکر کند ذہنوں کی تعلیم کے لئے کھولا گیا ہے۔ جس کی پرنسپلی کے لئے سوائے خاتون موصوفہ کے اور نظر انتخاب کس پر پڑتی؟ اس عہدہ کو قبول کر کے اور بہت تھوڑے عرصہ میں اس نے یہ ثابت کر دیا کہ ذہین اور غبی دونوں نتائج کے اعتبار سے بالکل مساوی ہونگے۔

۱۹۰۱ء اسپتال میں ان کا معائنہ کرتی اور پھر جو مرض یا نقص دماغی ہوتا اس کا علاج کیا جاتا۔ بعد ازاں [illegible] سہ میں تعلیم شروع ہوتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذہین بچے جن کو قدرتی طور پر

امتحانات میں بڑھ جانا چاہیئے کبھی ان کند ذہنوں سے بازی نہ لیجا سکے۔ اس کامیابی نے اس کو اور شوق دلایا۔ چنانچہ موصوفہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ دفعتاً یہ خیال دل میں آیا کہ مدارس کا موجودہ طریقۂ تعلیم بچوں کے دماغی نشو و نما کو بجائے ترقی دینے کے ان کی بالیدگی میں سدراہ ہوتا ہے۔ اور وہ اس عطیۂ الٰہی کے فوائد سے محروم کر دیئے جاتے ہیں اس لئے یہ طریقۂ تعلیم قابل اصلاح ہے۔

اس نے پختہ طور پر یہ ارادہ کر لیا کہ وہ تعلیم کو بدل کے رہیگی۔ چند سال تک نفسیات اور مدارس میں عملی تجربات پر اس کی توجہ مبذول رہی اور جب رات دن ایک ہی دھن میں کوئی شخص لگا رہے تو کامیابی اس کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ بچوں کے مختلف رجحانات طبیعی کا مطالعہ کرتے کرتے وہ اس نتیجہ تک پہنچی کہ ان مصیبتوں پر سب سے بڑا ظلم موجودہ نظام تعلیمی ہے جو ان کی ترقی میں مانع ہوتا ہے۔ جس سے وہ صرف استاد کی نقل کرنا سیکھتے ہیں اور وہ ان کو بھیڑیوں کے گلہ کی طرح جس طرف چاہتا ہے ہانک کر لیجاتا ہے۔ لہٰذا بخلاف اس کے یہ ہونا چاہیئے کہ استاد کی تعلیم بجائے بچوں کی توجہ کو زبردستی اپنی طرف جذب کرنے کے ان کے میلان طبع کی طرف خود کو موڑ لے اور جس رُخ وہ جانا چاہیں۔ انہیں بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے۔ صرف استاد کی تعلیم اس میں ہو اور وہ ان کی دماغی نمو کی رفتار کا رُخ دیکھتا رہے۔

۱۹۰۷ء میں شہر روما کے ایک قریب محلہ میں ایک انجمن اطفال کی تعلیم کے لئے قائم ہوئی اور ایک مدرسہ قائم کیا گیا۔ جس میں صرف ۳ و ۹ سال کے درمیان عمر کے بچے داخل ہو سکتے تھے۔ جس کا اولین اصول یہ قرار پایا کہ ہر معلم کو طلباء کے قریب ہی رہنا چاہیئے۔ مدرسۂ ہذا کی نگرانی بھی خاتون موصوفہ کو تفویض ہوئی۔ جس میں ان کو اپنے عجیب و غریب خیالات کے تجربہ کا کافی موقع ملا۔ بخلاف عام مدارس کے نہ تو اس میں نظام الاوقات مقرر کیا گیا اور نہ تقسیم مضامین۔ بچوں کو نہ اظہار ذہانت پر صلہ تحسین دیا گیا اور نہ بدشوقی پر سزا و تنبیہ۔ عام طور پر چونکہ بچے اس لئے پڑھتے ہیں کہ استاد بھی پڑھ رہا ہے اور وہ صرف اس لئے پڑھا رہا ہے کہ اس گھنٹے یا دن کا سبق ایک مقررشدہ امر ہے۔ عموماً اسباق کے یاد کرنے کی ترتیب یا تو شوق ہوتا ہے یا خوف۔ اس لئے یہ پابندیاں

بچے کی روح اور فطرت کے منافی ہو کر ذہن کی بالیدگی میں مزاحم و مانع ہوتے ہیں۔

دماغ کی حالت بالکل معدہ کے مثل ہے۔ جو غذا مرغوب طبع ہوتی ہے وہ مفید بھی ہوتی ہے بشرطیکہ بھوک ہو۔ اور دماغ بھی صرف انہیں معلومات کو اخذ کرتا ہے جس کی اس کو خواہش ہو۔ اس لئے عام طریقوں میں پوشیدہ قویٰ ذہنی ظاہر نہیں ہونے پاتے اور جو نمایاں بھی ہوتے ہیں ان پر غیر معمولی بار تعمد پڑ جاتا ہے جس کے وہ متحمل نہیں ہو سکتے اس لئے اپنی انتہائی حد تک ترقی پانے کا موقع نہ ملنے کے ذکر رہ جاتے ہیں۔ اس طرح تعلیم کا کوئی دیرپا نقش نہیں جمتا۔ فطری طور پر ذہن کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کے حواس خمسہ کے سامنے جو شے آتی ہے وہ دماغ پر موثر ہوتی ہے اور اپنا عمل کرتی ہے۔ اگر اس کے نتائج سمجھ میں آجاتے ہیں تو حافظہ میں منتقل ہوتے ہیں ورنہ ذہن کو ان کی تلاش کی طرف راغب کرتے ہیں اور بلا طبیعت پر بار ڈالے ہوئے نقش کالحجر ہو جاتے ہیں کیونکہ بچوں میں قدرتی خاصہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے کا ابتدا ہی سے موجود ہوتا ہے بالکل صغیر سن اطفال بھی چراغ۔ چاند یا آئینہ کی طرف بڑے غور سے دیکھتے ہیں اور سمجھدار ہونے پر ان کے متعلق سوال کرنے لگتے ہیں۔

پس میریا منٹسوری نے اپنے مخصوص طریقہ تعلیم کا سنگ بنیاد یہ رکھا "کہ بچے جو کچھ سیکھیں خود بخود سیکھیں" اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ وہ اساتذہ کی اعانت سے یکسر بے نیاز ہو جائیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ نہ تو ان کے لئے کوئی خاص مضمون مقرر ہو اور نہ پابندی وقت کی قید یا کتاب کی خواندگی بلکہ ان کے لئے ایسے مواقع مہیا کئے جائیں کہ جب بچہ مدرسے آئے تو اپنی پسند کی چیزوں میں مصروف ہو جائے استاد کا کام صرف نگرانی ہو۔ خود بچے جو سمجھنا چاہیں اس میں بالکل دخل نہ دیا جائے۔ البتہ جو شے ان کی سمجھ میں نہ آئے اس کو سمجھا سکتے ہیں اور جن چیزوں کی طرف اس کی توجہ نہ ہو ان کو بھی بتلا سکتے ہیں لیکن زیادہ تر خود بچوں کی متجسس نگاہوں پر انہیں چھوڑ دینا چاہیے۔

چنانچہ میریا منٹسوری نے جو مدرسے اپنی نگرانی میں رکھے ان کی یہ کیفیت تھی کہ ہر بچے کو اسمیں کامل آزادی تھی کہ جو کام کا جی چاہے کرے اب اس کی جماعتوں کی شکل ملاحظہ ہو۔ اسکول میں چند کمرے ہوتے ہیں جن میں بعض میں چند کرسیاں بعض میں فرش اور کسی میں بالکل زمین۔ مدرسے میں تھوڑی کھلی

جگہ بھی ہوتی ہے۔ سامان تعلیم بھی نہایت مختصر ہوتا ہے۔ اب ایک لڑکا مدرسہ میں داخل ہوتا ہے اور کیا دیکھتا ہے کہ چند لڑکوں کی مختصر ٹولیاں چاروں طرف منتشر مختلف کھیل کھیل رہی ہیں جو اس کو مرغوب ہوا اس میں جا شامل ہوا۔ اس سے اگر طبیعت اچاٹ ہوئی دوسری ٹولی کے ساتھ شامل ہوگیا۔ وہ کمروں میں خواہ کہیں بیٹھیں یا لیٹیں کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ چند استانیاں کھڑی ان کی نگرانی کر رہی ہیں اور جو نئے بچوں کی سمجھ میں نہیں آتی اس کو سمجھا دیتی ہیں وہ ان کھیلوں سے کبھی اکتاتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں گویا فطرت کی دایہ کی گود میں کھیل رہے ہیں اور ان کو کبھی اسکا پتہ بھی نہیں ہونے پاتا کہ وہ کچھ پڑھائے جا رہے ہیں۔

میریا نٹسوری نے ان علمی کھیلوں کے لئے سیکڑوں قسم کے کھلونے اور آلات بنائے ہیں جن کی مقبولیت اس قدر ہے کہ باقاعدہ کمپنیاں ان کو فروخت کرتی ہیں۔ چنانچہ انگلستان کی مشہور کمپنی Philip and Tacey جو کتابوں کی تاجر ہے ان آلات کے سٹوں کی ایک کافی مقدار بغرض فروخت موجود رکھتی ہے۔ بیسیوں کتب و رسالے خاصکر اس طرز تعلیم کی بابتہ دیگر مصنفین نے لکھے ہیں رسالہ ہذا میں بعض کلاسوں و نیز آلات کی تصاویر بھی دیجاتی ہیں جن سے اس کے ذہن نشین ہونے میں آسانی ہوگی۔ اب ہم عملی طریق سے بحث کرینگے کہ ہر ایک فن کیونکر سکھایا جاتا ہے اور ان میں اصول نفسیات کا کیا دخل ہے۔ (باقی آئندہ)

اخبار تعلیم لاہور

ہر قسم کے تعلیمی معاملات پر آزادانہ بحث کرنیوالا مدرسین کا وکیل اور ترجمان طلبا کا معاون و غمگسار افسران محکمہ تعلیم کا خیر خواہ سررشتہ تعلیم کا شیر۔ ہر قسم کے علمی اخلاقی طبی وغیرہ مضامین کا مخزن ہفتہ وار اخبار تعلیم لاہور سے شایع ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ چھ روپے۔ سہ ماہی چار روپے۔

منشی طالب علیصاحب پاندر ویشی ایڈیٹر اخبار تعلیم لاہور سے طلب کیجئے

عجائب حساب

(نمبر ۳)

۷۔ مجموعۂ مکعب | $۲^{۳}$ = ۲×۲×۲ = ۸، $۳^{۳}$ = ۳×۳×۳ = ۲۷ وغیرہ کے

اعداد کو ظاہر کرنے کے لئے سہولت اس میں ہو سکتی ہے کہ لکڑی کے مکعبوں کی ایک کثیر تعداد لی جائے۔ ان کی مدد سے وہ عمل بھی سرانجام پا سکتے ہیں جو اوپر بیان کئے گئے اور وہ بھی جو اب بیان کئے جائینگے۔

لیکن مکعب ایسے ضروری نہیں ہم بغیر ان کے بھی مقصود حاصل کر سکتے ہیں۔ مکعب کی جگہ کاغذ یا مقوے کا چھوٹا مربع بھی کفایت کر سکتا ہے۔ یا ہم صرف ٹکیاں استعمال کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ہم انہیں ہی استعمال کرینگے۔

اب دیکھو کہ ان کی مدد سے ہم مکعبوں کو کیونکر ظاہر کر سکتے ہیں

۱ کا مکعب ۱ ہے۔ اس لئے ایک ٹکیہ اس کو ظاہر کریگی۔

۲ کا مکعب ۲×۲×۲ یعنی ۸ ہے۔ اس لئے اس میں ۴ ٹکیوں کے دو مربع ہوں گے۔ شکل کے پہلے حصہ میں (۱) ۸ مربع پہلو بہ پہلو رکھے گئے ہیں۔ لیکن جیسا کہ دوسرے حصہ میں دکھلایا گیا ہے

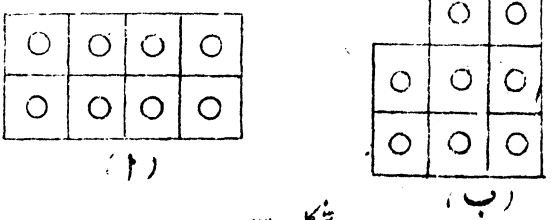

(ا) (ب)

شکل ۱۳

یہ آٹھ ٹکیاں ایک دوسری ترتیب سے بھی جا سکتی ہیں یعنی ۳ کالموں کو ویسا ہی رہنے دیا اور چوتھے کو سب سے اوپر رکھدیا۔

اب ۳ کا مکعب لو جو ۳ × ۳ × ۳ یعنی ۲۷ ہے۔ شکل ۱۴ میں اس کو ۹ ٹکیوں کے تین مربعوں سے ظاہر کیا ہے جو پہلو بہ پہلو حسب حصہ (ا) رکھے ہیں۔

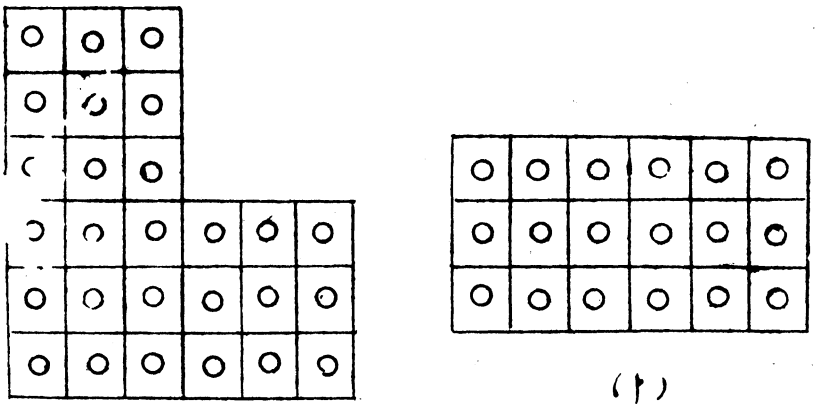

شکل ۱۴

دوسرا حصہ ب اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ پہلے ۶ کالم تو ویسے ہی رہنے دئے اور باقی ۳ کالم اوپر رکھدئے۔

بالآخر ۴ کے مکعب یعنی ۴ × ۴ × ۴ = ۶۴ کے لئے بھی ہم اس ترکیب پر عمل پیرا ہوں گے اور شکل ۱۵ کے حصہ ا میں ۱۰ کالم تو ویسے ہی رہنے دینگے اور بقیہ ۶ کو اوپر رکھدینگے تاکہ حصہ ب حاصل ہو۔

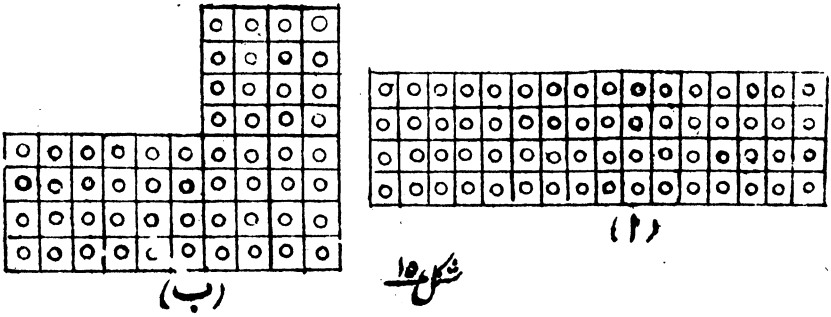

شکل ۱۵

اگر اشکال نمبر ۱۳، ۱۴، ۱۵ کے دوسرے حصے ایک ٹکیہ ملا کر جو ۱ کے مکعب کو ظاہر کرے گا حسب شکل ۱۶ ترتیب دے جائیں تو ۱، ۲، ۳، ۴ کے مکعبوں کا مجموعہ ایک مربع کی شکل میں حاصل ہوگا جس کا ہر کالم اور جس کی ہر قطار میں ۱ + ۲ + ۳ + ۴ یعنی ۱۰ ٹکیاں ہوں گی۔ پس ان مکعبوں کا مجموعہ ۱۰۰ ہوا۔

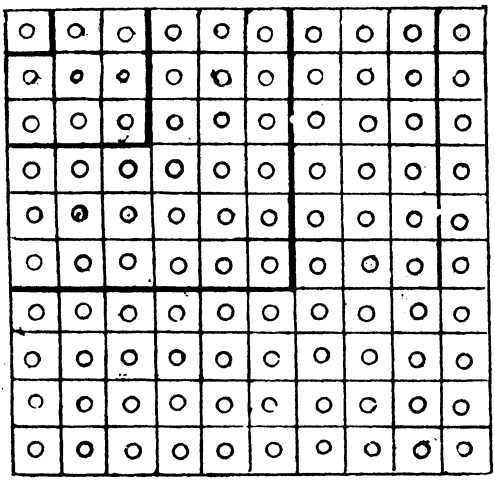

شکل ۱۶

اگر مختلف رنگوں کی ٹکیاں استعمال کی جائیں تو شکل اور بھی دلچسپ ہو جائیگی۔

جو عمل اوپر بتلایا گیا ہے ہم اس کو ہر عدد "ن" کے لئے انجام دے سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے ن صحیح عددوں کے مکعبوں کا مجموعہ ان عددوں کے مجموعہ کے مربع کے مساوی ہوتا ہے۔

پس $۱^۳ + ۲^۳ + ۳^۳ + \ldots\ldots + ن^۳ = (۱ + ۲ + ۳ + \ldots\ldots + ن)^۲$

$= (\frac{ن}{۱})^۲$

$= (\frac{ن (ن+۱)}{۲})^۲$

دیکھو یہاں بھی ہم نے کھیل کھیل میں ایک ضابطہ دریافت کر لیا جو بے دقت سے حاصل

ہوتا ہے۔

اگر اعداد طبیعی کے مکعبوں کا سلسلہ لکھیں اور اُن کے فرقوں کو لکھتے جائیں تو بالآخر ہر صورت میں ۶ حاصل ہونگے۔ چنانچہ

۱	۸	۲۷	۶۴	۱۲۵	۲۱۶
۷	۱۹	۳۷	۶۱	۹۱	
۱۲	۱۸	۲۴	۳۰		
۶	۶	۶			

باقی آئندہ

اردو کا ماہانہ رسالہ شمع آگرہ

جنوری ۱۹۲۵ء سے شمع نہایت آب و تاب سے شایع ہوتا ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ غرض ہر لحاظ سے اپنی آپ نظیر ہے۔ ہر مضمون مہذب محرک خیال اور معلومات جدیدہ کا بہترین نمونہ ہوتا ہے اور تاریخی سیاسی۔ اقتصادی و ادبی مضامین شایع ہوتے ہیں۔ اس کے مقاصد علمی و ادبی ہیں۔ لایق مدیران شمع مسٹر محمد حبیب (آکسن) بیرسٹرایٹ لا۔ و پروفیسر تاریخ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ و مسٹر حسن عابد جعفری (آکسن) بیرسٹرایٹ لا آگرہ ہیں۔ یہ حضرات بہترین تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے نقاد اور ادیب ہیں اور فن اخبار نویسی سے واقف ہیں۔ اور محض ادبی و علمی خدمت کی آرزو میں رسالہ کی ترتیب میں مصروف ہیں۔ اس میں کوئی ذاتی فائدہ شامل نہیں اور نہ کسی تجارتی اصول پر اس کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ہر ماہ میں پابندی وقت سے شایع ہوتا ہے۔ تصاویر بھی شایع ہوتی رہتی ہیں۔

حجم ۱۰۰ صفحہ قیمت سالانہ (۲) کلدار نمونہ کا پرچہ (۱۰ر) کلدار

المشتہر منیجر رسالہ شمع حسن منزل شاہ گنج آگرہ

شترمرغ

ابتدائی تعلیم کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ بچوں میں قوت مشاہدہ پیدا کی جائے۔ یعنی ان کو سکھایا جائے کہ وہ اپنے آنکھ، ناک، کان، غرض سب حواسوں سے کام لیں۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ فطرت کی مختلف چیزوں کی جانب بچوں کو توجہ دلائی جائے اور ان چیزوں کے بچوں کے لئے دلچسپ پہلوؤں کو پیش کیا جائے۔ فطرت میں جانور بچوں کے لئے بڑی دلچسپ چیزیں ہیں۔ بچے فطرتی منظر سے اتنے متاثر نہیں ہوتے جتنے جانوروں سے۔ اس لئے کہ جانداروں میں حرکت ہوتی ہے اور حرکت بڑی دلکش شئے ہے۔

مولوی محمد نصیر احمد صاحب بی۔ ایس سی نے جو خاص علمی ذوق کے انسان ہیں جانوروں پر بھی ایک کتاب لکھی ہے جو بچوں کے لئے دلچسپ اور استادوں کے لئے ممد و معاون ہے۔ ہم مولوی صاحب موصوف کے بے حد ممنون ہیں کہ انہوں نے "تحفۂ حساب" کے بعض اجزاء کی طرح اس کتاب کے چند ابواب بھی "المعلم" کو اشاعت کی غرض سے عطا فرمائے ہیں۔ "کانگرو" کا بیان اس سے پہلے کی اشاعت میں دیا جا چکا ہے۔ اب ناظرین "شترمرغ" کو ملاحظہ فرمائیں اور بچوں کو سنائیں یا پڑھائیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ اور ایسے ہی بیان شایع ہوتے رہینگے۔

(شریک مدیر)

شترمرغ نے زمین میں ایک بڑا گڈھا بنا رکھا تھا۔ یہ اس کا گھونسلا یا آشیانہ تھا اس اندر مادہ نے ۱۴ بڑے انڈے دئے تھے۔ دن بھر سورج انہیں گرم رکھتا اور رات کو مادہ انہیں سینے بیٹھتی۔ کیونکہ صحرائے اعظم میں دن کو گرمی ہوتی ہے اور رات کو سردی۔ اب وہ چودہ کے چودہ انڈے چھوٹے چھوٹے چوزے بن گئے تھے

پدر مُرغ نے پوچھا "تم انہیں کھانے کو کیا دو گی؟ اس ریگستان میں ہم لوگ تو اپنی گذر کر ہی لیتے ہیں کیونکہ ہمیں جو مل جائے کھا لیتے ہیں۔ کم از کم مجھے تو اس کی بالکل پرواہ نہیں ہے جب کچھ نہ ملے تو لوہے کا ٹکڑا، پتھر، ٹہنی، خواہ کچھ ہی ہو میرے لئے بس ہے۔ لیکن ان بچوں کے معدے اور ذائقے تو ابھی اس قابل نہیں ہوئے۔"

مادر مُرغ بولی۔" ارے ہمیں تو کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔ کیا تم بھول گئے کہ مکان کے ایک کونے میں میں نے چند انڈے اسی غرض سے رکھدئے تھے کہ بچے جب نکلیں تو ان کے کام آئینگے اور یہ تمہیں معلوم ہے کہ ہمارا ایک انڈا تین آدمیوں کے لئے کافی ہے۔"

پدر مُرغ نے جواب دیا "مجھ سے آدمیوں کا ذکر مت کرو۔ وہ ہم کو پکڑ لیتے ہیں۔ افریقہ کے کھلیانوں میں ہم کو مقید کر دیتے ہیں۔ ہماری دُم اور پروں کے سیاہ و سفید بال نوچ لیتے ہیں۔ خدا نہ کرے کہ میں پکڑا جاؤں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے پر کسی ٹوپی یا پنکھے میں ملتے نظر آئیں۔"

اسپیر اس نے اپنی آواز سے حقارت کا اظہار کیا۔ شتر مُرغ کی آواز بھی خدا کی پناہ شیر کی گرج سے کم تھوڑے ہی ہوتی ہے۔

مادر مرغ بولی۔" شکاریوں سے تو ہم بھاگ کر بچ سکتے ہیں۔ اگرچہ ہم اُڑ نہیں سکتے لیکن پر ہم کو بھاگنے میں بہت مدد دیتے ہیں اور دیکھو تو ہم کس قدر تیز دوڑتے ہیں۔ کوئی پرند یا جانور تو ہماری گرد کو پہنچتا نہیں اور ہم ہی ایسے پرند ہیں کہ ہمارے پیروں میں صرف دو ناخن ہیں۔"

پدر مرغ۔" ہم ایک آدمی کو تو بہت آسانی سے مار سکتے ہیں۔ ہمارے بازو اور ٹانگیں اتنے مضبوط ہیں۔ اور ہم خوفناک بھی بہت ہیں۔ عرب ہم کو شتر مرغ کہتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا گھر ریگستان میں ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ان کے خیال میں ہم اونٹ کی طرح بے وقوف ہوتے ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ ہم بے وقوف نہیں ہیں۔ کیوں تمہارا کیا خیال ہے؟"

مادر مرغ۔ (سوال کا جواب نہ دیکر) "اچھا کیا ہوا کے رُخ پر بھاگنا زیادہ مناسب ہے یا اس کے خلاف؟)

پدر مرغ۔ "بے شک ہوا کے رخ پر"

مادر مرغ۔ "چاہے ہمارے دشمن ہی اس طرف سے آتے ہوں۔

پدر مرغ۔ "دوست ہو یا دشمن۔ ہم کو ہمیشہ ہوا کے رُخ بھاگنا چاہیئے۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔

مادر مرغ۔ "میری بھی یہی رائے ہے"

اور کسی کو ان میں سے یہ خبر نہ تھی کہ ایسی ہی حرکتوں کی وجہ سے لوگ انہیں بیوقوف کہتے ہیں"

تبصرے

ادبستان | یہ رسالہ انجمن معین الادب بمبئی کی جانب سے نکلا ہے۔ اس انجمن کو "ادبستان" کی اجرا سے کوئی فائدہ مقصود نہیں بلکہ صرف 'خدمت زبان' اس کا کافی صلہ ہے"۔ ہم اس مقصود کی دل سے داد دیتے ہیں۔

اس رسالہ کی زندگی کا "مقصد خاص" یہ ہے کہ 'اردو کو ملک کی دوسری زبانوں سے روشناس کرایا جائے۔ 'ادبستان' سات سمندر پار کی زبانوں سے پرہیز کریگا۔ حالانکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ اس عزم میں اس کو کامیابی نہیں ہوگی۔ بہرحال گجراتی اور مرہٹی جو احاطہ بمبئی کی خاص دیسی زبانیں ہیں ان کے تخیلات اور جذبات کو اردو داں احباب تک پہنچانا یہ ایک قابل قدر مقصد ہے اس لئے کہ اردو کو ان دیسی زبانوں کے مطالعہ سے بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یہ واضح رہے کہ خود ان زبانوں کی موجودہ نشو ونما سات سمندر پار والی زبان کے اثرات سے ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ادب اور اردو کی طرح ہندوستان کی سب بڑھنے والی دیسی زبانوں میں جان اسی طرح پڑی ہے کہ ان کے بولنے اور لکھنے والے انگریزی زبان اور ادب سے متاثر ہوئے اگر ادبستان اپنے آپ کو محض دو دیسی زبانوں تک محدود کر دیگا تو ہمیں اندیشہ ہے کہ اس کا دائرہ بہت ہی تنگ ہو جائیگا اس لئے ان زبانوں کا ادب زیادہ سے زیادہ اردو کا ہم پلہ ہو سکتا ہے اور اس میں سے بھی ایسی زندہ چیزیں جو اردو میں منتقل کرنے کے قابل سمجھی جا سکیں وہ بہت کم مقدار میں نکلیں گی۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھکر دیکھا جائے تو اسلامی صاحب کا رام گنیش گڑکری کی نظم کا اردو نظم میں ترجمہ ایک نہایت قابل قدر چیز ہے۔ ایسی چیزیں واقعی اردو زبان کی خدمت ہیں۔ ادبستان کے اس پہلے نمبر میں "مغنیہ فطرت" بھی ایک دلکش نظم ہے اور بحیثیت مجموعی غزلوں وغیرہ کے باوجود اس پہلے نمبر کا نظم کا حصہ نثر کے مضامین سے بہتر ہے۔ نثر کے مضامین میں کوئی خاص بات نہیں جو اسلوب اور رنگ ڈھنگ آج کل عام طور پر رائج ہے مضامین نثر سب اسی کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ دوسرا نمبر ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ تیسرے نمبر کی طباعت اور بھی گر گئی ہے اور یہاں تک ہماری سمجھ کام دیتی ہے پہلا نمبر اس تیسرے نمبر سے بڑھا ہوا ہے۔

"ادبستان" ایک اچھی کوشش ہے۔ اگر اس کے ابتدائی مقصد کو نظر انداز کیا جائے تو یہ رسالہ اردو رسالوں میں ایک خاص انوکھی چیز بن جائیگا۔ گجراتی اور مرہٹی مشاہیر ادب کی سوانح عمریاں ان کے کلام اور نثر کے ترجمے بڑی کام کی چیز ہوگی۔ ہم قابل مدیر کی توجہ اس جانب بطور خاص منعطف کراتے ہیں۔ بنگلور کی بھونڈی نقالی میں اس قسم کی بے معنی تحریریں جیسے "سعدیہ عشق" پہلے نمبر میں ہے ادبستان کو ایک عامیانہ رسالہ بنا دینگی۔ اگر ادبستان گجراتی اور مرہٹی ادب کی عمدہ چیزیں اردو میں منتقل کرے اور ان زبانوں کے مشاہیر شعراء اور مصنفوں سے ہم کو روشناس کرائے تو واقعی ایک انمول احسان ہوگا۔ ادبستان سے ہمارے اساتذہ کو فائدہ ہوگا۔ پہلے نثر میں رام گنیش گڑکری کی نظم کا ترجمہ "کلی" کے عنوان سے پرانے ذوق کے آدمی کو پڑھنا چاہیئے۔

چند پرند | گھریلو پرندوں پر یہ کتاب مرزا سلیم بیگ صاحب نے لکھی ہے اور ہمارا خیال ہے کہ ایک بہت ضروری کام کیا ہے اس چھوٹی سی خوبصورت کتاب میں تصویریں بھی عمدہ اور نفیس ہیں۔ عبارت صاف اور رواں ہے اس کتاب سے اساتذہ مطالعہ فطرت کے اسباق میں استفادہ کرسکتے ہیں اور طلبہ کو یہ فائدہ ہوگا کہ وہ پرندوں کی دیکھ بھال اور غور و پرداخت باقاعدہ کرسکینگے اور اس طرح ان کے چاہتے پرندے بیماری اور موت کے جلد شکار نہ ہونگے۔ یہ کتاب جس قدر عام طور پر رواج پائے اچھا ہے۔ خانہ نشین بیویاں جو پرندوں کا شوق رکھتی ہوں وہ اپنے ان معصوم دل خوش کرنے والوں کا علاج معالجہ کرسکینگی۔ اور پرندوں کے متعلق علمی واقفیت پیدا ہوگی کتاب کی قیمت فی نسخہ (عہ) ذیل کے پتہ سے کتاب دستیاب ہوسکتی ہے۔

دفتر رسالہ نمائش نیا کاچی گوڑہ حیدرآباد دکن

عقوبت گناہ | مولوی نظیر حسین صاحب فاروقی نے کسی انگریزی قصہ کو اس عنوان سے ہندوستانی بنایا ہے۔ کتاب کل ۳۲ صفحہ اور چھوٹی تقطیع کی ہے۔ اس میں صرف ایک شخص یحییٰ کے کیرکٹر کا مطالعہ ہے اور خاصہ مطالعہ ہے۔ لیکن قصہ کے کل گرد و پیش پر غم کی تاریکی چھائی ہوئی ہے اور اس میں ایک شخص کی نفسیاتی خصائص کی ہلکی ہلکی روشنی جھلک جاتی ہے۔ اردو کے ناولوں میں نفسیاتی تجربہ کا رجحان اب ہو چلا ہے اور اس پہلو سے یہ کتاب ضرور پڑھنے کے قابل ہے۔ کتاب کی قیمت نامعلوم ہے اور مصنف سے ذیل کے پتہ پر مل سکتی ہے۔

مولوی نظیر حسین صاحب فاروقی مہتمم تعلیمات ضلع نظام آباد

شذرات

یوم کلیہ عثمانیہ اور رنگ آباد (دکن)

(۱)

اورنگ آباد ہمارے ممالک محروسہ سرکار عالی کا بہ حیثیت سے ایک قابل دید اور قابل ناز مقام ہے۔ اس کی آب و ہوا سے ہندوستان کے میدانوں کے بہت کم مقام ہیں جو ٹکر کھا سکیں زرخیزی اور سرسبزی میں اس کا یہ حال تھا افسوس ہے کہ اب اس بات میں بہت کمی آگئی ہے کہ اس کو دکن کا میوہ کا باغ سمجھا جاتا تھا۔ اورنگ زیب کا پائے تخت اور آرامگاہ آخری یہی ہے۔ یہیں دولت آصفیہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اور یہیں ہندوؤں کی تاریخ سے بھی پرے کی یادگاریں ایلورا کے غار، اس خطہ کی تاریخی عظمت کے سبق آموز آثار ہیں۔ اسی خوش نصیب خطہ میں دین اسلام کے وہ زبردست روحانی ہستیاں بھی فیض گستر ہیں جن کے مزارات متبرکہ روحانی بجلی کے منارے ہیں۔ ان طالبان حقیقت کے لئے جو اس پراسرار راہ میں قدم رکھیں اور چشم باطن سے کام لیں۔ یہ ہے اورنگ آباد کی عظمت جسے اب بھی خوش نظمی خوش سلیقگی اور صحیح شہری تدبر چند سال میں ایک گلزار اور حسین شہر بنا سکتا ہے۔

(۲)

اورنگ آباد میں کوئی پندرہ بیس برس پہلے ایک دوسرے درجہ کا کالج تھا جو بدقسمتی سے مدت ہوئی برخاست کر دیا گیا اور صرف انگریزی ہائی اسکول رہگیا۔ بعد یہاں ایک مدرسہ فوقانیہ قائم ہوا۔ لیکن جامعہ عثمانیہ کی مسیحانفس تحریک نے کچھ اوپر دو سال ہوتے ہیں کہ آخر انگریزی اور عثمانیہ فوقانیہ مدارس کو ملا کر عثمانیہ انٹرمیڈیٹ کالج پھر قائم کرا دیا اور اس کی صدارت کے لئے

ایک ایسی ہستی کا انتخاب ہوا جس نے اپنے آپ کو اردو کی ترقی کے لئے آج سے نہیں مدتوں پہلے سے جبکہ اس موجودہ پودے کے سر برآوردہ حضرات کا دودھ بھی نہیں چھٹا تھا اس طرح وقف کر دیا جس کی مثال گلے وقتوں کے عالی ہمت اہل علم پرست لوگوں ہی میں مل سکتی ہے۔ یہ صدر مولوی عبدالحق صاحب ہیں اور انکے صدر ہونے سے جو توقعات وابستہ ہو سکتی تھیں وہ بہت ہی بلند تھیں اور جن ارباب درد نے کلیہ ثمانیہ اورنگ آباد کے گذشتہ اور اس سال کے یوم کلیہ میں حصہ لیا ہے وہ انکی شہادت دے سکتے ہیں کہ مولوی صاحب ممدوح کی شخصیت نے اس کالج میں توقعات سے بھی زیادہ وہ روح پھونکدی ہے جو ہندوستان میں صرف مولوی صاحب ممدوح کی مادر علمی علیگڈھ کالج ہی میں پائی جاتی ہے۔

(۳)

پچھلے سال "یوم کلیہ" ایک گھریلو پیمانہ پر تھا اور اس میں خاص خاص احباب ہی جمع ہو گئے تھے لیکن اس میں کامیابی کی وہ تمام بائیں پوری طرح موجود تھیں جو اس سال بڑے پیمانہ پر ظاہر ہوئیں۔ اس پچھلے "یوم کلیہ" کی دلچسپیوں کو جب ارباب بینش نے سنا اور یہ محسوس کیا کہ ایک کالج میں جس قسم کی روح ہونی چاہیئے وہ اورنگ آباد کالج میں پھونک دی گئی ہے تو مولوی صاحب سے علم دوست اور علم پرور ارباب درد نے خواہش کی کہ اس سال "یوم کلیہ" بڑے پیمانہ پر ہو اور اس دفعہ دعوتیوں کا زمرہ وسیع ہو۔ چنانچہ ایسے ایسا ہی کیا گیا۔ ان محترم مہمانوں میں ہر حیثیت سے سب سے پہلے عالیجناب نواب حیدر نواز جنگ بہادر کا نام نامی ہے آپ نے باوجود اپنی ان تھک سرگرمیوں کے محض علم کی خاطر اور محض اس اسپرٹ کے ملاحظہ کیلئے جو اس کالج میں پیدا کیا گیا ہے بطور خاص اس جلسہ میں شرکت ہی نہیں فرمائی بلکہ اپنی عنایت سے اس جلسہ کی صدارت منظور فرمائی۔ ایسی علمی قدردانی اور علمی وجدان کی نظیر بہت کم ملتی ہے اس کا سہرا نواب حیدر نواز جنگ بہادر کے سر ہی پر زیب دیتا ہے۔ دوسرے مہمان قابل ذکر نواب فخر یار جنگ بہادر ہیں جو اپنے فرائض منصبی اور علمی مشاغل تنہائی کے ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ پبلک جلسوں میں کم اپنی غیر موجودگی سے نمایاں ہوتے ہیں۔ اس دفعہ آپ نے بھی محض دکن میں اس نئی علمی روح کے دیکھنے کی غرض سے اورنگ آباد تک زحمت اٹھائی۔ تیسرے مہمان بہ حیثیت ناظم تعلیمات ایک طرح سے خود میزبان بھی تصور کئے جا سکتے ہیں نواب سر خجنگ بہادر تھے

بزرگ سرسیدؒ کے پوتے۔ ناظم سررشتۂ تعلیمات سرکار عالی اور جامعۂ عثمانیہ کے بنیادی معماروں میں سے ایک کارکن کی حیثیت سے یہ دلی آرزو رکھتے تھے کہ اس اورنگ آباد کی فضا میں علیگڈھ کی اسپرٹ کا جامعۂ عثمانیہ کے رنگ روپ میں تماشا کریں۔

(۴)

یکم دسمبر یوم کلیہ کا پہلا دن تھا اس کی کارروائی شروع کرتے وقت مولوی عبدالحق صاحب نے تحریک صدارت کرتے ہوئے ایک وزنی تقریر فرمائی اور نواب حیدر نواز جنگ بہادر کے وہ ممتاز اوصاف و خصائص نہایت موزوں الفاظ میں پیش کیے جن کی رو سے نواب صاحب ممدوح کی شخصیت ہندوستان بھر میں وقیع اور قابل عزت مان لی گئی اور وہ بھی دن دور نہیں کہ جگ شہرت کا سہرا نواب صاحب کے سر باندھا جائے۔ نواب صاحب نے صدارت جلسہ کو قبول فرما کر ایک برجستہ تقریر فرمائی جس میں آپ نے فرمایا کہ اورنگ آباد ہائی اسکول ہی جو اب عثمانیہ کالج ہے وہ مقام تھا جہاں چند سال پہلے ایک موقع پر مولوی عبدالحق صاحب نے ایک تقریر کی تھی اور اس تقریر میں مادری زبان میں تعلیم کے اصول کو اس عمدگی اور دلنشین استدلال سے پیش کیا کہ سامعین پر اس کا خاص اثر ہوا اور نواب صاحب نے فرمایا کہ یہی وہ پہلا اثر تھا جس نے ہم سبھوں کے خیالات اس جانب بڑھے جدھر آخر میں چلکر جامعۂ عثمانیہ کی عمارت اٹھنے والی تھی نواب صاحب کی اس وسعت دلی اور سچی قدردانی کا حاضرین پر بہت اثر ہوا۔ نواب صاحب کے اس فرمانے نے لوگوں کے دلوں پر یہ بات نقش کردی کہ نواب صاحب انسانوں کے ایک زبردست رہنما ہو سکتے ہیں۔ اس پہلے دن کے جلسہ کی دوسری نہایت ممتاز حوصلہ افزا اور دماغ و روح کی ضیافت والی چیز نواب سعود جنگ بہادر کا جاپان پر لکچر تھا۔ نواب صاحب نے یہ تقریر اردو میں فرمائی اور اس اردو کو انتخاب کیا جو ان کے دہلی کے معزز گھرانے کی ہے اور جس پر ان کے زبردست جد امجد نے ادبی مہر ہمیشہ کے لئے ثبت کردی ہے۔ اس تقریباً چالیس منٹ کی رواں۔ شستہ اور پرمغز تقریر میں کوئی انگریزی کا لفظ نہیں آنے پایا۔ نواب صاحب نے لالٹین سے تصویریں بھی دکھلائیں جو نہایت دلچسپ تھیں ہر تصویر کی وضاحت پر لطف پیرایہ میں فرماتے گئے۔ نواب صاحب کی اس تقریر کا موضوع یہ تھا

جاپانیوں نے کن طریقوں سے اور ایا کن خصوصیت کیوجہ سے جدید علوم اپنی زبان میں لے لئے نواب صاحب نے جاپانیوں کی جفاکشی، حُب وطن اور ایثار پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہمارے جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل نوجوان اس بات کا عہد کریں کہ اپنے اپنے مضامین میں ایک عمدہ کتاب کا وہ اپنی زندگی میں ترجمہ کرینگے تو ایک پشت میں ہر طرح کے علوم اردو میں آجائینگے اس لکچر کا سبھوں پر بڑا گہرا اثر ہوا اور نگ آباد میں اسکے چرچے رہے اور خصوصاً طلبہ پر بہت ہی اثر ہوا۔

(۵)

یوم کلیہ کے دوسرے دن نہایت پر لطف چیزیں دیکھنے میں آئیں۔ بہروپ بھرے گئے تھے جن میں سے ہر بہروپئے نے کمال کیا تھا۔ حاضرین پر اس فقیر کی صدا کا بہت ہی اثر ہوا جو ڈنڈے سے اپنے ہاتھ کی چوڑیاں بجاتا تھا لوگ اُن بہروپوں سے بہت ہی محظوظ ہوئے۔ دوسری پر لطف چیز ایک مختصر ڈراما تھا "ایک پنتھ دو کاج" اس کھیل کی داغ بیل کسی انگریزی کھیل سے لی گئی تھی لیکن اسکو بالکل اپنا بنالیا تھا۔ اسمیں تینوں ایکٹروں نے عمدہ کام کیا۔ سالے والے کا پارٹ قابل تعریف تھا اس کے بعد ہندوستانی شاعر کی نقل تھی جو من و عن اتاری گئی تھی۔ میر شاعرہ کا پارٹ اس عمدگی سے کیا گیا کہ اس نقلی مشاعرہ کا وقار قائم ہوگیا۔ بڑی ضرورت ہے کہ اس قسم کی مخلوں کا منسی منسی میں کام تمام کردیا جائے ان مشاعروں نے ہی ہماری شاعری کو ریختہ تر ایک میکانی ورزش دماغ بنادیا ہے اور غزل کی محض قافیہ پیمائیوں کو رواج دیا ہے۔ اس مشاعرہ کے ہر ایکٹر نے عمدگی سے اپنا اپنا کام کیا۔ لوگوں کا چال تھا کہ سننے اور دیکھنے کو ٹوٹے پڑتے تھے جس سے ابتدائی باتیں اس نقل کی ہر ایک سُن نہیں سکا یہ ناممکن رجحان بدقسمتی سے ہندوستان میں بالکل مفقود ہوچکا ہے۔ اورنگ آباد میں اس کا اس کامیابی سے پیدا کردینا ایک حقیقی قومی اور ملکی خدمت ہے اور صدر واساتذہ کلیہ اس فن لطیف کی کامیاب کوششوں پر ہر طرح مبارکباد کے مستحق ہیں۔

(۶)

ان ایام میں نظمیں بھی پڑھی گئیں۔ مولوی غلام طیب صاحب کی نظم "تکمیل حیات" مطالعہ کے قابل چیز ہے نظم روان اور بے تکلف ہے اور شاعرانہ رنگ کہیں پھیکا نہیں پڑا ہے مولوی سید ہاشمی صاحب نے خاص اس موقع کیلئے ایک نظم لکھی تھی وہ بھی مولوی صاحب نے خود ہی پڑھی۔ نظم کے خیالات نہایت بلند تھے اور اسکے بعض شعروں اور مصرعوں نے بزم کو پھڑکا دیا۔ مولانا سلیم نے ایک نظم "تخیل" کے عنوان

سے پڑھی۔ اس نظم کے ہر مصرع سے استادی ٹپکتی تھی۔ خیالات کی بلندی اور لطافت الفاظ کی نشست اور مصرعوں کی بندش نے جلسہ کو گرما دیا اور لوگ بے ساختہ داد دے رہے تھے۔

(۷)

ان جلسوں میں طلبہ نے چند چیزیں گائیں۔ گانے کیلئے چند چیزوں کا انتخاب کیا تھا وہ حضرت غالب اور حضرت حالی کی چیزیں تھیں۔ ہندوستان میں موسیقی کو ایسے طبقوں کے حوالہ کر دیا گیا ہے جن کی پستی اور پست زندگی نے خود ہماری سماج میں موسیقی کو عیب لگا دیا ہے۔ سخت ضرورت ہے کہ اس لطیف اور شریف فن کے اس دھبہ کو دھویا جائے اور یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ہماری تعلیم گاہیں اسکے عمدہ اور اعلیٰ نمونہ پیش کریں اور اپنے طلبہ کے دلوں میں اسکی فنی لطافت اور اس کی روحانی بلندی کو عملاً بٹھا دیں۔ اس اورنگ آباد کے کالج نے اس ضرورت کو بھی عمدگی سے پورا کیا ہے۔ جو چیزیں گائی گئیں وہ سلیقہ اور فن دانی کیساتھ گائی گئیں۔

(۸)

'یوم کلیہ' کے کل انتظامات مل جل کر کئے گئے۔ استاد اور طلبہ اس میں دل و جان سے منہمک تھے اور مولوی عبدالحق صاحب نے کالج کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے جو تقریر کی تھی اور جس میں اس پر زور دیا تھا کہ ہم اساتذہ اور طلبہ یہاں آپس میں خاندان کی طرح ہیں۔ یوم کلیہ کا انتظام ہنسی خوشی اور مل جل کر اس کا ایک اور زبردست ثبوت تھا۔ بائی اسکوٹ یہاں گھٹنا یا شملہ محض نمائش کے لئے نہیں پہنے ہوئے تھے۔ یہ لوگ صحیح معنوں میں بائی اسکوٹ تھے۔ انتظامی کام دوڑ دھوپ مجمع کی روک تھام خانہ پری کی خدمت گزاری اور انکے آرام کی کوشش۔ یہ چیزیں اورنگ آباد کالج کے اسکاؤٹوں نے عملی طور پر کر دکھائیں ہمیں بڑی خوشی ہوئی کہ ان اسکاؤٹس میں صحیح خدمت گزاری اور سرگرمی اور اطاعت گزاری کی روح پیدا کی گئی ہے۔

(۹)

'یوم کلیہ' ایک نہایت کامیاب جلسہ تھا جو اور درسگاہوں کے لئے ایک عمدہ نمونہ ہے مولوی عبدالحق صاحب کی پر تاثیر اخلاص مند شخصیت کا یہ کالج اور اس کا یہ قابل قدر اسپرٹ ایک اور یادگار کرشمہ ہے اور ایسی ہی کرشمہ ساز ہستیاں ملک اور قوم کے لئے بابرکت ہوتی ہیں۔

تاریخی و جیاگرفیکل اٹلس اردو ملک سرکار عالی

اس اٹلس میں ملک سرکار عالی اور اس کے جملہ اضلاع و نیز پائیگاہوں و سمستانات اور ملک برار کے نقشہ جات نہایت صحت کیساتھ طبع ہوئے ہیں اور ہر نقشہ کے محاذی پورے نقشہ پر اسکے متعلقہ حالات بالتفصیل درج کئے گئے ہیں ناظرین اٹلس ہذا کو آئندہ ہر ایک حصۂ ملک کے ضروری جغرافی حالات معلوم کرنیکے لئے کسی مزید جغرافیہ کے ملاحظہ کی ضرورت داعی نہ ہوگی یہ پہلا موقع ہے کہ اس اہتمام کیساتھ ہمارے ملک کا اٹلس طبع ہوکر پیش ناظرین ہورہا ہے۔ ملک کے قدردان اصحاب اور مدارس کے طلبا و مدرسین اس نادر تحفہ کے طلب کرنے میں عجلت سے کام لیں گے تاکہ موجودہ نسخے ختم ہونے پر انہیں طبع ثانی کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ اس اٹلس کی قیمت صرف ۴ روپیہ ہے اس اٹلس کو صدر مجلس انتخاب کتب صدر دفتر نظامت تعلیمات سرکار عالی منعقدہ ماہ آبان ۱۳۳۵ف نے کل مدارس سرکار عالی کے کتب خانوں کے لئے منظور فرمایا ہے۔

المشتہر سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر و مالک اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

اردو
نستعلیق ٹائپ
(میں)

روح جاپان

نواب مسعود جنگ بہادر
کا
وہ معرکۃ الآرا لکچر جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے

اس کا اردو نستعلیق ٹائپ میں چھپنا قابل دید ہے ایسا نستعلیق ٹائپ ابھی تک تیار نہیں ہوا تھا۔ بلحاظ طباعت "روح جاپان" ایک یادگار کتاب ہے اور بلحاظ مضمون بھی جاپان کی روح کی تصویر ہے اس طرح یہ رسالہ آنکھ اور دماغ دونوں کی بہترین ضیافت ہے۔ قیمت صرف (۸) (علاوہ محصول ڈاک)

دفتر رسالہ "المعلم" سانچہ قلعہ حیدرآباد دکن سے طلب کیجئے

بچوں کا قاعدہ

مرتبۂ سجاد مرزا۔ ایم۔ اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات و بہ گلبرگہ

(اقتباس از چند آرا)

رہنمائے تعلیم لاہور | یہ بڑی تقطیع کا باتصویر قاعدہ ہے جس کی لکھائی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ۔ طرز تعلیم بہت آسان ہے مشکل کے اصول کو ہر حالت میں مدنظر رکھا گیا ہے مدرسین کو ابجد خوانان کی تعلیم میں جو مشکلات پیدا ہوا کرتی ہیں ان کے لئے ہر سبق کے آغاز یا انجام پر فٹ نوٹ کی صورت میں مناسب ہدایات دی گئی ہیں حروف کی ملاوٹ کا طریق نہایت واضح اور صاف ہے جو اس قاعدہ کو دیگر مروجہ قاعدوں سے مخصوص کرتا ہے اگر اسے مصنف کی ہدایات کی بموجب پڑھایا گیا تو وہ موجودہ تکالیف و شکایات کو سرے سے دور کر دیگا۔

رفیق التعلیم لاہور | صدر مہتمم تعلیمات گلبرگہ نے حال ہی میں بچوں کے لئے ایک نہایت مفید بچوں کا قاعدہ اردو سیکھنے کے لئے تالیف کیا ہے۔ مصنف نے اس قاعدہ کو ہر طرح مکمل بنانے کی کوشش کی ہے۔ تصاویر کی مدد سے اسباق کو دلچسپ بنایا گیا ہے اور ہر سبق کے بارے میں استاد کے لئے ہدایت دی گئی ہے۔

فلک السلطان بھوپال | بچوں کے پڑھنے کے لئے اکثر قاعدے لکھے گئے ہیں جو کچھ نہ کچھ فائدہ بخش ضرور ہیں اور ان میں بچوں کے واسطے آسانیاں اور سہولتیں بھی بہت کچھ پیدا کی گئی ہیں۔ انجمن ترقی اردو نے بھی ایک قاعدہ مرتب اور اپنی دانست میں اس نے بچوں کی ابتدائی تعلیمی مشکلات کو ختم کر دیا ہے لیکن باوجود کلید قاعدہ کے ابھی اسکے سمجھنے والوں کی تعداد ہندوستان میں بہت کم ہے کہ آئندہ کسی دور میں ان کی سعی مشکور و بار آور ہو۔ جب سجاد مرزا صاحب کے قاعدہ کو دیکھا جاتا ہے تو وہ بہت زیادہ مفید اور کارآمد معلوم ہوتا ہے اور امید ہے کہ جب یہ قاعدہ بچوں کو پڑھایا جائیگا اس سے ان کو بہت سہولت پیدا ہو جائیگی۔ کیونکہ بعض خصوصیات اس قاعدہ میں ایسی ہیں جس سے اسکی دلچسپی میں اضافہ ہو گیا ہے بہر حال یہ قاعدہ اور قاعدوں سے زیادہ سہل اور آسان ہے۔

یہ طرز جدید کا پہلا قاعدہ جس میں ممالک محروسہ کیلئے خصوصاً نظام کی اور علاقہ گلبرگہ کے لئے خاص جارج کی تصویر ہے ہمارے بک ڈپو سے بقیمت فی جلد (۴) مل سکتا ہے۔ مدارس اور تاجروں کو کمیشن دیا جاتا ہے۔

دی حیدرآباد بک ڈپو۔ چادرگھاٹ حیدرآباد دکن

جلد سوم
نمبر ۶

المعلم

ع

(۵)

ماہ بہمن سنہ ۱۳۳۶ ف

مدیر ..... محمد سجاد مرزا۔ ایم۔اے (کنٹب)

شریک مدیر ..... محمد عظمت اللہ خاں بی۔ اے

اعظم اسٹیم پریس چارمینا

حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہونگے۔ سیاسی یا مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائینگے۔

(۲) رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شایع ہوا کریگا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہونگے ان کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (۲) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائیگی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ پانچ آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائیگا۔

(۷) جوابطلب امور کے لئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہیئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہیگی۔

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔ رقم وصول ہونے پر اشتہار طبع کئے جائینگے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	۱	۸ر	۴ر
سہ بار	۲	۱۴	۸ر
ششماہ	۱۰	۸ر	۱۴
سالانہ	۱۸	۱۰	۸ر

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ موسومہ شریک مدیر پتہ ذیل پر ہونی چاہیئے۔

محمد عظمت اللہ خاں بی۔ اے۔ شریک مدیر

دفتر رسالہ المعلم بلگرامی ہوز سانچہ تومہ

حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مندرجات

المعلم

(۱) خطبہ جلسۂ اسناد جامعہ عثمانیہ	عالیجناب نواب صدر یار جنگ بہادر صدر الصدور مونہ ہبی سرکار عالی	(۱ تا ۱۱)
(۲) مدارس کے فرائض اور ذمہ داریاں	از مولوی محمد مرغوب الدین صاحب بی اے۔ بی۔ ٹی	(۱۲ تا ۲۲)
(۳) بچوں کی تعلیم نمبر ۲	از مولوی احمد حسین صاحب ندوائی بدگار سدر فوقانیہ انگریزی گلبرگہ	(۲۳ تا ۲۶)
(۴) علمی درس تدریس		
(۱) جغرافیہ	از مولوی محمد عبد الغفور صاحب بی اے۔ بی ٹی لکچرار عثمانیہ ٹریننگ کالج حیدرآباد	(۲۷ تا ۳۰)
(۲) قرض دار پودے	از سر جگ موہن لال بی اے بی۔ ٹی لکچرار عثمانیہ ٹریننگ کالج حیدرآباد	(۳۱ تا ۳۴)
(۵) عجائب حساب نمبر ۴	از مولوی نصیر احمد صاحب مدرگار پروفیسر عثمانیہ کالج حیدرآباد	(۳۵ تا ۳۸)
(۶) تبصرہ	نفسیات ترغیب شریک۔ دبیر	(۳۹ تا ۴۰)
(۷) شذرات		(۴۱ تا ۴۸)

جلد سوم | بابتہ ماہ بہمن سنہ ۱۳۳۶ف | نمبر (۶)

خطبہ

جلسہ اسناد جامعہ عثمانیہ

جامعۂ عثمانیہ کا دوسرا جلسہ اسناد ۳۰ ر دے سنہ ۱۳۳۶ف کو منعقد ہوا۔ مقام جلسہ ان ہال تھا جو ایک حسین اور دلکشا عمارت ہے۔

اس موقعہ عالیجناب مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنت بہادر بلحاظ عہدہ امیر جامعہ تھے دربارگاہ خسروی سے جیسا کہ خود خطبہ میں مذکور ہے عالیجناب نواب صدر یار جنگ بہادر صدر الصدور مونہ ہبی سرکار عالی

سے خطبہ دینے کا شرف عطا فرمایا گیا۔

نواب صدر یار جنگ بہادر کی ممتاز شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ نواب صاحب ممدوح صاحب علم اور علم دوست ہیں اور جامعہ عثمانیہ کی سرگرمیوں میں قابل قدر حصہ لیتے رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ کا پر مغز خطبہ دلچسپی سے پڑھا جائیگا۔

شریک مدیر

عالیجناب امیر جامعہ بہادر رفقائے جامعہ و معززین۔

ایک جامعہ کے جلسۂ اسناد میں خطبہ دینا ایک ایسا اعزاز ہے جس پر فخر کرنا بجا ہے مجھکو یہ شرف بارگاہ خسروی سے عطا فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا سب سے اول ملازمان اعلیحضرت سلطان العلوم محی الملۃ والدین خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ کی بارگاہ عالی میں تشکر و امتنان پیش کرتا ہوں۔

جس قدر یہ خطبہ عزت افزا ہے اسی قدر علمائے کرام کے مجمع میں لب کشائی دشوار اور داخل جسارت ہے۔ لغزشوں پر چشم پوشی کی توقع ایسی توقع ہے جس کو اخلاق گرامی یقیناً پورا فرمائیگا۔

حضرات! میرے لئے یہ یاد فخر آمیز مسرت ہے کہ اس جامعہ کے افتتاح کے وقت یکم ذیحجہ ۱۳۳۷ھ م ۲۸ اگسٹ ۱۹۱۹ء کو بہ حیثیت معین امیر جامعہ افتتاحی خطبہ پڑھنے کا شرف مجھی کو حاصل ہوا تھا۔ خطبۂ مذکور میں جو امیدیں کی گئی تھیں وہ الحمد للہ اعلیحضرت معظم کے ظل عاطفت میں اس سات برس کے قلیل عرصہ میں بہت کچھ پوری ہوئی ہیں اور نتائج حوصلہ افزا کہے جا سکتے ہیں۔

نتائج کے سلسلہ میں یہ امر پیش نگاہ رہنا بیجا نہ ہوگا کہ برخلاف ملک کی دوسری جامعات کے اس جامعہ کو ہر کام خود کرنا پڑا ہے۔ بڑا مسئلہ ایک ہندوستانی زبان کو (علوم و فنون کی کتابیں مہیا کر کے) ذریعہ تعلیم بنانا تھا۔ یہ مرحلہ ہمارے اساتذہ کی مساعی جمیلہ اور دارالترجمہ کی ان تھک کوششوں سے آسان ہوا۔ اپنی نوعیت خاص کے لحاظ سے خود ایسے اساتذہ کا انتخاب بھی کم دشوار نہ تھا جو اردو میں درس دے سکیں۔ گویا جس راستہ پر ہم چلے ہیں وہ راستہ ہمیں کو بنانا پڑا ہے۔ ایسی حالت میں ترقی کا بتدریج ہونا لازم تھا۔

جامعہ کا افتتاح کلیہ کی جماعت سال اوّل سے ہوا تھا۔ اب علیٰ جماعتوں تک شعبۂ علوم وفنون و دینیات اور قانون میں تعلیم جاری ہے۔ اس وقت امتحان بھی ہو چکے ہیں بیرون جامعہ بھی تین کلیے کھولے گئے ہیں جن میں سے ایک نسوانی ہے۔

اس موقع پر ایک غلط فہمی کا رفع کر دینا ضروری ہے۔ دینیات کا ذکر کرنے پر یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ یہ جامعہ کوئی مذہبی جامعہ ہے اور کسی خاص مذہب کے پیروؤں کے ساتھ مخصوص۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ جامعہ ایک عام علمی جامعہ ہے جس کے فیض بخش دروازے جملہ مذاہب واقوام کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ اس سلطنت مدید مدت کا شاہی مذہب اور اساسی قانون چونکہ حنفی مذہب ہے اس لئے صرف حنفی مذہب کی تعلیم کے لئے شعبۂ دینیات قائم کیا گیا ہے جو بجائے خود مستقل ہے اور اس میں داخل ہونا طالب علم کی مرضی پر موقوف ہے۔ شعبۂ علوم وفنون میں صرف حنفی طلباء کے لئے مذہبی تعلیم اسی لحاظ سے لازم ہے۔ دوسرے مذاہب کے طلبہ کے لئے اخلاقی تعلیم کا نصاب مقرر ہے اور لازم

ایک اور غلط فہمی اکثر ہمارے نصاب کی بابت کیجاتی ہے اور وہ یہ تصور کرنا ہے کہ یہ جامعہ صرف زبان اردو میں تعلیم دیتی ہے کسی مغربی زبان کی تعلیم کا اہتمام نہیں کرتی۔ اور اس سے یہ نتیجہ قدرتاً پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے طلبا کی معلومات کا دائرہ بہت تنگ ہوگا بیرون ممالک محروسہ وہ کار آمد نہ ہونگے۔ اور علوم کے جدید سرچشموں سے سیراب نہ ہو سکیں گے۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ جامعۂ عثمانیہ میں انگریزی زبان کی تعلیم ہر طالب علم کے لئے لازم ہے خواہ وہ شعبۂ علوم وفنون کا ہو یا شعبہ دینیات کا۔ اور انگریزی ادب کی تعلیم کا معیار وہی ہے جو ہندوستان کی دوسری جامعات کا ہے۔ مثلاً جامعہ کی اعلیٰ جماعت میں زبان انگریزی کی کتابیں جس معیار کی پڑھائی جاتی ہیں وہ دوسری جامعات کی اعلیٰ جماعت کے معیار سے بالکل مساوی ہیں۔

ہماری جامعہ کے دارالترجمہ نے جس خوبی اور کوشش سے کتابیں مہیا کی ہیں وہ ہر محب علم کی قدر کے لائق ہے۔ اگر دارالترجمہ اس مستعدی سے مدد نہ کرتا تو ترقی جامعہ کی یہ داستان

سامعہ نوازنہ ہوئی ہوتی۔ اب تک دارالترجمہ جو کتابیں ترجمے کے واسطے ہاتھ میں لے چکا ہے ان کی تعداد تین سو سے زیادہ ہے۔ ابتدا سے لیکر اہتمام ترجمے کے مدارج تک پہنچی ہوئی ہیں

ہندوستان کی متعدد جامعات نے اور انگلستان میں شمالی مجموعہ (لیڈس شیفیلڈ منچسٹر وغیرہ) کی جامعات نے اس جامعہ کو تسلیم کر لیا ہے۔ آکسفورڈ، کیمبرج اور لندن کی جامعات نے اس مراعات سے ہمارے طلباء کو داخل کیا ہے جو ہندوستان کی دوسری جامعات کے طالب علموں کے ساتھ ہے۔ گذشتہ سال لکھنؤ کی جامعہ کے خطبۂ اسناد میں جس پیرایہ میں ہماری جامعہ کا ذکر ہوا وہ دلی مسرت کا سبب ہو سکتا ہے۔ انڈین سول سروس کے امتحان میں یہاں کے شاگردوں کا داخلہ حکومت ہند نے منظور کر لیا ہے اور یہ سب کچھ اس حالت میں ہوا ہے کہ ابتک ہم نے حکومت ہند کے علاوہ کسی سے اپنے امتحانوں کے تسلیم کرنے کی درخواست نہیں کی ہے۔

ہنوز اساتذہ کی تعلیمی تالیقی کا سلسلہ ہمارے یہاں جاری نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک اساتذہ کی تعداد اتنی نہیں ہے کہ فرداً فرداً ہر طالب علم کی ترقی تعلیم پر توجہ فرما سکیں اور شخصی علمی کمزوری کو رفع۔ ترقی یافتہ ممالک میں اس کا خاص اہتمام ہے۔ مثلاً امریکہ کی ایک جامعہ میں ابتدائی جماعت کے ہر دس طالب علموں کے لئے ایک استاد ہے اور اعلیٰ تعلیم میں ہر پانچ کے لئے ایک۔

انسانی تعلیم کا مسئلہ ہمیشہ مہتم بالشان اور معرکۃ الآرا رہا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا برگزیدہ گروہ معلم ہی بنکر آیا تھا۔ اس قدسی گروہ نے بارگاہِ ربانی سے سیکھا ہوا علم مخلوق کو سکھایا۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "انما بعثت معلماً" میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں "ادبنی ربی فاحسن تادیبی" — میری تربیت میرے پروردگار نے فرمائی ہے۔ اس طرح میری تربیت افضل ہوئی ہے۔ اس سے نیچے طبقے میں بھی معلموں کا گروہ واجب الادب رہا ہے۔ مثلاً سقراط اور افلاطون۔ یہ نام تمام نوع انسانی میں ادب سے لئے جاتے ہیں۔ اس مادی طریق کے زمانہ میں جب کہ وسائل آمد و رفت کی آسانی نے ایک ملک کو دوسرے

ہے اور ایک قوم کو دوسری قوم کے مقابل و قریب کر دیا ہے، تمدن اور سیاسی مسائل کی طرح مسالہ تعلیم بھی بہت دقیق اور پیچیدہ ہو گیا ہے اور روز بروز ہوتا جاتا ہے۔ ہندوستان میں مزید پیچیدگی اور دشواری ذریعہ تعلیم کے سوال سے پیدا ہو گئی ہے۔ بیرونی زبان پر حاوی ہو کر علوم کی تکمیل اور ان اقوام کی ہمسری جو خود اپنی زبان میں علوم سیکھتی ہیں ہر عامہ انسانی دماغ کے دسترس سے باہر ہے۔ نصف صدی سے زیادہ زمانے سے یہ مسالہ زیر بحث ہے۔ جس وقت جامعہ کے وجود میں آنے تک اس کا قرار واقعی حل نہ ہوا تھا مشکلیں دو تھیں۔ اپنی زبان میں سرمایۂ علمی کی قلت، اور ایسی زبان میں تحصیل علم پر قانع ہو جانا، ان ممالک کی علمی فضا سے جدا ہو جانا تھا۔ جو علوم و فنون جدیدہ کے سرچشمے ہیں، اور نئے نئے علمی نکات کے موجد۔ ملکی زبان میں علم کا سرمایہ بہم پہنچانے کی بہت کوششیں ہوئیں مثلاً سرسید احمد خاں مرحوم نے آج سے ساٹھ برس پہلے علی گڑھ میں کوشش کی۔ مگر یہ تمام کوششیں دشواری کے حل کرنے کو کافی نہ تھیں اسکا حل ایک عزم شاہانہ چاہتا تھا جو اس دور ہمایون کے لئے محفوظ تھا۔ علمی سرچشموں سے سیرابی کا یہ سامان ہوا کہ زبان انگریزی کی (جو ایک سیر حاصل علمی زبان ہے) تعلیم لازم قرار پائی۔ کیا عجب ہے کہ خسروانی عزم ایک روز المانی اور فرانسیسی زبانوں کے تکمیل کا دروازہ بھی کشادہ فرما دے جس کے لئے شعبۂ فنون نے حال ہی میں تحریک کی ہے۔

یہ مشکلات تو وہ تھیں اور ہیں جو ہم اہل ہند بلکہ ہر محکوم ملک کے ساتھ مخصوص ہیں، باقی مشکلات ایسی ہیں جو آزاد اور محکوم دونوں قوموں سے تعلق رکھتی ہیں۔ سند یافتہ افراد کی کثرت ان کی بیکاری اور دولت کی گرم بازاری بعض ذہنوں میں یہ رجحان پیدا کر رہی ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کو فضول تسلیم کر لیں۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں ہو سکتا۔ اعلیٰ تعلیم کا مقصد قوت ذہنیہ کی ترقی، علم کی وسعت، اور نفس کی پاکیزگی ہے۔ اور ہر ملک جو زندہ ہونا یا رہنا چاہے ایسے افراد سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ جو یہ اوصاف رکھتے ہوں اس کے ساتھ ایسے افراد کے لئے ذریعہ معاش مہیا ہونا بھی ضروری ہے۔ اروپا کے اہل الرائے اس معاملہ میں مختلف خیال رکھتے ہیں۔ مثلاً ایک گروہ

کا خیال ہے کہ اعلیٰ تعلیم اور معاش ان دونوں میں کوئی تعلق نہیں۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم کو اتنا مشکل بنا دو کہ اوسط فہم کے انسانوں کی دسترس سے وہ باہر ہو جائے۔ تیسرے گروہ کے نزدیک اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ سب معاش کی تعلیم بھی ہونی چاہیئے یا مساب تعلیم ہی ایسا ہو کہ طالب علم تعلیم سے فارغ ہو کر کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کر سکے جس طرح اہل الرائے مختلف الخیال ہیں اسی طرح وہاں کی جامعات بھی مختلف العمل ہیں۔ قدیم جامعات کا رجحان خالص علمی ترقی کی جانب ہے۔ نئی جامعات جو بلدیوں اور انجمنہائے تجار کی قائم کردہ ہیں صنعتی و حرفتی پہلو کو غالب رکھتی ہیں۔ وہ وقت دور نہیں کہ جامعہ ہذا کے اہل حل و عقد کو بھی یہ مسئلہ طے فرمانا ہوگا یہ قابل تسلیم ہے کہ ملازمت اور قانون میں اعلیٰ سند یافتوں کی مانگ ہمیشہ رہیگی مگر وہ محدود ہے اس جامعہ میں فنون کی تعلیم پر اب بھی بہت سا سرمایہ صرف ہو رہا ہے۔ جدید طب اور ہندسی کی تعلیم کا انتظام ہوا ہے۔ صنعت و حرفت و زراعت کی کتابوں کے ترجمے کے واسطے گرانقدر عطیہ منظور ہو چکا ہے۔ پھر بھی ضرورت ہے کہ اُن وسائل و اسباب پر بھی غور ہو جو ملک کی پیداوار میں ترقی اور آمدنی کی بیشی کا باعث ہوں اور اس طرح بڑھتے ہوئے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کے لئے کام مہیا ہوتا رہے۔

تقسیم اسناد کے سلسلے میں اس سال جو نام سب سے اول پیش ہوگا وہ ایک ایسے نامور اعلیٰ عہدہ دار سرکار عالی کا ہے جو علمی خاندان کے فرد ہونے کے ساتھ ساتھ خود بھی فضیلت علمی سے آراستہ ہیں۔ باوجود سرکاری خدمات میں ہمہ تن مصروفیت کے مطالعہ اور خدمت علم سے کبھی بے پروا نہیں رہے۔ اور چونتیس برس سے سرکاری نہایت نازک اور اہم خدمات کو وفادارانہ ادا کر رہے ہیں میری مراد نواب سر امین جنگ بہادر سے ہے۔ جناب موصوف کو ایل ایل۔ ڈی کی ڈگری دیجائیگی مجھ کو امید ہے کہ یہ جلسہ اس اعزاز کو پسند کرکے دلی مبارکباد نواب صاحب کی خدمت میں پیش کریگا۔

حضرات یونیورسٹی کا ترجمہ "جامعہ" حال ہی میں ہوا ہے۔ یہ چھوٹا سا لفظ اس وسیع اور عظیم الشان مفہوم پر پوری طرح حاوی ہے جو ایک یونیورسٹی کا ہو سکتا ہے۔ ایک حقیقی جامعہ کے

وجود ہیں یا ان کے وجود کے دو پہلو ہیں۔ ایک ظاہری دوسرا باطنی و معنوی۔ شاندار عمارتیں وسیع کتاب خانے، بیش بہا معمل، اساتذہ اور طلبا کا گروہ وغیرہ وغیرہ عناصر ہیں جن سے ایک جامعہ کی ظاہری ہستی صورت پذیر ہوتی ہے۔ اس کی مثال انسان کا جسم ہے۔ ایک جامعہ اپنی تنظیم اور شان مکمل ہیئت پر اسی قدر اور اسی طرح ناز کر سکتی ہے جس قدر اور جس طرح ایک انسان اپنے تنومند اور سڈول جسم پر۔ دوسرا پہلو ایک جامعہ کے وجود کا باطنی اور معنوی ہے اور یہی حقیقی اور اصلی وجود ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح ایک انسان کی حقیقی ہستی اس کی روح ہے روح مردہ ہے تو جسم کی تنومندی اور شان بے معنی ہے۔ ایک جامعہ کا معنوی پہلو یا صاف الفاظ میں یہ کہنا چاہئے کہ اسکی حیات دو متفقہ اور مسلسل کوششوں کا نتیجہ و ثمرہ ہوتی ہے اور وہ متفقہ کوشش علما اور طلبا کی ہے۔ علما کی کوشش سے مراد ان کا علمی تبحر، عالمانہ زندگی، بلند پایہ اخلاق، درس و تدریس میں بے لاگ انہماک اور مصروفیت، استادانہ شفقت و کرم۔ حسن تربیت اور سب سے بڑھکر باہمی اعتماد اور تعاون ہے۔ طلبا کی کوشش کا مظہر ان کی سعادتمندی و مستعدی، شوق طلب، ذوق علم، ادب آموزی و سعادت اندوزی کی جانبازانہ کوشش، اپنی جامعہ کی ناموری و عزت کو مادام الحیات نصب العین اور حرز بازو بنانا ہے۔ اس دوگونہ کوشش و جانبازی سے وہ فضائے علمی پیدا ہوتی ہے جو ایک جامعہ کی روح رواں ہے اور جو اس کو زندہ رکھتی بلکہ زندہ جاوید بنا دیتی ہے۔ جہاں یہ فضا نہو وہاں خوشنما عمارتیں بڑے بڑے کتاب خانے وغیرہ وغیرہ اسی طرح بیکار ہونگے جس طرح ایک مردہ جسم اگرچہ خوبصورت و فربہ ہو۔ یا ایک مہمل لفظ ہر چند کہ خوش آواز اور خوشنما ہو۔ ظاہری نمود اور شان تک ہمتوں کا محدود ہو جانا علمی زندگی کے لئے سم قاتل ہے بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ علمی عظمت ظاہری اسباب کی محتاج بھی نہیں جیسے روح اپنی عظمت میں جسم کی محتاج نہیں۔ ایک چھوٹا سا کمرہ میرے نگاہ میں ہے جو ظاہری شان اور آرائش سے یکسر معرا تھا مگر اس کے فیض علم کے دریا کا پاٹ یمن سے بخارا تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کا فاضل مکین عربی فارسی اردو تین زبانوں کا استعمال فرماتا تھا تب مختلف ملک کے طلبا

کے ذہن فیضیاب ہوتے۔ ۔ وہ کمرہ علی گڑھ میں تھا اور اس کے صدر نشین مولانا لطف اللہ تھے۔ اب بھی جب کبھی میں اس مرکز علم سے ساحلوں عظمت علم کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ حقیقی درسگاہوں کے مٹ جانے کے بعد بھی صدیوں تک ان کے کھنڈروں سے علمی جبروت کی صدائے بازگشت سنی جاتی ہے۔ ٹیکسلا کے کھنڈر صدیوں تک زیر زمیں رہنے کے بعد اب نمودار ہوئے ہیں۔ ایک سیاح وہاں جاکر جلال علم سے متاثر ہو یا نہیں میرا دل اس شام کا دلاویز سماں کبھی نہیں بھول سکتا۔ جب میں بیدر میں خواجہ محمود گاوان کے مزار پر فاتحہ پڑھ رہا تھا اور دکن کے شہرۂ آفاق ویران مدرسہ کا ایک بلند منارہ دور فاصلہ پر جلالت علمی کی مجسم پیکر بنا ہوا میری آنکھوں کے سامنے تھا۔

ایک جامعہ کی مساعی جمیلہ کے مقصد کی اگر تحلیل کیجائے تو افراد انسانی کی تکمیل بقدر امکان بشری ہے۔ یعنی خام پیداوار طلبا کو ایسے عالم انسانوں کے قالب میں ڈھال دینا جو ایک طرف خالق کے فرمانبردار بندے اور دوسری طرف مخلوق کے شائستہ فرد ہوں۔ ایک انسان میں یہ دوگونہ وصف قوت ایمان اور دیگر قوائے ظاہری و باطنی کی ترقی و تربیت سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ یہی اوصاف اس کو زندگی کی مشکلات کا مرد میدان بنا دینگے۔ جس کارخانہ کی پیداوار اعلیٰ افراد انسانی ہوں اس کی ذمہ داری کی مشکلات میں مبالغہ نہیں ہو سکتا۔ یہ انسان ساز کل کامیابی سے اسی وقت چل سکتی ہے جبکہ اس کے تمام پرزے باقاعدہ چلنے والے ایک دوسرے کو وفاداری سے مدد دینے والے ہوں۔ اگر پرزوں کی رفتار بے قاعدہ ہو ایک دوسرے سے رگڑ کر قوت کو ضائع کریں تو پیداوار بھی ناکارہ و خام رہیگی۔

اس سلسلہ میں ایک اور امر بھی لائق لحاظ ہے۔ جن لوگوں نے ہندوستان کی قدیم و جدید دونوں تعلیموں کا تجربہ کیا ہے اور خوش قسمتی سے قدیم استادوں کی شفقت کا شرف اُن کو حاصل ہوا ہے وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ ہندوستان کی جدید تعلیم اس شفقت و سعادت کے تعلق سے بہت کچھ عاری ہے جو قدیم استاد و شاگرد کے درمیان ہوتا تھا۔ اس تعلق کی تاثیر سے شاگرد کے ذہن میں استاد کے فیض کا نقش راسخ ہو جاتا تھا اور دل میں علمی

شیفتگی جاگزیر ہو جاتی تھی۔ وہ استاد ایسے یا فاعدہ، مانند نابلد تھے جیسے آج ہیں۔ مگر یہ قوت ان کو حاصل تھی کہ شاگرد کے دل میں علم کی لگن لگا دیتے تھے۔ جو افسوس ہے کہ آج نایاب ہے۔

میرے عزیز طیلسانین۔ چند لفظ خصوصاً آپ کو بھی مخاطب کر کے پیش کرتے ہیں۔ یہ نصیحت نہیں ہے۔ ناصح بننا مشکلات کا دروازہ کھولنا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ آپ کی خیر خواہی اس موقع پر چند باتیں کہنے پر آمادہ کرتی ہے۔ آپ کی سعادتمندی سے امید ہے کہ دل لگا کر سنینگے۔ آپ تحصیل سے فارغ ہو کر جامعہ کو خیر باد کہہ رہے ہیں اور مادر علم کی آغوش شفقت سے عنقریب جدا ہو کر میدان عمل میں اپنے بل پر کھڑے ہونے والے ہیں جس کا دوسرا نام زندگی کی کشمکش میں در آنا ہے۔ اس کشمکش میں آپ کا طرز عمل ثابت کریگا کہ آپ حصول تعلیم میں کہاں تک کامیاب ہوئے اور اس جامعہ کی تربیت نے کتنا گہرا اثر آپ کے دل و دماغ پر کیا۔ آئندہ زندگی کا میدان آپ کی نگاہوں میں امید کا ایسا دلکش سبزہ زار ہے جس میں کامیابی کی راحت لہرا رہی ہے اور فتح و فیروزی کی بشارت سامعہ نواز ہے۔ اس دل خوش کن خیال میں خلل انداز ہونا سنگدلی ہو سکتا ہے۔ مگر فرض خیر خواہی مجبور کرتا ہے کہ میں آپ سے کہوں کہ اس سبزہ زار میں کانٹے بھی ہیں، نشیب و فراز بھی۔ اسی طرح ٹھوکریں کھانے اور پاؤں زخمی ہونے کا سامان بھی تیار ہے۔ آپ کو احتیاط سے چلنا اور پھونک پھونک قدم رکھنا ہوگا۔ مشکلات پر غالب آنے کی سعی کرنی ہوگی۔ کامیابی کے دو طریقے آپ کے سامنے ہونگے۔ ایک مردانہ اور فاتحانہ ہے۔ دوسرا بزدلانا اور غلامانہ۔ ان دونوں طریقوں میں سے ایک کا انتخاب ثابت کردیگا کہ آپ جامعہ سے کیا لیکر نکلے۔ مردانہ طریقہ صداقت، ہمت اور عزت نفس میں پوشیدہ ہے اس طریقہ سے مشکلات پر غالب آکر آپ کا دل وہ مسرت محسوس کریگا جو ایک فاتح کا دل محسوس کرتا ہے اس مسرت سے آپ کا دل بڑھیگا اور ہمت کی صدا "شاباش بیٹے" آپ کے ضمیر کے کان سنتے رہیں گے۔ یہ صدا آپ کے کاروان سعی کی بانگ درا ہوگی جو شریفانہ صفات آپ جامعہ سے لیکر نکلے تھے وہ اس طرح پرورش پاتے اور ترقی کرتے رہینگے اور ان کا سایہ

دنیا و آخرت میں آپ کے لئے وحی راحت کا سامان بنیگا اور یہ بھی سُن لو کہ جب آپ کے ان کامیابیوں کی خبریں آپ کی مادر مشفقہ جامعہ سنیگی اُس کے گھر میں عید ہوگی اور لکھی کے چراغوں کی روشنی۔ وہ نور آئندہ نسلِ طلبا کے لئے چراغِ ہدایت بنیگا۔ مبارک زندگی اس کو کہتے ہیں۔

وہ مراطریقہ حصول مدعا کا بزدلانہ میں نے بتایا ہے اس طریقے کے گندے عناصر خوشامد دھوکا اور پستہمتی ہیں ان کے ذریعہ سے مقصد اعلیٰ تو حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ ادنیٰ فوائد البتہ حاصل ہوجاتے ہیں۔ اس طریقے سے حصول مقصد کے بعد ضمیر ندامت محسوس کرتا رہتا ہے جو ایک چور چوری کے بعد کرتا ہے۔ اس روش سے وہ شریفانہ خصال جو ثمرۂ تعلیم و تربیت ہیں رفتہ رفتہ پژمردہ ہو کر فنا ہوجاتے ہیں اور یہ پڑھے لکھے آدمی پھر جاہلوں کے طبقہ میں جا ملتے ہیں یہاں تک میری التماس کا تعلق آپ کے تربیتی پہلو سے تھا۔ دوسرا پہلو آپ کی زندگی کا علمی ہے اس جامعہ میں رہکر جو شرف علمی آپ نے حاصل کیا ہے وہ وہ شرف ہے جس کی بدولت انسان انسان بنا بلکہ فرشتوں کا مسجود۔ اس شرف کی حفاظت اسی طرح آپ پر فرض ہے جس طرح یہاں کے حاصل کردہ اخلاقی خصائل کی۔ یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ جامعہ کا نصاب ختم کر کے آپ شہر علم میں داخل ہوئے ہیں۔ جامعہ سے جدا ہو کر علمی ترقی اور مطالعہ کا اہتمام آپ کا رفیق زندگی رہے۔ ایک عالم سے پوچھا گیا کہ مطالعہ کی انتہا کیا ہے۔ کہا جب تک زندگی مہربان رہے۔ مادامت الحیوٰۃ تحسن بہ۔ امام ادب ثعلب چلتے چلتے سرراہ کتاب دیکھتے جاتے تھے کسی سواری کے دھکے سے گرے اور اس صدمے سے جاں بحق ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۹۶ برس کی تھی۔ ان دو مثالوں سے آپ کو سرحد مطالعہ کی دوری کا تصور ہو سکیگا۔

کلیوں کی دیواروں پر پرانے طلبا کے ناموں کی فہرستیں جلی حروف میں لکھی ہوئی آویزاں رہتی ہیں۔ ان فہرستوں میں ان طلبا کے نام ہوتے ہیں جو جامعہ کی چار دیواری میں کسی نہ کسی حیثیت سے نامور رہے۔ کلیہ سے باہر جا کر بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو گمنام ہوجاتے ہیں ان کے نام پڑھکر مفقود التجر عزیزوں کی گمشدگی کا سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے بعض ایسے ہوتے ہیں جو اعلیٰ مدارج

پر فائز ہوئے اُن کے نام پڑھنے سے دل میں ایک فخریہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ کلیہ کے در و دیوار بھی اس فخر میں شریک ہیں بعض ایسے نام ہوتے ہیں جو بعد کی زندگی میں بدنام ہوئے اُنکو دیکھکر دل میں خجالت پیدا ہوتی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ درسگاہ کے در و دیوار بھی اظہار ندامت کر رہے ہیں

خدا کرے آپ صداقت ہمت خود داری کے سلیمیں کامیابی کا سہرا حاصل کریں بسم اللہ زندگی کے میدان میں قدم رکھئے۔ مادر علمی کا پیام ہے ع دیدۂ سعدی دل ہمراہ تست۔

اے وہ نونہالان جامعہ جن کو ابھی یہاں رہنا ہے خوبی قسمت نے آپ کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے جو انسان بننے کا مقام ہے۔ آپ کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ یہاں کے فیض سے پورا نفع اٹھائیں علم کے جواہرات سے دل و دماغ منور و پُرنور ہو تربیت عمدہ اخلاق کو طبیعت ثانیہ بنا دے۔ یہ ممکن نہیں جب تک کہ آپ خود اپنی تعلیم میں اپنے استادوں کا ہاتھ نہ بٹائیں۔ اُستاد علم کی صدا آپ کے پردۂ گوش تک پہنچا سکتا ہے وہاں سے دل تک لیجانا اور دل میں محفوظ رکھنا یہ آپ کا کام ہے اس طرح آپ کا کام بھی آسان نہیں سستی اور ایام گزاری طالب علمانہ زندگی کے لئے سم قاتل ہے۔ ہمت کی بلندی ہی سے منزل طے ہوتی ہے۔ حکیم فارابی کو طالب علمی کے زمانے میں چراغ جلانے کی مقدرت نہ تھی۔ البتہ شوق چراغ ہدایت تھا۔ پاسبانوں کی قندیلوں سے مطالعہ کرتا۔ اسی ہمت کی بلندی نے اس کو معلم ثانی یا دوسرا ارسطو بنا دیا۔ جب تم بحر علم کے کنارہ پر کھڑے ہو تو گھونگوں اور صدف پاروں کے جمع کرنے پر قانع مت ہو سمندر میں کود دو۔ غوطے لگاؤ گہرے جاؤ دُرِ شہوار نکالو اُن کی روشنی نہ صرف تم کو بلکہ تمہاری جامعہ کے در و دیوار کو بھی روشن و تاباں بنا دیگی۔

میں شکر گزار ہوں کہ آپ اصحاب نے یہ تقریر صبر و سکون کے ساتھ سُنی۔ اب میں دعا پر ختم کلام کرتا ہوں۔ رب علیم! ہمارے ولی نعمت کو سالہائے دراز تک باجاہ و اقبال زندہ و سلامت رکھ۔ اور زیر سایہ ہمایہ اس جامعہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی نصیب فرما۔ آمین۔

مدرسین کے فرائض اور ذمہ داریاں

مجھ سے یہ خواہش کی گئی ہے کہ اس موقع پر آپ صاحبین کے روبرو مدرسین کے فرائض اور ذمہ داریاں بیان کروں۔ یہ مضمون جتنا آسان معلوم ہوتا ہے اسی قدر در اصل اہم اور وسیع ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج ہم اس بات کو محسوس کرنے لگے ہیں کہ معلمی کے بھی کچھ فرائض اور ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ ورنہ یہ بیچارہ ابتک کسر پرسی کی حالت میں تھا سمجھا جاتا تھا اور ابتک بھی شاید بعض لوگ سمجھتے ہوں کہ معلمی ایک آسان کام ہے۔ اور اس کے لئے ہر وہ شخص موزوں ہو سکتا ہے جس نے تھوڑی سی بھی تعلیم حاصل کرلی ہو۔ اسی خیال کے باعث عام طور پر معلموں کا پیشہ نہایت کم وقعتی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے یہ ایک نہایت افسوسناک امر ہے۔ لیکن آج ہم یہ بتائینگے کہ حقیقی معلم بننے کے لئے کسی فرد میں کیا کیا خصوصیات ہونی چاہئیں اور معلم بن جانے کے بعد متعلم کی نسبت اس پر کیا کیا ذمہ داریاں اور فرائض عائد ہوتے ہیں۔

یاد رکھئے کہ ہر شُد بُد جاننے والا معلم نہیں بن سکتا۔ کیونکہ اسکو ننھے ننھے بچوں کے غیر تربیت یافتہ دماغوں کو اس طرح سدھانا پڑتا ہے کہ وہ نئی نئی باتیں سیکھتے جائیں اور اسی کے ساتھ ان کے ذہنی قویٰ کی نشو و نما ہوتی رہے۔ اس کام کے لئے ضرورت ہے کہ مدرس میں یہ جوہر موجود ہو کہ وہ ہر مطلب اور ہر بات کو حسب موقع اول بدل کر نہایت وضاحت اور سادگی کے ساتھ طلبہ کے سامنے پیش کر سکے۔ یہ ملکہ مدرس میں اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا کہ اس میں قوت اظہار اعلیٰ درجہ کی نہ پائی جائے اور اس کا پیدا ہونا زبان اور فن پر پورے طور سے حاوی ہونے پر منحصر ہے۔ غرض کہ جب تک مدرس کا مواد سواد اچھا خاصہ نہ ہوگا تحریر اور تقریر کی استادانہ مشق نہ ہوگی وہ اپنے دوسرے فرض کو کماحقہٗ انجام نہیں دے سکتا۔ اگر ہم اپنی تعلیم کو بچوں کے لئے واقعی مفید بنانا اور اسکو جلد سے جلد اور نہایت سہولت کے ساتھ علم سے بہرہ اندوز کرنا

چاہتے ہوں تو لازم ہوگا کہ تحریر و تقریر اور اولئے مطالبہ کے مختلف انداز میں مہارت تامہ حاصل کریں۔ اپنے ذخیرۂ معلومات کو متواتر مطالعہ کے ذریعہ سیع کرتے جائیں۔ بچوں کی تعلیمی ضروریات پر غور کریں اور اس بات کی کھوج اور تلاش میں رہیں کہ وہ کونسے طریق اور انداز تعلیم ہوں گے جس کے ذریعہ کم از کم وقت میں زیادہ سے زیادہ باتیں سمجھائی جائیں اور اس طرح سمجھائی جائیں کہ بچوں کے ذہنوں پر پتھر کی لکیر ہوں۔

ان باتوں کی تلاش کچھ تو مدرس اپنے تجربہ سے کرسکتا ہے لیکن مبتدی کے لئے یہ ایک ٹیڑھا اور پیچدار راستہ ہوگا۔ اس کے لئے آسان تر راہ یہ ہوگی کہ فن تعلیم کی کتابوں کی طرف رجوع کرے اور حتی الامکان اس کے بتائے ہوئے مفید طریقوں کو عملی جامہ پہنا کر دیکھے کہ کس طرح مفید نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اس کام میں محنت و کاوش کرنی پڑیگی۔ با اصول تعلیم کے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ مدرس قبل از قبل سبق کا مطالعہ کرے اور ان تمام سوالات فقروں اور ترتیب سبق کو ذہن میں جمالے۔ جس کے مطابق وہ طلبہ کے سامنے سبق پیش کریگا جب ہم بچوں کو تعلیم دینے کے مدعی ہیں اور خواہش کرتے ہیں کہ وہ ہماری تعلیم سے خاطر خواہ مستفید ہوں تو ہمیں محنت کرنی ہوگی اور ضرور محنت کرنی ہوگی۔ اگر محنت سے تنفر ہے تو ہمیں تعلیم سے بھی دست بردار ہو جانا چاہئے ورنہ ناقص اور ادھوری تعلیم بچوں کے دماغوں کو بھی ہمیشہ کیلئے ناقص اور ادھورا بنا چھوڑیگی۔ اور ان کی آئندہ زندگی کی خامی اور اعلیٰ ذہنی ترقی سے محرومی کے بانی سبانی ہم ہی لوگ گردانے جائینگے تو کیا ہم یہ گوارا کرینگے کہ ہماری نسلیں ہماری لاپروائی اور آرام طلبی کی بدولت ناقص اور ادھوری رہکر قومی انحطاط اور ضعف کا باعث ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص اس عظیم الشان قومی نقصان اور خسارہ کو روا نہ رکھیگا بلکہ اپنی اس ذمہ داری کا پورا احساس کرتے ہوئے بلحاظ قابلیت اور فن تعلیم سے واقفیت اپنے اپنے آپ کو مسلح کریگا

تعلیم کو بچوں کے حق میں سود مند اور مناسب حال بنانے کے واسطے نفسیات طفولیت

کا جاننا بھی ضروری ہے۔ مدرس یہ جانتا ہوا عمر کی ترقی کے ساتھ ساتھ بچوں کی ذہنی نشوونما کسطرح ہوتی ہے۔ ان کے احساس، ادراک، توجہ، حافظہ، تخیل، تصور، فیصلہ اور استدلال کی قوتیں ہر عمر میں کس نوع کی ہوتی ہیں۔ نیز بچوں کی ذہنی خصوصیات دلچسپیوں اور طبعی میلانات کا کیا رنگ ہوتا ہے اور ان میں کیا کیا اخلاقی حرکات پائے جاتے ہیں اگر ہم اس حقیقت کو جان لینگے کہ چھوٹے بچے جو کچھ علم حاصل کر سکتے ہیں ان کا بڑا ذریعہ دیکھنا بھالنا چھونا اور چکھنا ہوتا ہے تو ہم بھی انہیں معلومات دلانے کے لئے حتی الامکان اصلی اشیاء تصاویر اور نمونوں سے کام لیں گے۔ یعنی یہ چیزیں طلبہ کے سامنے پیش کر کے انہیں موقع دینگے کہ وہ اپنے حواس سے کام لیں اور ان کے خواص اور حالات سے واقف ہوں جس معلم کو یہ نفسی گر معلوم نہ ہو ممکن ہے کہ وہ نرے بیانات کے ذریعہ چھوٹے بچوں کی تفہیم کرنی چاہے جو تقریباً بے سود ثابت ہوگی۔ مدرس کو یہ بھی جاننا چاہیئے کہ بچوں کی توجہ دیرپا نہیں ہوتی ان کے لئے اسباق کی مدت تعلیم بہت مختصر ہونی چاہیئے اور پڑھانے کے ڈھنگ بھی ہر وقت بدلتے رہیں۔ اسی قسم کے بیسیوں باتیں ہیں جس کے جاننے کے لئے نفسیات کا جاننا بیحد ضروری ہے تاکہ مدرس بچوں کی دلی اور اخلاقی تربیت خوش اسلوب اور مفید ترین طریق پر کر سکے۔ اگر مدرس ہر وقت بچوں کے افعال اور حرکات اور ذہنی اعمال کا اس نقطۂ نگاہ سے مطالعہ کرتا رہے تو ذاتی تجربہ ہی کی بناء پر اسکو بچوں کے اہم اہم طبعی خواص اور ذہنی حالات سے آگاہی ہو جائیگی لیکن تفصیلی اور مستند معلومات کے لئے فنی کتابیں پڑھنی ہونگی۔

میرے پچھلے بیان سے واضح ہو چکا ہوگا کہ مدرسین میں حسب ذیل اوصاف پائے جانے چاہئیں۔

(۱) علم کا کافی ذخیرہ اور اس پر عبور۔

(۲) تعلیم اور اظہار خیال کا طبعی سلیقہ اور لیاقت۔

(۳) مقصد تعلیم سے آگہی۔

(۴) بچوں کے ذہنی حالات سے واقفیت۔

(۵) درس کے ان تمام اصول و طریق کا علم جنہیں ماہرین فن نے وضع کیا ہے۔

صرف ان ہی پر مدرسین کے فرائض ختم نہیں ہو جاتے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ صاحبین اسی سے گھبرا اٹھے ہونگے کہ مدرسی تو فولاد کے چنے ہیں۔ اس میں کس قدر معلومات اور قابلیت درکار ہے۔ لیکن حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ مدرسین کو چاہیئے کہ اپنے پیشہ کی اہمیت اور نزاکت کا احساس کرتے ہوئے خود کو اس کا اہل بنانے پر کمربستہ ہو جائیں۔ دراصل ہم اس وقت تک اس کام کو آسان سمجھتے رہے اور اس ضمن میں ہمیں سہل انگاری کی عادت پڑ گئی اس وقت جب ہمیں کہا جاتا ہے کہ تمہارا کام اس قدر جلیل القدر ہے کہ اس میں بڑی محنت اور عقلمندی صرف کرنی پڑیگی تو ہم چونک پڑتے ہیں اور خیال کرنے لگتے ہیں کہ اس عظیم الشان کام کو ہم کس طرح نبٹا سکینگے۔ مگر صاف بات ہے کہ

ع جن کے رتبے ہیں سوا انکو سوا مشکل ہے۔

تو کیا آپ اس بلند پایہ کام کے انجام دینے سے محض اس لئے ہمت ہار بیٹھینگے کہ اس دشواریوں کا سامنا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی عالی نظر اور بلند خیال شخص اس منصب جلیلہ کو انجام دینے سے پیچھے نہ ہٹے گا۔ آپ سنتے آئے ہیں اور ایک حقیقت ہے کہ تعلیم دینا نہایت مقدس اور اعلیٰ فریضہ ہے اور تبلیغ مذہب کے بعد اس سے بڑھکر اہم اور کوئی کام نہیں ہو سکتا۔

ہمت بلند دار

اس پیشہ کی تقدیس اور بڑھائی صرف اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس میں بہت کچھ علمیت لیاقت اور محنت صرف کرنی پڑتی ہے بلکہ اس کا اصلی سبب مدرس کی وہ ذمہ داریاں اور فرائض ہیں جو بچے کو ایک کامل القویٰ صحیح الدماغ اور خوش اخلاق انسان اور مفید شہری بنانیکی نسبت اس پر عائد ہوتے ہیں۔

جو مدرس سمجھتا ہے کہ میرا کام درس دینا ہے اور بس وہ سخت غلطی پر ہے۔ ماں باپ کے

بعد اگر کوئی شخص بچے کی ذہنی اخلاقی اور جسمانی داشت و پرداخت اور نشوونما کا کفیل بن سکتا ہے تو وہ استاد کی ذات ہے۔ کھلی بات ہے کہ وہ اس وقت تک عام کو اچھی طرح حاصل نہیں کر سکتا جو خود تر و تازہ اور چاق و چوبند نہ ہو اور اس کی تازگی جسمانی صحت پر منحصر ہے۔ جسمانی صحت اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتی کہ ہوا غذا روشنی آرام اور نیند کافی اور مناسب مقدار میں میسر نہ آئے مدرس کا فرض ہے کہ وہ والدین کو اس امر سے مطلع کرے کہ وہ بچے کی تعلیمی بھلائی چاہتے ہیں اور اس کی ترقی کے خواہشمند ہیں تو انہیں وہ تمام ضروری آسانیاں اور سامان مہیا کرنے ہونگے جو بچوں کی جسمانی صحت کے لئے بیحد ضروری ہیں۔ درسی اوقات میں بھی یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ تعلیم کے ساتھ تفریح اور کھیل کا کافی حصہ شریک رہے اور ایسے وقفوں کے ساتھ تعلیم دی جائے کہ بچوں کے دماغ تھکنے نہ پائیں۔ اسی اصول کے مدنظر امریکہ میں صغیر جماعتوں کا تعلیمی گھنٹہ پندرہ منٹ کا ہوا کرتا ہے اور اس سے اونچی جماعتوں میں بتدریج بیس اور تیس منٹ کا۔ ان روشن خیال ممالک کے مدرسوں میں روشنی ہوا اور آرام دہ نشستوں کا بھی پورا پورا انتظام کیا جاتا ہے اور بعض ممالک میں کم استطاعت طلبا کے لئے غذا بھی سرکاری طور پر مہیا کی جاتی ہے اور یہ ایسے اوقات اور مقدار اور خاصیت کی دیجاتی ہے کہ طلبہ کی صحت بنی رہے۔ غذا، ہوا اور روشنی کا سوال بچوں کی جسمانی نشوونما کے لئے سخت اہمیت رکھتا ہے اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ پرتکلف غذائیں درکار ہیں عالیشان جمنازیوں کی ضرورت ہے اور برقی روشنی کی احتیاج۔ غذا کے متعلق صرف یہ بات مدنظر رکھنی کافی ہوگی کہ کیمیائی اعتبار سے غذا میں وہ تمام اجزا پائے جائیں جو بدن کی نشوونما کے لئے ضروری ہیں اور یہ مناسب مقداروں میں مناسب اوقات پر طلبہ کو ملتی رہے کم مقدور والدین بھی تھوڑی سی احتیاط اور معلومات کے حاصل ہونے پر اس قسم کا انتظام کر سکتے ہیں۔

جماعتوں میں بعض دفعہ ایسے طلبہ پائے جاتے ہیں جن کی عام صحت بہت کمزور ہوتی رہتی ہے اور اسی سبب تعلیم میں بھی وہ بہت کمزور اور سست ہوتے ہیں مدرس کو چاہیے کہ ایسے طالب علموں کو ٹٹولتا رہے اور ان کی کمزوری اور کند ذہنی کے اسباب دریافت کرنے کی ٹوہ میں لگا رہے۔

بعض بیماریاں بچوں کی عام صحت کو بہت جلد کمزور کر دیتی ہیں۔ حالانکہ اس کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوتی
ان میں سے ایک ناک کی رسولی ہے جس سے طالب علم کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتا لیکن ہوا کے گزرنے کے
لئے یہ رسولی ضروری ہے پھیپھڑے میں پہنچنے نہیں پاتی باقی
اعضا کے جسم اور دماغ دن بدن کمزور ہوتا جاتا ہے۔ مدرس کو یا تو اس قسم کی چند بیماریوں کے
متعلق جو ابتدائی معلومات حاصل کر لینے چاہئیں یا کہ اس طرح کے لڑکوں کے متعلق ان کے
والدین کو آگاہ کر دیا جائے تاکہ وہ علاج کی طرف مائل ہوں۔ یا خود مدرس ڈاکٹر کے مشورہ سے
ان لڑکوں کی صحت کی اصلاح کرے۔ غرضکہ ہر لڑکے کی صحت کی دیکھ بھال اور اس کے امراض
کے دفعیہ کا خیال ہر وقت مدرس کا دامنگیر ہو۔ ترقی یافتہ ممالک میں ڈاکٹروں کا یہ بھی
ایک فریضہ ہوتا ہے کہ وقتاً فوقتاً بچوں کا طبی معائنہ کریں اور یہ مدرسین کی ڈیوٹی ہے کہ
طبیبوں کو ان کے فرائض کا پابند کرائیں اور بچوں کی صحتی حالت کی رپورٹ والدین اور
اولیاء کے پاس بھیجتے رہیں ع بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔

یہ تمام کام مدرس اسی وقت انجام دے سکتا ہے کہ اس کے دل میں بنی نوع انسان کی سچی
ہمدردی جاگزیں ہو۔ بچوں کو تعلیم دینے کے لئے اور تمام اوصاف کے سوا ہمدردانہ برتاؤ
اور سلوک کی سخت ضرورت ہے اگر یہ صفت مدرس میں نہ پائی جائے تو وہ جماعت میں سے
صرف چند ہشیار اور ذہین لڑکوں کا ساتھی اور رہنما بن جاتا ہے اور باقی لڑکے اس کی لاپروائی
اور بے رخی کا شکار ہو کر بالکل پست حوصلہ اور بد دل ہو جاتے ہیں۔ مدرس کو چاہیئے کہ کند ذہن سے
کند ذہن اور بد شوق لڑکے سے بھی غافل نہ ہو۔ خاص کر یہی طلبہ ہوتے ہیں جنہیں ترغیب تشویق
حوصلہ افزائی اور رہنمائی کی ضرورت ہے اور انہیں کی خفتہ ذہنی قوتوں کو جگانا اور انکی زندگی
کو کارآمد بنا چھوڑنا فن مدرسی کا سب سے بڑا کرشمہ ہے بعض لڑکے بظاہر تیز و طرار نہیں ہوتے
مگر آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہیں۔ ان کی ان میں بہت کچھ صلاحیت ہوتی ہے۔ چنانچہ تاریخ میں اس
کی کئی ایک مثالیں ملتی ہیں۔ کارلائل اسکاٹ اور بہت سے مشاہیر دنیا میں ایسے ہو چکے

ہیں جو مدرسہ میں ہمیشہ کند ذہن کہلایا کئے۔ انھوں نے امتحانوں میں کبھی نمایاں کامیابی حاصل نہیں کی۔ غرضکہ ہر ایک لڑکا کسی نہ کسی [illegible] کے سیکھنے کی [illegible] یت اور شوق رکھتا ہے مدرس کو لازم ہے کہ وہ ہر ایک کے طبعی میلان [illegible] پہچانے کو معلوم کرے اور اس کی خاص فوق کو بہ نسبت اور چیزوں کے زیادہ ترقی دینے میں ساعی ہو۔ جب اس طرح کا دلچسپ مشغلہ مدرسہ ہی میں لڑکے کے ہاتھ آجائیگا تو علاوہ اس خاص کام کے مدرسہ کے عام تعلیم سے بھی اسے کچھ نہ کچھ دلچسپی پیدا ہو جائیگی۔ شریر النفس اور آزاد منش لڑکے بھی ہمدردانہ سلوک اور حکمت عملی کے ذریعہ راہ راست پر لائے جا سکتے ہیں۔ شاید ہی فی صد سات طالب علم ایسے ہوتے ہیں جن میں معمول علم کی اعلیٰ قوتیں مفقود ہوں۔ ترقی یافتہ ممالک میں ان کی تعلیم کے لئے بالکل جداگانہ مدارس جاری ہیں جنمیں خاص خاص اصول کے تحت انہیں معمولی سا پڑھنا سکھا دیا جاتا ہے۔

ہم اکثر مدرسین میں یہ ایک مہلک عادت پاتے ہیں کہ جوں ہی وہ کسی لڑکے کو جلد جلد ترقی کرتا نہیں پاتے یا تعلیم سے کسیقدر متنفر دیکھتے ہیں۔ بڑے ہی تند و مدار تکرار کے ساتھ کہنے لگتے ہیں "تم بالکل احمق ہو، بالکل احمق ہو، عمر بھر تمہیں ایک حرف بھی لکھنا پڑھنا نہیں آئیگا" جب مدرس بار بار اس تیقن کا اظہار طالب علم کے سامنے کرتا ہے تو وہ بھی ہار مان کر تعلیمی جدوجہد سے بالکل کنارہ کش ہو جاتا ہے اور ہمیشہ کے لئے طالب علم کی زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔ مدرسین کو اس طرز عمل سے احتراز کرنا چاہیئے۔

مدرسین کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ تمام طلبہ کے خانگی حالات سے واقف رہیں یہ اس لئے کہ ایسے ناموافق خانگی حالات جو بچہ کی تعلیم میں مانع ہو رہے ہوں دور کئے جا سکیں بعض لڑکوں کے متعلق دیکھا جاتا ہے کہ وہ جماعت میں سبقوں سے بے توجہ ہو کر ایک خود ساختہ خیالی دنیا میں مشغول رہتے ہیں۔ اس کی وجہ بچوں کے ساتھ والدین یا کسی اور کا حوصلہ شکن اور بیجا برتاؤ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک لڑکا اپنے والدین سے کتابیں خریدنے کہتا ہے۔ والدین بیجا فرمائش کی تعمیل میں بیجا تاخیر اور ناعاقبت اندیشانہ تساہل سے کام لیتے ہیں۔ لڑکا جماعت میں

آتا ہے تو مدرس کی جھڑکیاں کھاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ دوسرے ہمدرس نئی کتابیں لے سبق پڑھ رہے ہیں وہ اپنی [illegible] اور والدہ آتے اس طالبانہ سلوک پر غور کرنے میں محو ہو جاتا ہے اور جس [illegible] سے محروم۔ ایسے [illegible] کے انسداد کے طریقے اختیار کرنا مدرسین کے ذمہ ہے علاوہ اس کے ہر مدرس لڑکوں کی غیر حاضری، وقات مدرسہ کی عدم پابندی اسباق کی عدم [illegible] اری کے حقیقی وجوہات دریافت کرتا رہے۔ اس کے ذمہ دار والدین یا اولیاء ہی ہو سکتے ہیں۔ لہذا مدرس کا ایک اور فریضہ یہ ہوگا کہ وہ بچوں کے والدین سے ملاقات کرتا رہے یا مراسلت کے ذریعہ یہ امور طے کئے جائیں غرضکہ لڑکوں کی تعلیمی سہولت اور اخلاقی اصلاح کے لئے مدرس اور والدین کا اتحاد عمل نہایت ضروری ہے اور اس کو قائم کرنے کے کئی ایک طریقے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً طالب علم کے شریک کے وقت والدین سے مشورہ اور گفتگو۔ طالب علم کی تعلیمی اور اخلاقی حالت کی اطلاع وقت بوقت والدین کو دیتے رہنا اور مدرسہ میں تقسیم انعامات کے مواقع پر طلبہ کے والدین کو مدعو کرنا اور مدرسہ کی کارگزاری پیش کرتے ہوئے طلبہ کی تعلیمی بہبود کے لئے مشورتی مجلس قرار دینا۔

اگرچہ مدرسہ میں گھر کی نسبت اخلاقی تعلیم کا موقع بہت کم ملتا ہے۔ پھر بھی جو کچھ مواقع اخلاقی تعمیر کے مدرس کو ملتے رہتے ہیں ان سے وہ ہرگز نہ چوکے۔ بچوں پر سب سے پہلا اثر مدرس کی ذات کا پڑتا ہے وہ اس کے نمونہ کی تقلید کرتا ہے۔ لہذا مدرس کو ہمیشہ اخلاق کا ایک کامل نمونہ پیش کرنا ضروری ہے جس سے بچے نامعلوم طور پر خود بخود متاثر ہو جائیں جب مدرسہ میں اس قسم کے قاعدے و قوانین جاری کئے جائیں کہ ہر ایک لڑکا وقت پر آئے۔ اپنا کام ٹھیک ٹھیک انجام دے۔ کھیلوں میں شریک ہو اور اسکی دانستہ خلاف ورزی کرنیوالوں کو مدرس اور عام مدرسہ حقارت اور ذلت کی نظر سے دیکھے تو اس میں مذکورہ محاسن ضرور پیدا ہو جائینگے [illegible] جزا [illegible] میں انصاف کرنا کسی طالب علم کے ساتھ نمبر دینے یا اور کسی معاملہ میں طرفداری کو دخل نہ دینا ہر ایک کو برے کاموں سے روکنا اور اچھے کاموں کی طرف راغب کرنا

ہر حیثیت سے انکا غمگسار اور شریک حال ہو جانا ایسے کام ہیں جن کی وجہ لڑکوں میں خوش اخلاقی خواہی نہ خواہی پیدا ہو جاتی ہے کھیل کود کے میدان اور خاصکر [illegible] کے کھیل ایسے مقامات ہوتے ہیں جہاں لڑکا آزادی اور بے قیدی محسوس کرتا ہے۔ یہاں [illegible] ہو سکتا ہے اور مخالفین کے ساتھ [illegible] اور اخلاقی برتاؤ کا حامی ہو اور اس [illegible] کرنیوالوں کو سزا دے اور کھیل میں ہرگز ہرگز طرفدارانہ رویہ اختیار نہ کرے۔ یہ امور طلبہ کو شریف اعلیٰ قسم کے اخلاق سے متزین کرینگے بلکہ ان کو اجتماعی اور شہری زندگی کے لئے ایک موزوں اور قابل شخص بنا دینگے۔ طلبہ کی اخلاقی تعلیم کے لئے چند ایک مجالس اور انجمنیں بھی قائم کی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ گلڈ آف کرسٹی اور بوائی اسکاوٹ کی تنظیم اس کے لئے نہایت مفید ہے۔ سابق الذکر مجلس طلباء کے ایسے افعال و [illegible] قرار دیتی ہے جن میں ظلم و [illegible] درشتی، بدتہذیبی بدکلامی وغیرہ شامل ہوں۔ اس کے ہر ایک ممبر کے پاس [illegible] امتیازی علامت ہوتی ہے جس کو وہ اپنے سینے پر لگائے رہتا ہے۔ افسردہ ساتھیوں اور جانوروں کے ساتھ رحم کرنا بھی اس مجلس کا ایک قانون ہے ان قوانین کی خلاف ورزی کرنیوالے علانیہ طور پر تذلیل کے ساتھ اس گروہ سے خارج کر دئے جاتے ہیں۔ بوائی اسکاوٹ کی جماعت بھی اس لئے بنائی جاتی ہے کہ یہ لڑکے مختلف غم اور خوشی کے مواقع پر اپنے ابنا جنس کا ہاتھ بٹائیں بیماروں کی تیمارداری کمزوروں کی اعانت اور مختلف انتظامی کام ان سے لئے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طریقے سے ان میں کس قدر اخلاقی خوبیاں اور معاشرتی سمجھ اور کارکردگی پیدا ہو جاتی ہے۔

جمہوری اور شہری زندگی کے لئے طالب علموں کو تیار کرنا اور ان میں انتظامی قابلیت پیدا کرنا مدرس کا سب سے اہم اور آخری فرض ہے۔ اسکی ابتدا بھی مدرسہ ہی سے ڈالی جاتی ہے ہر اعلیٰ جماعت میں طلبہ کو اختیار دئے جاتے ہیں کہ وہ اپنے لئے ایک حکمران جماعت (Body) انتخاب کرے۔ حالات کے لحاظ سے جماعت کے طلبہ کو اسکا کامل یا محدود اختیار دیدیا جاتا ہے کہ وہ اپنی جماعت میں تعلیمی کام نہ کرنیوالوں یا ضبط کے بگاڑنیوالوں یا اخلاقی برم [illegible] رتکاب

کرنیوالوں کے لیئے قوانین بنائیں اور ان کو عمل میں لائیں۔ غرضکہ ایک چھوٹے پیمانہ پر یہ جماعت عدالت اور پولیس کا کام [illegible] ہے۔ جماعت میں ضبط کا قائم رکھنا ضروری سامان کا فراہم کرنا [illegible] کے انتظامی امور طے کرنے میں بھی انہی کا حصہ ہوتا ہے۔ طلبہ کی جمہوریتوں کے کئی اقسام [illegible] جن کی تفصیل کے لیئے ایک مستقل بیان درکار ہے۔ ہم یہاں پر صرف اتنا بتا دینا چاہتے ہیں کہ بڑی عمر کے طلبہ کے لیئے ضرور اس قسم کے مواقع مہیا کیئے جائیں ورنہ ان کی زندگی اور تعلیم نامکمل کہلائیگی۔

آپ نے معلوم کیا ہوگا کہ مدرس کی بچوں کی نسبت کیا کیا اہم ذمہ داریاں ہیں۔ اُسے طالب علم کے جسم اور صحت کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ بچے کے ذہن کی تربیت اس کا اہم فرض ہے۔ بچے کے اخلاق کو سنوارنا اور برائیوں سے روکنا اس کی [illegible] اور خالی زندگی سے باخبر رہنا۔ آئندہ زندگی کے لیئے اس کو ہر جہت اور پہلو سے تیار کرنا ہر وقت مدرس کے پیش نظر ہوتا ہے۔ غرضکہ معلمی وہ فن ہے جو در اصل انسان کو انسان کے پایہ اور رتبہ کو پہنچاتا ہے مادی چیزوں کی تیاری کے لیئے کیا کچھ فہم و فراست اور کیا کچھ ایثار و محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ خود غور کیجئے کہ انسان سازی کے لیئے معلم کو کتنی کاوش ایثار اور ہمدردی کرنی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی لوگ اس کام کے لیئے موزوں ہو سکتے ہیں جن میں تمام مذکورۂ بالا صفات بدرجۂ اتم موجود ہوں۔ یا جن کے دلوں میں انسانی ہمدردی کا ایسا شدید جذبہ پایا جائے کہ وہ اپنی زندگی کو زیادہ تر اسی کام کے لیئے وقف کر دیں۔ محض اجرت کے متمنی اور انسانی ہمدردی سے عاری اور دوسرے ذرائع سے معاش کی تلاش کرنے والے بہتر ہوگا کہ اپنے کو اس خدمت کے بار سے سبکدوش کریں۔ غرض کہ اس پیشہ کی شرافت اور اہمیت مسلم ہے مدرسین کو چاہیئے کہ خود اس کا اہل بنائیں اور اپنی اہمیت کا لوہا دنیا سے منوا چھوڑیں۔ بدقسمتی سے ہماری غفلتوں اور بدلاروائیوں نے اس پیشہ کو لوگوں کی نظروں میں بہت ذلیل بنا دیا ہے اور یہ دن بدن اور بھی پستی کی طرف ڈھکیل رہی ہے۔ غرضکہ ہمیں اپنی

عزت اور وقار کے قیام اور قومی استحکام کے لئے اپنی ذمہ داریوں کو پورے طور پر محسوس کرتے ہوئے بسم اللہ مجریہا و مرساہا کہہ کر پورے انہماک و توجہ کے ساتھ فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہو جانا چاہیئے فقط

نمائش تعلیمی و جلسہ صد انجمن اساتذہ بیدر

(کا)

افتتاح ۳۱ تیر ۱۳۳۶ف م ۵ ذی حجہ ۱۳۴۵ھ روز دوشنبہ بمقام بیدر ہوگا۔ سب ذیل اشیاء پر تمغہ نقدی کتب اور اسناد جزا انعام عطا ہونگے :-

(۱) مدرسۂ محمود گاوان بیدر پر تاریخی و عمارتی مضمون۔

(۲) مدرسۂ محمود گاوان بیدر کا نمونہ مقوہ، تین سنگریزہ، لکڑی، موم، کشیدہ، رودوزی اور بیدری کام پر بنانا۔

(۳) نوادرات قدیمہ بیدر۔

(۴) کتبات کے چربے یا فوٹو۔

(۵) خطاطی اور خوشنویسی۔

(۶) کتابچہ ہائے مضمون نگاری جماعت چہارم تا مڈل۔

(۷) ڈرائینگ، سبق الاشیاء، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، حفظان صحت، سائنس، سوزن کاری، دستی مشاغل، ادب یا قصہ گوئی وغیرہ۔ سامان یکم تیر سے پہلے معتمد صاحب نمائش تعلیمی بیدر کی خدمت میں پہنچ جانا چاہیئے فقط

محمد عبد السلام معتمد صد انجمن اساتذہ بیدر

بچوں کی تعلیم

(نمبر ۲)

طریق تعلیم چونکہ بچوں میں قدرتی طور سے اول ہاتھوں کو دراز کرکے ہر شے جو پیش نظر ہو اس کے گرفت کرنے کی خاصیت موجود ہے۔ اس لئے سب سے اول ان کو قوت لامسہ یعنی چھونے اور معلوم کرنے کی قوت میں احساس کرانے کی کوشش ہوتی ہے امتحانی چند بچوں کے ہاتھوں پر اول گرم پانی ڈالتی ہے اور وہ خوشی سے ہاتھ دھونے لگتے ہیں اس کے چھ: یر کے بعد ٹھنڈا پانی ڈالا جاتا ہے اس طرح ان کے چہروں پر مختلف کیفیات گرمی و سردی کے اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ گرم و سرد کے الفاظ اگرچہ انکو معلوم نہیں لیکن وہ ان میں امتیاز کر لیتے ہیں۔ آگے چل کر ان کو سرد و گرم کے الفاظ بھی ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ پھر دو دفتی کے ٹکڑے ایک سخت دوسرا نرم ان کو دیکر ان کے لچکانے کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ بچوں کے ہاتھ نازک ہیں اس لئے نرم تو لچک جاتا ہے لیکن سخت ان کے جھکائے نہیں جھکتا۔ اس طرح سختی و نرمی کا احساس کرایا جاتا ہے۔ آگے بڑھکر سخت و نرم کے الفاظ کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔ قوت لامسہ کو اس سے خاص طور پر نشو و نما حاصل ہوتا ہے۔

اب اگر قوت باصرہ کو یعنی نظر کی تربیت کرنا ہے تو اس کے لئے ایک لکڑی کا خانہ دار صندوق سامنے رکھا جاتا ہے اور اس میں مختلف ناپوں کے لکڑی کے ٹکڑے جو کسی خاص خانہ کی ناپ کے بنے ہیں اور اسی میں ٹھیک بیٹھ سکتے ہیں چند بچوں کو دیکر ان خانوں میں ڈالنے کو کہا جاتا ہے۔ بچے صندوق سے چمٹ جاتے ہیں اور اپنے اپنے ٹکڑے ڈالنا چاہتے ہیں جس کا ٹکڑا ٹھیک خانے میں پڑ گیا گویا اس نے اپنا خانہ پا لیا۔ اس ٹکڑے کو اگر کسی دوسرے خانہ میں ڈالنا چاہیں تو ٹھک نہیں آئیگا۔ اگر کسی بچے نے اپنا خانہ نہ پایا تو استانی اشارہ کر دیتی ہے کہ وہ گویا یہاں ہے۔ اس پر وہ بچہ فوراً اس میں ڈال کر خوش ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اگر مختلف رنگوں کا باہمی فرق بتلانا ہے تو استانی لکڑی کی مختلف رنگوں کی تختیاں ان کو دیتی ہے اور اتنے ہی رنگوں کے فیتے دیکر اپنی پہنچ [illegible] اس طرح ان کو مختلف رنگوں کے نام اور ان کا امتیاز بہت آسانی سے [illegible]

اس طرح میں قوت باصرہ کو ترقی ہوتی رہتی

پھر اگر قوت سامعہ کو نشو و نما دینا ہو تو اس کی ترکیب بھی خوب ہے۔ چند مختلف اوزان کے چھوٹے چھوٹے پتھر یا کنکر ایک میز پر رکھے جاتے ہیں۔ استانی چند بچوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر ان سے کہتی ہے کہ ان میں سب سے وزنی اور ہلکا کون پتھر ہے اب ان میں سے ہر ایک بچے منہ سے نیچے گراتے ہیں۔ بھاری کی آواز بھاری ہوتی ہے اور ہلکے کی ہلکی۔ اسطرح صرف گرنے کی آواز کی کمی و بیشی پر وہ سمجھ جاتے ہیں کہ کون [illegible] ہے اور کون بھاری۔ اس طرح سے دیگر اشیاء کا بھی امتیاز کرانے سے قوت سامعہ ترقی کر جاتی ہے۔ اور دراصل اس میں تو قوت لامسہ و سامعہ دونوں سے کام لینا پڑتا ہے۔

ورزش جسمانی اس کی تعلیم اس طرح ہوتی ہے کہ مختلف کھلونے ایک جگہ میز پر ترتیب سے رکھے جاتے ہیں اور مدرسے کے احاطے کے اندر ہی کچھ فاصلہ پر دوسری میز رکھی ہوتی ہے۔ دونوں میزوں کے پاس استانیاں کھڑی ہوتی ہیں۔ اب چند بچوں سے کہا جاتا ہے کہ اس میز کے کھلونے لیکر دوڑتے ہوئے دوسری میز پر لیجا کر قاعدے سے رکھیں اسی طرح دوبارہ سہ بارہ یہی عمل ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے خود ہی یہ محنت بڑی خوشی سے انجام دیتے ہیں اور بالکل نہیں تھکتے اور اسی کھیل میں ان کے ہاتھ پیر مضبوط ہوتے جاتے ہیں۔ دوسرے دن کوئی دوسری ترکیب اختیار کی جاتی ہے۔ اس مدرسہ میں استانیاں بچوں کے سب کام خود انہیں سے لیتی ہیں۔ مثلاً کپڑے پہننا اتارنا۔ جوتوں کی لیس باندھنا یا پالش کرنا۔ ہاتھ منہ دھونا۔ غسل کرنا وغیرہ اس طریقہ سے بچے [illegible] کرتے ہیں جس کا بار انہیں بالکل محسوس نہیں ہوتا۔

لکھنا | اس کی تعلیم بھی کھلونوں کے ذریعہ سے دی جاتی ہے۔ یعنی اول اول دفتی کے ٹکڑے پر کٹے ہوئے حروف چپکاتے ہیں اور پھر ان پر انگلیاں پھیرتے ہیں۔ اس کھیل میں حروف پر ہاتھ پھیرنا ناگزیر ہوتا ہے اس لئے ان کی انگلیاں رفتہ رفتہ گردش کی عادی ہوجاتی ہیں۔ پھر آگے چلکر قدیم ہندوستانی طرز کے کتبے جن کا رواج پرانے مکتبوں میں تھا ان کو دئے جاتے ہیں جن میں حروف کھدے ہوتے ہیں اور بچوں سے ان میں رنگ بھرنے کو کہا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ اسکے عادی ہوکر ان کی شکلیں پہچان جاتے ہیں اور خود بخود لکھنا سیکھ جاتے ہیں۔

مسز ہونر مفتش اسکاٹ تعلیمات انگلستان لکھتے ہیں کہ "اس طریق تعلیم سے بچے صرف ڈیڑھ ماہ میں لکھنا سیکھ لیتے ہیں اور بعد میں ان کو مرکب الفاظ قلم و دوات سے لکھنا بتلایا جاتا ہے اور جہاں تک تجربہ ہوا ہے عام طور پر بچے خوشنویس ہوتے ہیں۔" زمانۂ قدیم میں پہلے پڑھنا بعد میں لکھنا سکھایا جاتا تھا مگر اب حالت برعکس ہے۔

پڑھنا | پڑھنے کی تعلیم اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔ بچے جو لکھتے ہیں وہی پڑھتے ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کو چھپی ہوئی عبارت دیجاتی ہے اور جن زبانوں میں حروف موقوفہ یعنی Silent Letters نہیں ہوتے مثلاً اطالی زبان بہت جلد آجاتی ہے مگر انگریزی فرانسیسی جرمنی زبانوں کی تعلیم میں دیر ہوتی ہے۔ ہندوستان میں ہندی زبان جلد سیکھی جاسکتی ہے بہ نسبت اردو کے کہ اسمیں جو بولتے ہیں وہی لکھتے ہیں۔ اول مفرد اسماء کی تعلیم ہوتی ہے۔ پھر مفرد صفات کی۔ پھر جملے بنائے جاتے ہیں۔ اسماء کی تعلیم میں کارڈوں پر تصاویر ہوتی ہیں جن کا نام بھی درج ہوتا ہے۔ مثلاً کتے یا بلی کی تصویر جب بچہ کارڈ پر دیکھتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اسکا نام بھی ذہن نشین ہوجاتا ہے۔ جملوں کی تعلیم میں البتہ تختہ سیاہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس طرح روزانہ تین گھنٹہ کو پڑھنا آجاتا ہے۔ افعال اور ان کی مختلف گردانیں بالکل نظرانداز کردیجاتی ہیں اور آگے چل کر جب ہے پر ان کا باہمی فرق خود ہی معلوم ہوجاتا ہے۔

حساب | اس کے سکھانے کے لئے بھی ایسے کھلونے بنائے گئے ہیں جنپر گنتی لکھی ہوتی

ہیں اور ان کو اس طرح کہلایا جاتا ہے جس میں بچوں کو خواہ مخواہ گننا پڑے۔ اسی طرح لکڑی یا دھات کے مختلف اشکال کے ٹکڑے ان کو اقلیدس کی سیدھی سادی مشق کرا دیتے ہیں۔ یوں ریاضی جیسی مشکل چیز صرف کھیل ہی کھیل میں بچے نہایت کمسنی میں سیکھ لیتے ہیں۔ مختلف علوم سکھانے کے سیکڑوں طریقے ہیں جن کا احصا اس مختصر تحریر میں نہیں آسکتا۔ صرف چند اشارات کر دئے گئے ہیں۔

طریق ہذا کی قبولیت عام | اس بیسویں سال میں یورپ کے سب ممالک اور امریکہ شمالی کے مشرق میں ابھی اس کا رواج بالکل ابتدائی حالت میں ہے۔ انگلستان۔ فرانس جرمنی و اٹلی میں سیکڑوں ایسے مدارس ہیں جن میں صغیر سن بچوں کو تربیت دیجارہی ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان میں ایک مدرسہ دہلی میں قائم ہوا ہے اب ریاست کوچین میں اس کے تجارب ہو رہے ہیں۔ دیسی ریاستوں میں مثل میسور۔ بڑودہ۔ ٹراونکور جہاں تعلیم بہت کچھ ترقی کر چکی ہے۔ ایسے تجارب کا جلد ہی امکان پایا جاتا ہے۔ ہماری مملکت آصفیہ بھی چونکہ تعلیم میں اب نہایت تیزی سے قدم زن ہے۔ اس لئے امید ہوتی ہے کہ اس نئے طریقۂ تعلیم کی بھی آزمائش ہوگی۔ فی الحال سٹی کالج اور چادرگھاٹ ہائی اسکول میں کچھ صغیر سن اطفال زیر تربیت ہیں اگر ان کو اس جدید راہ پر لگایا جائے تو شائد زیادہ مفید ہو۔ سب سے بڑی دقت تربیت یافتہ استانیوں کی ہے جو چند سال کی کوشش کے بعد بآسانی ممکن ہے۔ اس جدید طریق تعلیم سے ہمارے ملک کے کتنے ہی قیمتی قوائے ذہنی اگر ان کو باقاعدہ تربیت دی جائے تو بڑی عالم و فاضل بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں لیکن بحالت موجودہ غبی اور کند ذہن اپنی فطری حد تک ترقی کرنے کے وسائل کی عدم موجودگی میں محض ناکارہ رہجائینگی۔ جس کی ذمہ داری سارے ملک و قوم پر ہے۔

جغرافیہ کی تعلیم

انسان حقیقت میں ان اشیاء سے زیادہ دلچسپی لیتا ہے جو اس کے زندگی کو بلاواسطہ یا بلاواسطہ متاثر کرتی ہیں بنابریں جغرافیہ کی اہمیت ہمارے پاس محض اس لئے ہے کہ اس سے اس امر کا بخوبی انکشاف ہوتا ہے کہ کس طرح زمین کی روزانہ و سالانہ گردش سمندر آب و ہوا وغیرہ انسان کی زندگی اور طرز معاشرت پر اپنے اثرات ڈالتے ہیں۔

جغرافیہ کی تعلیم کا نقطہ نظر چند سال پیشتر یہ نہ تھا جس کی وجہ سے اس مضمون پر بطور خاص توجہ نہیں کی گئی۔ یہ مضمون صرف چند واقعات کا ایک مجموعہ تصور کئے جانے لگا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ چند خشک واقعات از بر یاد کئے جانے لگے۔ حقیقت میں اس قسم کی تعلیم ان تمام فوائد سے بیگانہ تھی۔ جو ہمارے لئے ضروری تھی۔ چونکہ اس کا تعلق انسان کی زندگی سے بتلایا گیا ہے اس لئے ماہرین فن نے اپنی تمام تر توجہ اس مضمون کو دلچسپ اور مفید بنانے میں صرف کردی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مضمون کو دلاویز بنانے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ بحالت موجودہ ہمارے مدارس میں اس مضمون کی ابتدا جماعت سوم میں ہوتی ہے۔ جغرافیہ دکن کی کتاب نصاب میں داخل ہے۔ اگر مدرس محض اس کتاب پر اکتفا کرے تو اس مطلب کو پورا نہیں کرسکتا جو اس کا مطمح نظر ہے۔ چونکہ ابتدائی تعلیم کا دارومدار مشاہدہ پر ہے اس لئے یہ زیادہ ضروری ہے کہ ابتدائی اسباق مشاہدہ کے بنا پر ہوں۔ جو چیز بچوں کے تجربہ سے باہر ہے اس کے متعلق کسی قسم کے معلومات بہم پہنچانا فائدہ بخش نہ ہوگا۔ یہ امر تجربہ پر مبنی ہے کہ بچے اس مضمون کو جماعت سوم میں شروع کرتے ہیں اور جماعت میٹرک تک اس کی تعلیم جاری رکھتے ہیں۔ مگر باوجود آٹھ سال کی محنت کے صرف چند اشیاء کے نام نوک زبان رہتے ہیں۔ جغرافیہ کے حالات سے محض لاعلمی رہتی ہے اس لئے مناسب

یہ معلوم ہوتا ہے کہ مدرس اولاً ایک فہرست باقاعدہ اسباق کی تیار کرے اور اس کے لحاظ سے مندرجہ ذیل اسباق کا سلسلہ قایم کرے تاکہ بنیاد مستحکم کر لی جائے۔ بعد ازیں عمارت کا تعمیری کام شروع کیا جا سکتا ہے۔

اسباق کی فہرست

پانی۔ زمین۔ آسمان۔ آفتاب۔ جہات اربعہ۔ روشنی۔ سایہ۔ ہوا۔ بارش۔ ریل سڑک۔ دریا۔ پہاڑ۔ جھیل۔ سطح مرتفع۔ زراعتی پیداوار مقامی۔ صنعت مقامی۔ بازار مقامی کوئلہ۔ خاکہ۔ معمولی اسباق کا سلسلہ ممالک محروسہ کے نقشہ کے متعلق زمین کے شکل و صورت کے متعلق۔ زمین کے گردش کے متعلق۔ گلوب کے متعلق قائم کیا جائے۔ بعد ازیں حیدرآباد کے جغرافیہ کی تعلیم بہ لحاظ خطوں کے دی جائے (مرہٹواڑی۔ تلنگانہ۔ کرناٹک) ذیل میں بطور نمونہ کے ایک سبق کی تفصیل دیجاتی ہے تاکہ مذکور بالا اسباق کو مفید مطلب بنانے میں سہولت ہو۔

پانی۔ تمہید

تمہید (۱) کسی برتن میں پانی رکھا جائے اور بچوں کی توجہ اس طرف منعطف کی جائے۔ چند سوالات پانی کے متعلق کئے جائیں تاکہ بچوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ پانی۔ نل یا باؤلی سے مہیا کیا جاتا ہے ضروریات زندگی کے لئے پانی کی ضرورت ہے۔ پانی پینے یا پکانے کپڑے دھونے نہانے اور مکان کو پاک و صاف کرنے کے کام میں آتا ہے۔

گویا اس سے معلوم ہوا کہ پانی ہمارے ضروریات زندگی کا ایک لازمی جزو ہے۔

(۲) پانی بہتا ہے | دو طشت فراہم کر لئے جائیں۔ ایک کو پانی سے اور دوسرے کو مٹی سے لبالب بھر دیا جائے۔ اس امر کے جانب بچوں کو متوجہ کیا جائے کہ ہر دو چیزیں اپنے اپنے طشت میں ایک ہی سطح پر ہیں اور اب کسی بچہ سے کہا جائے کہ وہ مٹی کے طشت میں اور مٹی ڈالے۔ اب مٹی ڈھیر کی صورت اختیار کر گئی۔ پانی کے طشت میں [illegible] پانی ڈالنے کے لئے

کہا جائے۔ پانی ڈھیر کی صورت اختیار نہیں کریگا بلکہ گر جائیگا۔ بچوں کی توجہ اس جانب مبذول کرائی جائے۔ اس کی تشریح یوں کی جائے پانی پھیلتا ہے اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بہتا ہے چونکہ بہتا ہے اسلئے اسکو رقیق کہتے ہیں مٹی نہیں بہتی اس لئے رقیق نہیں ہے۔

بچوں سے ان اشیاء کے نام اخذ کرائے جائیں جو مثل پانی کے بہتے ہیں۔ بچوں سے کہا جائے کہ پانی کو اپنے انگلیوں سے پکڑیں۔ پانی انگلیوں میں نہیں ٹھہریگا بہ جائے گا اس لئے بچے بہ آسانی سمجھ جائینگے کہ کیوں رقیق مادے بوتل وغیرہ میں رکھے جاتے ہیں۔

اب پانی کو ایک برتن سے دوسرے برتن میں ڈال کر مشاہدہ کراؤ۔ پانی برتن کے کنارے سے گریگا۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ پانی بہایا گیا۔ چنانچہ بچے اس نتیجہ پر پہنچینگے کہ رقیق مادے بہائے جاسکتے ہیں۔

(۳) رقیق مادے نیچے کیطرف بہتے ہیں | پانی کو آہستہ دوسرے برتن میں ڈالو اور سوال کرو کہ کسطرف جائیگا (نیچے کے طرف) اس امر کی کوشش کرو کہ آیا پانی اوپر جاسکتا ہے یا نہیں۔ سلیٹ پر پانی ڈالو اور اس کو ایک طرف جھکاؤ۔ بچوں سے دریافت کرو کہ پانی کس جانب گرتا ہے۔ دوسری جانب جھکاؤ۔ پھر سوال کرو۔ مشاہدہ کی بنا پر جواب ملیگا کہ نیچے کی طرف گرتا ہے اوپر کی طرف نہیں گرتا ہے۔ بارش کی طرف توجہ منعطف کراؤ۔ ذیل کے جوابات اخذ کراؤ۔

پانی ابر سے نیچے گرتا ہے۔ چھت سے نیچے گرتا ہے۔ نل سے نیچے گرتا ہے۔ اس سے بچے اس نتیجہ پر پہنچینگے کہ پانی ہمیشہ اوپر سے نیچے کی طرف گرتا ہے۔ تمام رقیق مادے اس خصوص میں پانی سے مشابہت رکھتے ہیں اس لئے نیچے کی طرف بہتے ہیں اوپر کی طرف نہیں بہتے۔ رقیق مادے اس لئے بہتے ہیں کہ ان کا رخ نیچے کی طرف ہوتا ہے۔

(۴) رقیق مادے قطروں میں تقسیم ہوتے ہیں | ایک لکڑی کو پانی میں ڈبو کر نکالو۔ بچوں سے مشاہدہ کراؤ۔ لکڑی کے سرے پر آویزاں نظر آئیگا۔ لکڑی کو ہلاؤ قطرہ گریگا۔ اسکی نسبت

جواب اخذ کراؤ۔

ایک چھوٹا برش پانی میں ڈبودو اور اس کو ایک چکنی سلیٹ پر چھڑکو۔ بچوں سے جواب اخذ کراؤ کہ (پانی گول چھوٹے قطروں کی شکل میں ہے۔)

سلیٹ کو ہلاؤ اور بچوں کو مشاہدہ کرنے دو تاکہ انہیں اس کی نسبت علم ہو۔ یہ قطرے تختی کے ڈھلوان پر اتریں گے اور باہم مل کر نیچے کی طرف بہینگے۔ اب بچے معلوم کرینگے کہ وہ علحدہ علحدہ قطرے نہیں بلکہ باہم مل کر جہاں گرینگے پانی کا ڈبرا بنائیں گے۔ یہ بتلایا جائے کہ یہی عمل تمام رقیق مادہ پر ہوگا۔ یعنی تمام رقیق مادے چھوٹے قطروں میں تقسیم ہونگے اور باہم مل جائینگے۔

(۵) رقیق مادے کوئی شکل اختیار نہیں کرتے | دو طشت میز پر رکھو۔ بچوں کو اس طرف متوجہ کرو۔ ان کی شکل دریافت کرو۔ ایک طشت میں پانی ڈال کر مشاہدہ کراؤ طشت بتدریج پانی سے پُر ہوجائیگا۔ یہاں تک کہ پانی اور طشت کی سطح برابر ہوجائیگی۔ پھر سوال کیا جائے کہ پانی کی شکل طشت میں کیا ہوگی (پانی کی وہی شکل ہوگی جو طشت کی ہوگی)۔

دوسری طشت مٹی سے بھردو۔ مشاہدہ کراؤ۔ شکل کی نسبت سوال کرو۔ پھر پانی کو مختلف قسم کے برتن میں ڈالو۔ بچے مشاہدہ کی بنا پر معلوم کرلینگے کہ پانی ہر قسم کے برتن میں سماتا ہے اور پانی کی شکل برتن کی شکل کے موافق ہوتی ہے۔

اخبار تعلیم لاہور

ہر قسم کے تعلیمی معاملات پر آزادانہ بحث کرنیوالا مدرسین کا وکیل اور ترجمان طلباء کا معاون و مددگار افسران محکمہ تعلیم کا خیر خواہ۔ سررشتہ تعلیم کا مشیر۔ ہر قسم کے علمی اخلاقی طبی وغیرہ مضامین کا مخزن۔ ہفتہ وار اخبار تعلیم لاہور سے شایع ہوتا ہے قیمت سالانہ چھ روپے۔ ماہی چار روپے۔

منشی طالب علی صاحب پابند ورلشی ایڈیٹر اخبار تعلیم لاہور سے طلب کیجئے۔

قرض دار پودے

قبل اس کے کہ ہم قرضدار پودوں کی نشوونما کا ذکر کریں یہ مناسب ہوگا کہ پہلے اس بات کی تحقیقات کی جائے کہ عموماً پودوں کی غذا کیا ہے اور وہ اپنی غذا کس طرح حاصل کرتے ہیں اس تحقیق کے ضمن میں یہ لازم ہے کہ پودوں کی غذا کے عناصر معلوم کئے جائیں۔

پودوں کی غذا کے عناصر پودوں کی پتیاں۔ تخم وغیرہ کو لیکر اگر ایک امتحانی نلی میں گرم کیا جائے تو پانی کے قطرے امتحانی نلی کے اندر نظر آئینگے۔ یہ پانی پودے کے جسم سے نمودار ہوا ہے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ پودے کے جسم کا ایک جز پانی ہے۔ اگر ہم پتیوں وغیرہ کو گرم کئے جائیں تو تھوڑی دیر میں ان کا سب پانی خارج ہو جائیگا اور پتیاں خشک ہو جائینگی۔ اس کے بعد اور گرمی پہنچانے سے پتیاں وغیرہ سیاہ پڑ جاتی ہیں۔ یہ سیاہ چیز کوئلہ ہے۔ جو کاربن کی ایک قسم ہے۔ علاوہ ازیں اگر ہم پودے کے جسم کو جلائیں تو جلنے سے جو گیسیں نکلتی ہیں۔ (بخارات آبی۔ کاربانک ایسڈ گیس۔ ایمونیا) ان گیسوں میں علاوہ ہیڈروجن اور آکسیجن کے کاربن اور نائیٹروجن دو عناصر اور پائے جاتے ہیں اور اس کی راکھ میں چند معدنی اشیاء پائی جاتی ہیں۔

پس ہمکو معلوم ہوگیا کہ پودوں کی غذا کے ضروری عناصر کاربن۔ ہیڈروجن۔ آکسیجن اور نائیٹروجن ہیں ان سب عناصر کا وجود پودے کی زندگی کے لئے ضروری ہے۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ پودے اپنی غذا کس طرح حاصل کرتے ہیں۔

پودوں کا غذا حاصل کرنا پودے اپنی غذا پتیوں اور جڑوں کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں ہماری غذا اور پودوں کی غذا میں بین فرق یہ ہے کہ ہم تیار شدہ نشاستہ اور پروٹیڈ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن پودے کی غذا کاربانک ایسڈ گیس۔ پانی۔ اور پانی میں حل شدہ اشیاء ہیں

اور انہیں سے وہ نشاستہ اور پروٹیڈ تیار کرتے ہیں۔

نشاستہ میں تین عناصر ہیں۔ کاربن۔ ہیڈروجن اور آکسیجن۔ پروٹیڈ میں علاوہ ان عناصر کے نٹروجن بھی شامل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ پتیوں میں ہزارہا سامات ہوتے ہیں جن کو اگر دہن کے نام سے موسوم کریں تو مناسب ہے۔ ان کے ذریعہ کاربانک ایسڈ گیس پتیوں کے اندر داخل ہوتی ہے۔ جڑیں پانی جذب کر کے پتیوں تک پہنچا دیتی ہیں۔ پانی کے ہمراہ نائیٹروجن کا جز بھی پتیوں تک پہنچ جاتا ہے۔

کاربانک ایسڈ گیس اور پانی اس طرح پتیوں میں جذب ہو گئے کہ اب خضرہ کی موجودگی میں سورج کی روشنی سے پتیوں کے اندر ایک کیمیائی تبدیلی واقع ہوتی ہے اور نشاستہ تیار ہو جاتا ہے۔ پھر نائیٹروجن اور نشاستہ کے ملنے سے کیمیائی تبدیلی عمل میں آتی ہے اس کا نتیجہ پروٹیڈ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے صرف ان پودوں کی زندگی کے حالات کے متعلق لکھا گیا ہے جو بذاتِ خود اپنی غذا مہیا کرتے ہیں مگر چند ایسے پودے بھی ہیں جو اپنی غذا کے لئے دوسرے پودوں کے محتاج ہیں۔ ان پودوں کو ہم قرضدار پودوں کے نام سے موسوم کرینگے۔

قرضدار پودوں کے دو اقسام ہیں۔ چند پودے ایسے ہیں جو اپنی غذا (کاربن اور نائیٹروجن) کا ذمہ دار میزبان کو گردانتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اپنی نصف غذا بذاتِ خود مہیا کرتے ہیں مگر نصف غذا کا بار میزبان کے سر ڈالتے ہیں۔

Partial Parasite نصف قرضدار۔ } ان کی پتیاں سبز ہوتی ہیں اور انمیں خضرہ (Chlorophyll)* پایا جاتا ہے اس لئے سورج کی روشنی میں یہ پودے نشاستہ تیار کر سکتے ہیں۔ لیکن نائیٹروجن کے لئے یہ اپنے میزبان کے محتاج ہوتے ہیں۔ اس قسم

---

* وہ مادہ جس کی وجہ پتیوں میں سبزی رہتی ہے خضرہ کہلاتا ہے۔

پودے کی مثال لورنتھس (Loranthus) ہے۔ پتیاں سبز ہوتی ہیں بالمقابل ترتیب دار اس کے پھول زرد اور گچھوں ہوتے ہیں۔ پھل السدار ہوتے ہیں۔ جب کبھی پھل کسی دوسرے درخت کی شاخ پر گرتے ہیں تو اس جگہ کی موزونیت کے لحاظ سے پودہ اگنا شروع ہو جاتا ہے اور ابتدائی جڑیں اپنا راستہ اس شاخ کے اندر چوبی ریشہ تک بنا لیتی ہیں۔ یہاں اس کی جڑیں پھیل جاتی ہیں۔ اور ان کا تعلق ان پتیوں سے ہو جاتا ہے جو جڑوں سے جذب کئے ہوئے پانی کو تمام پودے کے جسم میں پہنچاتی ہیں۔

پس یہ پودے انہیں جڑوں کے ذریعہ اپنی نصف غذا (پانی اور اس میں حل شدہ نمک) چوس لیتے ہیں۔ یہ پودے اکثر آم، نیم کے درخت پر نظر آتے ہیں۔

Chlorophyll Leaf Green مطلق پودے قرضدار نہیں ہوتا۔ یہ پودے نائیٹروجن۔ کاربن پانی سب کو اپنے میزبان سے حاصل کرتے ہیں۔ اس کی مثال اکاس بیل Cuscuta ہے۔ اس بیل کا تنہ پتلا ہوتا ہے اور کوئی رنگ نہیں رکھتا اور چلنے والا ہوتا ہے اس میں پتیاں نہیں ہوتیں۔ پھول سفید اور گچھوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس کا تخم جب زمین پر گرتا ہے تو موزوں حالات میں پودہ اگنا شروع ہوتا ہے۔ اس پودے میں جڑ تنہ۔ پتیاں کچھ نظر نہیں آتیں۔ صرف اتنا باریک ڈورا سا نظر آتا ہے جس کا ایک حصہ زمین سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا حصہ میزبان کی تلاش میں رہتا ہے۔ اگر بدقسمتی سے اس کو کوئی میزبان نہ ملا تو آخر مر جاتا ہے۔ لیکن خوبی قسمت سے اگر کوئی شامت کا مارا اسے ملگیا تو اس کے اوپر لپٹتا ہے اور چوسنے والی جڑوں کو اپنے میزبان کے جسم میں چبھو دیتا ہے۔ اس طرح اکاس بیل کی چوسنے والی جڑوں کا تعلق میزبان کی غذا پہنچانے والی نلیوں سے ہو جاتا ہے۔

ہر پودے میں غذا پہنچانے والی دو قسم کی نلیاں ہوتی ہیں ایک Xylem یہ نلیاں جڑوں سے جذب کئے ہوئے پانی کو مع حل شدہ معدنیات کے پتیوں تک پہنچاتی

ہیں۔ دوسری Phloem یہ نلیاں پتی میں تیار شدہ نشاستہ کو شکر میں تبدیل کرکے پانی کے ساتھ پودے کے تمام جسم میں تقسیم کرتی ہیں۔ پس جب اکاس بیل کی چوسنے والی جڑوں کا تعلق میزبان کی ان دونوں قسم کی نلیوں سے ہوجاتا ہے تو یہ مہمان اپنی پوری غذا کر میزبان کے دسترخوان سے دائمی طور پر حاصل کرتا ہے۔ اس اثنا میں وہ حصہ جو زمین سے تعلق رکھتا تھا خشک ہوجاتا ہے۔ اور اب اس بیل کا زمین سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔

اُردو کا ماہانہ رسالہ شمع آگرہ

جنوری ۱۹۲۵ء سے شمع نہایت آب و تاب سے شایع ہو رہا ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ غرض ہر لحاظ سے اپنی آپ نظیر ہے۔ ہر مضمون مہذب محرک خیال اور معلومات جدیدہ کا بہترین نمونہ ہوتا ہے اور تاریخی سیاسی۔ اقتصادی و ادبی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اسکے مقاصد علمی ادبی ہیں۔ لایق مدیران شمع مسٹر محمد حبیب (آکسن) بیرسٹرایٹ لا پروفیسر تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ و مسٹر حسن عابد جعفری (آکسن) بیرسٹرایٹ لا آگرہ ہیں۔ یہ حضرات بہترین تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے نقاد اور ادیب ہیں اور فن اخبار نویسی سے واقف ہیں اور محض ادبی و علمی خدمت کی آرزو میں رسالہ کی ترتیب میں مصروف ہیں اس میں کوئی ذاتی فائدہ شامل نہیں اور نہ کسی تجارتی اصول پر اس کوشش کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ہر ماہ میں پابندی وقت سے شایع ہوتا ہے۔ تصاویر بھی شایع ہوتی رہتی ہیں۔

حجم ۱۰۰ صفحہ قیمت سالانہ (۲) کلدار نمونہ کا پرچہ (۱) اکلدار

المشتہر منیجر رسالہ شمع حسن منزل شاہ گنج آگرہ

عجائب حساب

(نمبر ۴)

(۸) ۱۱ کی طاقتیں اگر ہم ۱۱ کا عدد لیں اور اس کو مربع کریں تو عمل آسان ہے۔

۱۱
۱۱
۱۱
۱۱
۱۲۱ ∴ $۱۱^۲$ = ۱۲۱

مکعب کے لئے

۱۲۱
۱۱
۱۲۱
۱۲۱
۱۳۳۱ ∴ $۱۱^۳$ = ۱۳۳۱

چوتھی طاقت کے لئے

۱۳۳۱
۱۱
۱۳۳۱
۱۳۳۱
۱۴۶۴۱ ∴ $۱۱^۴$ = ۱۴۶۴۱

ان ذیل کے ہندسوں پر غور کرو۔

۱، ۲، ۱ کے ۱، ۳، ۳، ۱ کے ۱، ۴، ۶، ۴، ۱

کہ یہی ہندسے ۱۱ کی طاقتوں میں آتے ہیں۔

بغیر ضرب دئے بھی ہم ان عددوں کو لکھ سکتے تھے بشرطیکہ حسب ذیل امور کا لحاظ رکھیں۔

اول یہ کہ ہر مرتبہ ۱ سے شروع کرنا ہے اور ۱ ہی پر ختم کرنا ہے۔

دوسرے یہ کہ مابعد کی طاقت کے ہندسے حاصل کرنے کے لئے ہم کو ایسے دو ہندسے جمع کرنے چاہئیں جو ایک دوسرے کے بعد آئیں۔

چنانچہ ۱۱ سے ہم کو ۱۲۱ حاصل ہوئے، کیونکہ ۱+۱=۲

اور ۱۲۱ " " " ۱۳۳۱ " " " ۱+۲=۳، ۲+۱=۳

" ۱۳۳۱ " " " ۱۴۶۴۱ " " " ۱+۳=۴، ۳+۳=۶، ۳+۱=۴

ان نتائج سے ان اعداد کے حاصل کرنے کا ایک طریقہ ایجاد کیا گیا ہے جو ذیل میں درج ہے۔

(۹) حسابی مثلث | ہندسہ ۱ کو جتنی مرتبہ جی چاہے ایک دوسرے کے نیچے لکھ حسب شکل ۱۷۔ فرض کرو کہ پہلے ہندسہ کے داہنے جانب اوپر صفر لکھدیں اگرچہ وہ لکھے نہیں گئے کہ ضروری نہیں۔

۱	۰						
۱	۱						
۱	۲	۱					
۱	۳	۳	۱				
۱	۴	۶	۴	۱			
۱	۵	۱۰	۱۰	۵	۱		
۱	۶	۱۵	۲۰	۱۵	۶	۱	
۱	۷	۲۱	۳۵	۳۵	۲۱	۷	۱

شکل ۱۷

دوسری قطار ہم یوں بناتے ہیں کہ ۱، اور صفر کو جمع کیا تو ایک حاصل ہوا، اس ۱ کو پہلے لکھے ہوئے ۱ کے داہنی جانب رکھا۔

اب تیسری قطار کو دیکھو۔ دوسری قطار پر یہ عمل ہوا۔ ۱، اور ۱ = ۲، پھر ۱، اور صفر = ۱، جو ۲، کے داہنی جانب لکھا گیا۔

اسی طرح تیسری قطار سے چوتھی قطار تک پہنچتے ہیں ۱+۲=۳، ۲+۱=۳، ۱+۰=۱،

اور اسی طرح جہاں تک جی چاہے۔

اب اس شکل میں دیکھو کہ ۱۱ کی طاقتوں والے ہندسے سب موجود ہیں۔ یہ شکل حسابی مثلث کہلاتی ہے۔

(۱۰) حسابی مربع | اوپر کے اعداد کو ہم دوسری طرح سے ترتیب دیتے ہیں جیسا کہ شکل ۱۸ میں ہے۔ ان ہر دو صورتوں میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ ترتیب مختلف ہے۔

ایک خانہ دار کاغذ کی ایک قطار اور ایک کالم ہندسہ الکھدیا جاتا ہے باقی خانے اسطرح پُر کئے جاتے ہیں کہ ہر خانے میں اوپر کے عدد اور بائیں جانب کے عدد کا مجموعہ لکھدیتے ہیں۔

۱	۱	۱	۱	۱	۱	۱	۱
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۱	۳	۶	۱۰	۱۵	۲۱	۲۸	۳۶
۱	۴	۱۰	۲۰	۳۵	۵۶	۸۴	
۱	۵	۱۵	۳۵	۷۰			
۱	۶	۲۱	۵۶				
۱	۷	۲۸	۸۴				
۱	۸	۳۶					

شکل ۱۸

اس شکل میں ہندسے ۱، ۱، ۱، ۱، ۱، ۱، ۱، ۱، ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸ ..... بجائے افقی قطاروں کے اب بائیں سے داہنی جانب ترچھے واقع ہوئے ہیں۔

ان اعداد میں یہ خاصیت بھی ہے کہ ہر عدد اپنے سے اوپر اور اپنے بائیں جانب کے کالم کے عددوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ مثلاً چوتھی قطار میں چوتھا عدد ۲۰ ہے جو ۱+۳+۶+۱۰ کا مجموعہ ہے۔

یہ شکل حسابی مربع کہلاتی ہے۔

حسابی مثلث اور مربع دونوں سے مسئلہ ثنائی میں سر معلوم کئے جاتے ہیں

مثلاً $(ا + ب)^۲ = ۱ \times ا^۲ + ۲ \, اب + ۱ \times ب^۲$

بائیں طرف کے جملے میں سر ۱، ۲، ۱ ہیں جو مثلث کی تیسری قطار ہے اور مربع کا تیسرا وتر۔

اسی طرح $(ا + ب)^۳ = ا^۳ + ۳ \, ا^۲ ب + ۳ \, اب^۲ + ب^۳$

اس میں سر ۱، ۳، ۳، ۱ ہیں جو مثلث کی چوتھی قطار ہے اور مربع کا چوتھا وتر ہے۔

حسابی مربع ایک اور طرح سے مفید ہے۔

مثلاً فرض کرو کہ شکل ۱۹ شطرنج کی بساط ہے جس میں ۶۴ خانے ہوتے ہیں۔ فرض کرو کہ بائیں جانب اوپر کا پہلا خانہ ا ہے اور کوئی اور خانہ لا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ا سے لا تک بغیر پیچھے ہٹے بائیں سے داہنی طرف چلکر کتنے راستوں سے جا سکتے ہیں۔

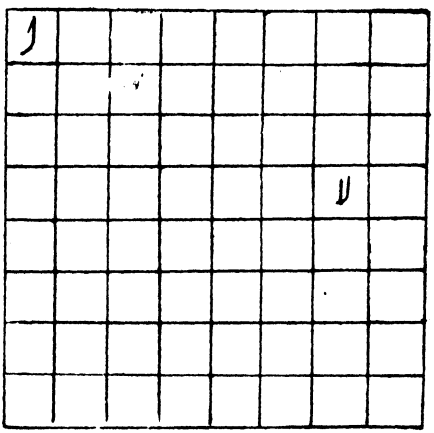

شکل ۱۹

حسابی مربع کو اگر بساط پر منطبق کریں تو لا والے خانے میں ۸۴ ملیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ شرائط بالا کے تحت ہم ا سے لا تک ۸۴ راستوں سے جا سکتے ہیں۔

تبصرہ

نفسیات ترغیب | آج کل نفسیات کو علمی دنیا میں وہ اہمیت نصیب ہو چکی ہے جو اس کا حصہ ہے۔ نفسیات انسانی نفس کی کیفیتوں اور سرگرمیوں کا مطالعہ ہے اور اگرچہ ہر انسان اپنے جسم سے متعلق ایک نفس رکھتا ہے جو اس کے قریب ترین چیز ہونی چاہیئے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اسی نفس کو سمجھنا دور دراز ستاروں کے سمجھنے سے کہیں زیادہ مشکل ہے ایک اور پہلو سے نفسیات کی اہمیت پر غور کیا جا سکتا ہے اگر نفس نہ ہو تو علم باقی نہیں رہ سکتا کوئی علم کوئی تجربہ ایسا نہیں ہے جو نفس کے دائرہ سے باہر ہو اور علم سمجھا جا سکے۔

چند سال پہلے تک بھی خود یورپ اور امریکہ میں نفسیات کو کچھ شبہ کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا حالانکہ یورپ کا علوم طبیعی کا کارنامہ جو ایک زمانہ موجودہ کا سب سے زیادہ حیرت ناک انسانی نفس کا کارنامہ ہے وہ محض نفس کی ہی بدولت رونما پذیر ہوا ہے اس کارنامے سے نفس انسانی کی حیرتناک قوتیں ظاہر ہوتی ہیں اور اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ خود انسان کا نفس انسانی مطالعہ کا سب سے بڑا موضوع ہے غالباً برگ سان نے کہیں لکھا ہے کہ اگر گلیلیو کا کارنامہ میدان طبیعیات کی بجائے نفس کی مملکت میں ہوتا تو آج نفسیات کو وہ حیرتناک ترقی ہوتی جو طبیعی علوم کو ہوئی ہے۔ اب بھی اگر فرائڈ کی کتاب "خواب کی تعبیر" اور اس کتاب کی اشاعت کے بعد جدید نفسیات کے ابھی نہایت محدود مواد کو نکال دیا جائے تو موجودہ نفسیات کی واقفیت محض نفس کے دروازہ تک رہ جاتی ہے۔

جس طرح ڈارون کی کتاب "ابتدا الانواع" نے علمی دنیا میں ایک زلزلہ سا ڈالدیا ہے اسی طرح فرائڈ کی کتاب "خواب کی تعبیر" ایک ہلچل ڈالنے والی تصنیف ہے۔

اردو میں نفسیات کی کتابیں گنتی کی ہیں اور وہ بھی پرانی نفسیات پر بھی حاوی نہیں مولوی عبدالماجد صاحب نے اردو کی نفسیات پر بہترین کتابیں لکھی ہیں ان کتابوں میں

ایک طرف عالمانہ واقفیت تھی تو دوسری طرف اسلوب پرزور سادہ اور نہایت دلکش تھا البتہ علمی امنگ میں مولوی صاحب کے قلم سے بعض ایسی باتیں نکل گئیں تھیں جن کو اگر موقع پر نہ لکھتے تو نفسِ مضمون پر کوئی برا اثر نہ پڑتا اور ساتھ ہی نفسیات جیسے ضروری علم سے ہندوستان کی عامۃ الناس بدظن نہ ہوتے۔ اس کے بعد مولوی عبدالماجد نائب فضل الٰہی سے محض نقطوں کی بھول بھلیاں سے نکل کر عالم معانی کی سیر کرنے لگے۔ اور اس طرح ایک بہترین مصنف جو اردو کے خزانہ کو نفسیات کی کتابوں سے مالا مال کر سکتا تھا۔ اس قسم کی تصنیف و تالیف سے دست بردار ہو گیا۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ مولوی سید وہاج الدین صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی پروفیسر عثمانیہ انٹرمیڈیٹ کالج اورنگ آباد نے اس کام کی طرف قلم اٹھایا ہے اور نفسیات کے ایک پرلطف اور عملی شعبہ پر "نفسیاتِ ترغیب" کے نام سے اپنی پہلی تصنیف اردو دان دنیا کے سامنے پیش کی ہے۔ ترغیب کے ہر نفسیاتی پہلو پر نہایت واضح اور کافی بحث کی ہے عبارت شستہ اور رواں ہے اور ہمارا خیال ہے کہ جہاں تک ایسے مضامین شگفتہ پیرایہ میں لکھے جا سکتے ہیں۔ اس حد تک مولوی وہاج الدین صاحب نے اپنے اسلوب کو شگفتہ بنا دیا ہے اس کتاب کو ہمارے یہاں کے ہر استاد کو نہایت غور سے پڑھنا چاہیئے اس کے پڑھنے سے ہمارے اساتذہ کے خیالات اور طریقہ درس و تدریس میں بڑی اصلاح ہو گی۔ کتاب کی کتابت اور طباعت بہت اچھی ہے اور کاغذ چکنا اور اچھا استعمال کیا گیا ہے یہ کتاب ہر سمجھدار اردو داں کے کتبخانہ میں رہنی چاہیئے۔ اور صرف کتب خانہ ہی میں نہیں رہنا چاہیئے بلکہ ایسے اصحاب اسکا بار بار مطالعہ فرمائیں تاکہ خیالات میں وسعت ہو اور ان کو نفسیات سے دلچسپی پیدا ہو اور اسطرح مسرت اور علم کا ایک نیا سرچشمہ ان کے ہاتھ آجائے یہ کتاب دارالمصنفین اعظم گڑھ سے ملتی ہے۔ قیمت غیر معلوم ہے۔

شذرات

سرکاری زنانہ کالج نام پلی حیدرآباد
مسز بارٹن نے انعامات تقسیم کئے

بروز پنجشنبہ ۱۶ ڈسمبر سہ پہر کو اعلیحضرت اقدس اعلیٰ خسرو دوراں غایت سے باغ عام کے ٹاؤن ہال میں زنانہ کالج کے تقسیم اسناد کا جلسہ منعقد ہوا۔ مسز بارٹن نے ازراہ عنایت انعامات تقسیم کئے۔ ٹاؤن ہال ایک وسیع عمارت ہے اور انگریز اور ہندوستانی بیبیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ مہمانوں کی تعداد چار ہزار خیال کی جاتی ہے۔ مسز بارٹن کی تقریر کو بیبیوں نے بڑے غور سے سنا اور مس آمنہ پوپ صدر کالج کی رپورٹ بھی بڑی دلچسپی سے سنی گئی جو انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں پڑھی گئی تھی

جب مسز بارٹن نے ٹاؤن ہال میں قدم رکھا تو ایک سب سے کمسن لڑکی نے ایرانی گلابوں کا گلدستہ ان کے سامنے پیش کیا۔ تقسیم انعامات کے بعد کالج کی طالبات نے عربی انگریزی۔ فارسی اور اردو کی نظموں۔ مکالموں اور عبارتوں کو سنایا۔ یہ چیزیں حاضرین کے لئے بہت دلچسپ تھیں جلسہ کے اختتام پر مسز بارٹن کو پھولوں کا ہار پہنایا گیا۔

مسز بارٹن نے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

مس پوپ اور سرکاری زنانہ کالج کی طالبات!

مجھے آج یہاں کے آنے سے بڑی مسرت ہوئی۔ آپ لوگوں سے ملنے کا یہ پہلا موقع نہیں ہے میں اپنے اس پر مسرت خیر مقدم کو کبھی نہیں بھولوں گی جو پچھلے سال آپ نے میرے کالج کے معائنہ کے موقع پر کیا تھا۔ اس دن جو اثرات میرے دل پر ہوئے تھے ان کو آج کی رپورٹ نے جو ہم نے ابھی سنی ہے اور بھی گہرا کر دیا ہے۔ اس رپورٹ کے سننے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ کالج کارگزاری اور باضابطگی کا ایک نمونہ ہے اور مجھے یہ سنکر بھی خصوصیت کے ساتھ خوشی ہوئی کہ جامعہ عثمانیہ سے اس کالج کا الحاق کر کے اس کے رتبہ کو بلند کر دیا گیا ہے۔

یہ خیال کہ مستورات کو محض سطحی تعلیم سے کچھ زیادہ گہری تعلیم کی ضرورت ہے ایک

نیا خیال ہے جو زیادہ دن نہیں ہوئے کہ ساری دنیا میں پیدا ہو چلا ہے۔ ایک [illegible] کسی بیوی کو کا بھنا۔ گھ داری اور ساتھ ہی ساتھ اتنا کافی حساب کتاب آگیا کہ وہ کھانے پکانے کا حساب رکھے تو یہ [illegible] تعلیم سمجھی جاتی تھی۔ اور اتنی ہی تعلیم سوسائٹی کی ایسی ہستی کے لئے جس کی "مملکت اس کا گھر ہوتا ہے"۔ دنیا حال ہی میں اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ گھر کو کمفن بنانے کے لئے دماغ اور دماغ بھی اچھی طرح ارتقا پایا ہوا درکار لازمی ہے۔ ذہین بچوں کی پیدائش کیلئے تعلیم یافتہ ماں اور تعلیم یافتہ باپ کی ضرورت ہے۔ جس لڑکی نے اعلیٰ اور وسیع تعلیم کے ذریعہ یہ بات سیکھ لی ہے کہ ریاضی کے ایک مسئلہ کو حل کرنے کی طرح کوشش کی جائے! جس نے تاریخ کے مطالعہ سے یہ راز بھی پالیا ہے کہ [illegible] قائم مزاجی اور ٹھنڈے دل و دماغ سے زندگی کے مسائل سے دست و گریبان ہونا چاہیئے ایسی لڑکی جس میں یہ بات بھی پیدا ہو گئی ہو کہ اپنے زمانہ کے کسی فلسفیانہ مسئلہ پر مضمون لکھنے کے وقت بدحواس نہ ہو۔ ایسی لڑکی کے لئے اپنے بچوں کے سوالات کا جواب دینا بالکل آسان ہوگا جب بچے اس منزل پر پہنچتے ہیں جہاں ان کے پاس صرف ایک سوال ہوتا ہے "کیوں"؟ اچھا اب دوسرے نقطۂ نظر سے دیکھئے یہ میں فرض کر لیتی ہوں کہ آپ سب لڑکیاں تعلیم یافتہ شوہروں کے ساتھ بیاہی جائینگی۔ ایسے تعلیم یافتہ شوہر اگر یہ توقع رکھیں کہ ان کی دلھنیں ایسی ہوں کہ ان کی دلچسپیوں میں شریک ہو سکیں ان کے کاموں کو سمجھ سکیں۔ اور روزمرہ کے معاملات پر ان سے گفتگو کر سکیں تو ایسی توقع ہرگز بیجا نہ ہوگی۔ شادی کی زندگی میں سیاں بیوی کا ہم خیال ساتھی بن جانا قناعت اور اصلی راحت کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے۔ میں تو یہ کہتی ہوں کہ علم و فضل کو بھی جانے دیجئے۔ مدرسہ کی زندگی سے جو ضبط کی [illegible] پیدا ہوتی ہیں وہ خود آئندہ زندگی میں خوشی کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ خوشی اور زندگی کے کارآمد بنانے کا راز یہ ہے کہ انسان اپنے نفس میں ضبط پیدا کرے۔ اپنے خواہشات اور خیالات پر قابو پالے۔ اور یہ راز یہ گر اور کسی طرح سے آسانی کے ساتھ نہیں سیکھا جا سکتا۔ جس طرح ایک باقاعدہ مدرسہ کے روزمرہ ضبط اور باہمی میل جول سے سیکھا جا سکتا ہے۔ اگر آپ لوگ اپنے مدرسہ

۔۔۔ ہی سیکھ لیں کہ کھیل کس طرح کھیلنا چاہیے تو بھی تمہارے مدرسہ کی تعلیم ۔۔۔
جیا۔ کیونکہ زندگی بھی ایک کھیل ہے۔ جس کو اچھی طرح کھیلنا چاہیئے۔

افتتاح مکان جدید، تقسیم لیونگ سرٹیفکیٹ وکتب انعامی کی تقاریب بسالانہ جلسہ
علمی جلسہ مولوی شیخ ابوالحسن صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ مہتمم تعلیمات ضلع سیدک کی صدارت سے
۱۸ر آذر ۱۳۳۶ف کو مدرسہ ہٰذا جگی پیٹھ ضلع سیدک میں منعقد ہوا۔ شرکاء کی تعداد کثیر تھی۔
حسب نظام العمل کارروائی عمل میں آئی۔ اور مسٹر کڑپاک وٹھوبا ساہو جو ہر سال بتقریب
جاترا ساٹھ روپے کے کتب و پارچہ جات۔ اور مولوی سراج الدین صاحب وکیل جو ہر سال
بتقریب جشن میلاد النبی صلعم نادار طلبائے مدرسہ کو ملبوسات کھدر تقسیم فرماتے ہیں" کا شکریہ ادا
کیا گیا۔ اور نیز مولوی محمد یوسف خاں صاحب گنہ دار کا شکریہ ادا کیا گیا۔ جنہوں نے مدرسہ کے
کتب خانہ کیلئے ایک الماری عطا فرمائی اور ان ساہوکاروں کا بھی فرداً فرداً شکریہ ادا کیا گیا جنہوں
نے مدرسہ کے لئے مبلغ تیس ۳۰ روپے کی پائدار گھڑی بطور عطیہ دینے کا وعدہ فرمایا اس کے بعد صدر صاحب
نے تعلیم پر ایک مبسوط تقریر فرماتے ہوئے اپنے طرف سے پچپن اور مدرسہ کی جانب سے بیس
اور سرکار کی حیثیت سے ستائیس کتب طلبائے مدرسہ کو تقسیم فرمائے اور اس کے بعد فارغ التعلیم طلبار
کو لیونگ سارٹیفکیٹ دیئے گئے۔ حاضرین کی تواضع نواکہات وچاء وغیرہ سے کی گئی اور طلبائے
مدرسہ کو شیرینی تقسیم کرنے کے بعد شب کے آٹھ بجے جلسہ برخاست ہوا۔

مدرسہ وسطانیہ سداسیو پیٹھ ضلع سیدک کا سالانہ جلسہ تقسیم انعامات بتاریخ ۱۸ر دے ۱۳۳۶ف
مولوی شیخ ابوالحسن صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ مہتمم تعلیمات ضلع سیدک کی صدارت سے
مدرسہ مذکور میں منعقد ہوا۔ مقامی عہدہ داروں کے علاوہ معززین اور ساہوکاروں نے شرکت
کی صدر مدرس صاحب نے مدرسہ کے سابقہ وحالیہ حالات کا اظہار کرتے ہوئے امداد اغراض

انجمن۔ ۔ ۔ کے لئے پبلک کی توجہ مبذول کرائی اور حاضرین میں سے اکثروں نے ا
فرمایا۔ سٹہ بلور۔ اسا سا ہوقصبہ مذکور نے ایک آئینہ دار قیمتی عمدہ الماری بحق انجمن و
دوسرے روز جملہ حا رین جلسہ بازیگاہ مدرسہ پر تشریف لائے اور ڈھائی گھنٹہ تک بانڈ کے
ساتھ قابل دید اسپورٹس ہوئے اور اس کے بعد صدر صاحب نے فصیح تقریر فرمائی اور بعد تقسیم انعامات
کتب درسی وغیرہ دستی مشاغل اور ڈرائنگ کے کام کی نمائش کا افتتاح فرمایا۔ اور بعد تقسیم شیرینی و دعائی
شکریہ جلسہ برخاست ہوا۔

یونین کلب مدرسہ تحتانیہ قصبہ بانسواڑہ ضلع نظام آباد میں ہفتہ میں ایک بار طلبائے مدرسہ
تعلیمی تقریریں کرتے ہیں۔ یہ ۔ ۔ ن بدن برق کی جارہی ہے۔ چنانچہ مسٹر فرامرزجی صاحب
صدر ایجنٹ آبکاری ضلع نظام آباد کو ایک وقت اس جلسہ میں شرکت کا موقع ملا۔ صاحب موصوف
طلبہ کی تقریر سے اس درجہ خوش ہوئے کہ پانچ روپیہ ماہانہ صرف ان طلبا کے انعام کے لئے مقرر
کردئے جو بہترین مضامین لکھکر پڑھا کریں۔ اسی طرح مقامی منتظم صاحب پولیس نے بھی ایک
موقع پر دس روپے انعام تعلیمی اسباب کے لئے عطا فرمایا۔ اور مولوی حبیب محمد صاحب سرکل
انسپکٹر کوتوالی نظام آباد نے بھی بتقریب دورہ مدرسہ مذکور کے مجلس کے لئے دس روپے بطور
انعام عطا فرمائے۔

مدرسہ تحتانیہ درجہ اول قصبہ لدنور تعلقہ چدیال ضلع نلگنڈہ کا پہلا۔ الاؤ جلسہ ۲۰ روپے ۳۹ف
کو راؤ صاحب پٹواری کی صدارت سے مدرسہ میں منعقد ہوا۔ چمن مدرسہ میں ایک خوبصورت شامیانہ
بنائی گئی تھی۔ شرکاء کی تعداد تین سو تھی۔ جلسہ کا آغاز حمد و نعت سے کیا گیا۔ اس کے بعد صدر
مدرس صاحب مدرسہ نے علم پر ایک مدلل تقریر کی اور ساتھ ہی ساتھ قیام دارالمطالعہ کی تحریک
پیش کی جس پر مسلمانان موضع مذکور نے ڈھائی سو روپے کا نقد چندہ دیا اور مزید چندہ کی

کی زینت ہوئی ۔ بعد دعائے سلامتی حضرت اقدس اعلیٰ جلسہ برخاست ہوا۔

مدرسہ تحتانیہ سنگم تعلقہ وضلع گلبرگہ کا ایک علمی جلسہ حسب عمادر آمدز ۔۔۔ مسٹر جے مورتی شاستری متعلم ہندو یونیورسٹی بنارس ۱۲ ار دے ۳۶ ف شب کے دس بجے منعقد ہوا۔ جلسہ کا آغاز نظم سے ہوا۔ اور اس کے بعد شاستری صاحب نے کنٹری میں تقریر فرماتے ہوئے حاضرین کو علم کی ترغیب دلائی۔ اس کے بعد طلبائے مدرسہ نے ایک ڈراما کیا۔ جس سے حضار محفل بے حد محظوظ ہوئے۔ شرکا کی تعداد (۵۰۰) تھی۔ اس جلسہ کے بانی مل شٹی صاحب مالی پٹیل ہیں جو معاملات مدرسہ میں نہایت دلچسپی لیتے ہیں۔

---

۴ ار دے ۳۶ ف کو مدرسہ تحتانیہ کیسوار ضلع گلبرگہ کا پہلا سالانہ تعلیمی جلسہ منعقد ہوا مدرسہ کے باہر ہر دو جانب نہایت عمدہ کمانیں آراستہ کی گئی تھیں۔ اندرونی حصہ میں شامیانہ نصب کیا گیا تھا۔ اور کمپونڈ کو مختلف تصاویر اور نقشوں سے زینت دی گئی تھی اور اس میں حضرت اقدس اعلیٰ کی تصویر نہایت احترام کے ساتھ موزوں و واضح مقام پر لگائی گئی تھی۔ مولوی محمد بعلیضا وکیل صدر جلسہ تھے۔ قرأت آیات ربانی سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ صدر صاحب نے خطبہ صدارت پڑھنے کے بعد غریب و نادار محنتی طلباء کو بارہ تختیاں (سلیٹ) اور آٹھ ٹوپیاں تقسیم کیں اور بعد دعائے سلامتی حضرت اقدس اعلیٰ و شہزادگان بلند اقبال جلسہ برخاست ہوا۔

مدرسہ تحتانیہ قصبہ کشنور ضلع بیدر کا موجودہ مکان ناکافی ہے اس لئے شیخ محبوب صاحب سوداگر قصبہ مذکور نے اپنے رہنے کا ذاتی مکان مدرسہ مذکور کے لئے وقف کر دیا ہے اس موقع پر سیٹھ صاحب موصوف نے مدرسہ کے تمام بچوں کو قلم، کاغذ، دواتیں، پنسلیں، کاپیاں وغیرہ بھی عطا فرمائیں۔

مدرسہ تحتانیہ اینگلہ تعلقہ وضلع گلبرگہ میں ۱۰ اکتوبر ۳۶ف کو مسٹر رے چاصاحب ڈپٹی صدارت سے جلسہ منایا گیا جو شہر کا کا مجمع تھا جلسہ کا آغاز قرأت آیت ربانی سے اور کنڑی میں اُن حضرات نے تقریریں فرمائیں اور عبدالکریم صاحب مدرس مدرسہ مذکور کی تحریک اور شری کی تائید پر انجام کتبخانہ کیلئے بیس روپے کا چندہ فراہم ہوا اور بعض نے دینے کا وعدہ فرمایا۔ صدر نشین صاحب کی تقریر اور مہاراج موصوف کی گل پوشی اور تقسیم اسناد و مڈل مدرسہ مذکورہ و دعائے سلامتی حضرت اقدس اعلیٰ کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

مدرسہ وسطانیہ بنجلیگاؤں ضلع بیڑ میں ۲۰ مہر ۳۵ف کو مسٹر کاشی ناتھ راؤ صاحب بی۔ اے بی ایل بی منصف مذکور کی صدارت سے جلسہ منایا گیا جس میں تمام مقامی عہدہ داران وکلا ساہوکاران وغیرہ شریک تھے۔ اس جلسہ میں صدر مدرس صاحب مدرسہ مذکور نے فوائد علم سے متعلق نہایت فصیح تقریر فرمائی اور مستعلیج حاضرین جلسہ سے طلبار کے لئے امداد کے طالب ہوئے اور تین سو روپے چندہ جمع ہوا۔ اور مدرسہ میں مستقل طور پر پور فنڈ کا افتتاح ہوا اس رقم سے طلبار کو درسی کتب اور (۱۰۸) طالب علموں کو ایک ایک جوڑا کپڑوں کا دینا طے ہوا۔ اور بعد دعائے ترقی عمر و درجات حضرت اقدس واعلی و شاہزادگان والاتبار جلسہ ختم ہوا۔

---

۱۲ مئی ۳۶ف کو مدرسہ تحتانیہ قصبہ عثمان نگر تعلقہ قندھار ضلع ناندیڑ میں مولوی سید ساجد علی صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی مہتمم تعلیمات ضلع مذکور کی صدارت سے صاحب موصوف کی گل پوشی کے بعد خدا کی حمد سے تعلیمی جلسہ کا آغاز کیا گیا۔ ضروریات مدرسہ اور سوں تعلیم کے متعلق کئی تقاریر ہوئیں۔ اس کے بعد طلبار کے دستی تیار شدہ اشیار کی نمائش کا افتتاح کیا گیا۔ اور صدر صاحب نے نمائش کا ملاحظہ کرتے ہوئے طلبار کی دستکاری پر اظہار خوشنودی اور ضروریات مدرسہ کے پورا کرنیکا وعدہ فرمایا اور نمائش کا سب سے پہلا انعام رامچندر راؤ طالب علم جس نے

روشن ... ت ا، وغیرہ نہایت عمدہ صفائی سے تیار کئے تھے عطا فرمایا اور دوسرا انعام بھی دیا گیا اور صدر صاحب کی عالمانہ تقریر کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

---

۱۶ آذر ۱۳۳۶ف کو مدرسہ سلطانیہ عادل آباد کا جدید عمارت مدرسہ میں مولوی سید محمد وجیہ الدین صاحب تحصیلدار ضلع مذکور کی صدارت سے جلسہ بنایا گیا۔ آیات قرآنی سے جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ تعلیم قومی ہمدردی۔ ترقی صنعت وحرفت وغیرہ پر نہایت مؤثر تقریریں ہوئیں۔ آخر میں چار شیرینی سے عزیز مہمانوں کی تواضع کی گئی اور دعائے ترقی عمر واقبال حضرت حضور پرنور بندگانعالی وشہزادگان والاتبار کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

یہ تصفیہ ہوا ہے کہ سال آئندہ ماہ جنوری سے انگلستان اور ہندوستان میں ہوائی جہاز کی باقاعدہ سروس قائم کردیجائے۔ اس دور دراز سفر کے لئے خاص قسم کے ہوائی جہاز تعمیر ہورہے ہیں۔ جن میں مسافرین کئی ہزار میل کی مسافت چند دن میں آرام و آسائش کے ساتھ ختم کرسکینگے۔ اس وقت بمبئی سے لندن پہنچنے میں کم سے کم دو ہفتہ لگتے ہیں۔ لیکن ہوائی جہاز کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ چار دن میں لندن پہنچنا مشکل نہ ہوگا۔

پنجاب کے وزیر زراعت کا خیال ہے کہ پنجاب میں ایک خاندان کی پرورش کے لئے ... زمین کافی ہوتی ہے برخلاف اس کے جاپان میں ایک خاندان تین ایکڑ زمین میں اپنی زندگی بسر کرلیتا ہے۔ اس کا بڑا سبب یہی ہے کہ ہمارے ہاں زراعت پرانے طریقہ پر کیجاتی ہے۔ پیداوار میں ترقی نہیں ہوتی لیکن جاپان میں پیداوار میں برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ بمقابلہ سابق جاپان کی پیداوار میں اس وقت پچاس فی صدی اضافہ ہوگیا ہے۔ یہ عمدہ تعلیم کا نتیجہ ہے۔

گاہ پریتن ہال بمبئی میں حال میں ایک جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں [illegible] کو [illegible] نمائندوں نے حصہ لیا اور امراض خبائث اور بچوں کی موت کے متعلق

اس جلسہ میں ڈاکٹر لیس صاحب نے اپنے دوران تقریر میں فرمایا کہ حاملہ عورتوں کا امراض خبائث میں مبتلا ہو جانے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ پچھتر فی صدی بچے پیدائش کے قبل موت کا شکار ہو جاتے ہیں یعنی پچھتر فی صد حمل ساقط ہو جاتے ہیں اور جو بچے پیدا ہوتے ہیں ان میں بہت سارے پورے سال گرہ بھی نہیں دیکھنے پاتے۔ ڈاکٹر صاحب نے نہایت شدومد سے رائے دی ہے کہ اس اتلاف جنین کا سدباب اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ امراض خبائث کی روک تھام ہو۔

حکومت ایران آج کل اقتصادی و تجارتی حالات کو ترقی دینے میں منہمک ہے اس نے جرمنی یونکرز ایجنسی سے ہوائی جہازوں کے متعلق ایک سمجھوتہ کیا ہے جس کی مدت پانچ سال مقرر کی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایجنسی مذکور طہران و انزلی کے درمیان اور اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر ہوائی جہازوں کے مختلف کارخانے کھولیگی جہاں جہازوں کی اصلاح اور درستگی ہوگی اور ایران میں طیارے تیار کئے جائینگے اس کے علاوہ ایک اسکول بھی کھولا جائے گا جہاں ایرانی باشندوں کو ہوائی جہازوں کے بنانے کا ڈھنگ سکھایا جائیگا اور کوشش کی جائیگی کہ خود ایران میں ماہرین قوائے فضائی اور ہوشیار انجنیر پیدا ہوں۔ جس سے آئندہ ملک و قوم کی ترقی ہو۔

ہز ہائی نس مہاراجہ گائیکواڑ بڑودہ نے بڑودہ کے لئے علیحدہ جامعہ کے قیام کا اظہار کرتے ہوئے ایک کمیشن مقرر کیا ہے جو بسلسلہ تحقیقات آج کل حیدرآباد آیا ہوا ہے

تاریخی و بیاگرفیکل اٹلس دولت آصفیہ

اس میں ملک، بحار عالی اور اس کے جملہ اضلاع وغیرہ بالکل ہوں مستعمالات اور اکثر نقشہ جات نہایت صحت کیساتھ طبع ہوئے ہیں اور ہر نقشہ کے حاشیہ پر اسکے متعلقہ جغرافی حالات بالتفصیل درج کئے گئے ہیں ناظرین اٹلس ہذا کو اجازت ہے کہ ہر ایک حصہ ملک کے متعلق جغرافی معلومات کے لئے کسی مزید جغرافیہ کے دیکھنے کی ضرورت ذہن میں نہ ہوگی یہ پہلا موقع ہے کہ اس اہتمام کیساتھ ہمارے ملک کا اٹلس طبع ہوکر پیش ناظرین ہو رہا ہے۔ ملک کے قدردان اصحاب اور مدارس کے طلباء و مدرسین اس نادر تحفہ کے طلب کرنے میں عجلت سے کام لیں گے تاکہ موجودہ نسخے ختم ہونے پر انہیں طبع ثانی کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ اس اٹلس کی قیمت صرف ایکروپیہ چار آنہ ہے اس اٹلس کو صدر مساعی جناب کتب صدر دفتر نظامت تعلیمات سرکار عالی منعقدہ ماہ آبان ۱۳۳۵ف نے کل مدارس سرکار عالی کے کتب خانوں کے لئے منظور فرمایا ہے۔

المشتہر سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر و مالک اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکھن

اردو

نستعلیق ٹائپ

(میں)

رُوح جاپان

نواب مسعود جنگ بہادر

کا

مرکز الاتحاد الکبیر جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے

اور

اس اردو نستعلیق ٹائپ میں چھپنا قابل دید ہے ایسا نستعلیق ٹائپ ابھی تک تیار نہیں ہوا تھا بلحاظ طباعت روح جاپان ایک شاہکار کتاب ہے اور بلحاظ مضمون بھی جاپان کی روح کی تفسیر ہے اس طرح یہ رسالہ آنکھ اور دماغ دونوں کی غذا ہے۔

بقیمت فی نسخہ صرف (۱) روپیہ علاوہ محصول ڈاک

دفتر رسالہ "المعلم" حیدرآباد کن سے طلب کیجئے

بچوں کا قاعدہ

مرتبہ سجاد مرزا ایم۔ اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات۔ صوبہ کلبہ
(داخل نصاب سررشتۂ تعلیمات صوبۂ متوسط و برار)

(اقتباس از چند آرا)

ڈاکٹر سر محمد اقبال۔ اقبال

جہانتک میں اندازہ کرسکا ہوں آپکا قاعدہ صحیح علمی اصول پر مبنی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپکا مجوزہ طریق پر بچوں کے لیے نہایت مفید ثابت ہوگا۔ میں بھی انشاء اللہ اپنے بچے پر اسکا تجربہ کرونگا۔

**مولوی علی اکبر صاحب بی۔ اے (کنٹب)
صدر مہتمم تعلیمات بلدہ**

آپکا (قاعدہ) دیدہ زیب ہے اور چھوٹے لڑکے لڑکیوں کا دل بھاتا ہے۔ میرا لڑکا جس کی عمر تقریباً پانچ برس کی ہے آپ ہی کا قاعدہ پڑھ رہا ہے اور اس قاعدہ کو اس قدر پسند کرتا ہے کہ اسکے خراب ہونے کے ڈر سے دوسروں کو چھونے تک نہیں دیتا۔ اگر مدرسین آپکی ہدایات کے مطابق احتیاط سے عمل کریں تو بیشک آپ کا قاعدہ جماعت صغیر کے طلبہ کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا۔

**مسٹر اینگلر صاحب۔ صدر مہتمم
مدارس نسوان حیدرآباد دکن**

میں نے ازخود آپ کا قاعدہ خرید لیا اور میرا ارادہ ہے کہ اس کو اپنے تمام مدارس میں رائج کردوں۔

**مولوی فیروز الدین صاحب مراد
پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ**

آپ کا قاعدہ بہت عمدہ اور دلچسپ ہے افتتاح یونیورسٹی پر میں اسکو یہاں کے مدرسہ میں رائج کرانے کی کوشش کرونگا۔

یہ قاعدہ جو اپنی آپ نظیر ہے اور صوبہ متوسط و برار میں داخل نصاب ہوچکا ہے ہمارے ڈپو سے بقیمت ۴ فی نسخہ ملسکتا ہے۔ مدارس و تاجران کتب کو مناسب کمشن دیا جاتا ہے۔ ہمارے بک ڈپو میں نہایت عمدہ انگریزی کتب و بچوں کی دلچسپی کے تمام قسم کی اسٹیشنری کا سامان وہ اور ارزاں موجود ہے۔ ۱۹۲۷ء کے عجیب و غریب کیلنڈر و دلکش و دلگذار تصاویر و پوسٹ کارڈ کا بہترین ذخیرہ ہے

دی حیدرآباد بک ڈپو حادر گھاٹ حیدرآباد دکن

جلد سوم
نمبر ۸

المعلم

ماہ اسفندار و فروردی سنہ ۱۳۳۶ف

مدیر ..... محمد سجاد مرزا۔ یم۔ اے (کنٹب)

شریک ..... محمد عظمت اللہ خاں۔ بی۔ اے

اعظم اسٹیم پریس چارمینار

حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہونگے۔ سیاسی یا مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوا کرے گا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں

(۴) جو مضامین قابل طبع متصور ہوں گے ان کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (ہے) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائے گی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ پانچ آنے کے بکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائے گا۔

(۷) جوابطلب امور کے لئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری ہوگی۔

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے رقم وصول ہونے پر اشتہار طبع کئے جائیں گے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	۵	۸	۸
سہ بار	۱۴	۸	۸
ششماہ	۲۵	۱۵	۸
سالانہ	۴۵	۲۵	۱۵

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ موسومہ شریک مدیر پتہ ذیل پر ہونی چاہئے۔

محمد عظمت اللہ خاں بی اے۔ شریک مدیر

دفتر رسالہ المعلم بلگرامی ہوز سانچہ توپ

حیدرآباد دکن

فہرست مضامین العلم

بابتہ ماہ اسفندار و فروردی سنہ ۱۳۳۶ف

(۱) خطبہ صدارت انڈین سائنس کانگریس	از سر آگریش چندر بوس ترجمہ شریک مدیر	(۱ تا ۱۵)
(۲) خطبہ صدارت میرٹھ یونی ورسٹی	سر لیپی سی رائے " "	(۱۶ تا ۴۱)
(۳) نگہداشت اطفال	از مولوی محمد حسین صاحب جعفری بی اے (کن) نائب ناظم تعلیمات سرکار عالی	(۴۲ تا ۵۰)
(۴) نئی تعلیم کا آئینہ	از مسٹر رام پرشاد بی اے اسسٹنٹ ماسٹر ہائی سکول ہمیر پور یوپی	(۵۱ تا ۵۹)
(۵) دیہی مدارس اور ابتدائی تعلیم	از مولوی محمد عبدالحق صاحب بی اے ممتحن پروفیسر جاگیرداری کالج بیگم پیٹ	(۶۰ تا ۷۱)
(۶) کس طرح تعلیم دینی چاہیے	از مسٹر آلڈس ہکسلی ترجمہ مدیر	(۷۲ تا ۷۵)
(۷) **عملی ورس و تدریس**		
(۱) تعلیم اعداد و شمار	از مسٹر بسنتی لال بی اے بی ٹی گارڈنر پروفیسر عثمانیہ ٹریننگ کالج حیدرآباد	(۷۶ تا ۸۳)
(۲) سایہ۔ دنوں کے چھوٹے بڑے ہونے کے متعلق سبق	از مولوی عبدالغفور صاحب بی اے بی ٹی گارڈنر پروفیسر عثمانیہ ٹریننگ کالج حیدرآباد	(")
(۸) عجائب حساب نمبر ۵	مولوی نصیر احمد صاحب بی ایس سی بی ٹی گارڈنر پروفیسر سائنس جامعہ عثمانیہ سرکار عالی	(۸۴ تا ۸۷)
(۹) سورا و زمہرنی	" " "	(۸۸ تا ۸۹)
(۱۰) تبصرے	شریک مدیر وغیرہ	(۸۹ تا ۹۲)
(۱۱) شذرات	مدیر	(۹۲ تا ۹۶)

اسلام کی حقیقی

اور

سچی تعلیم

کو واضح کرنے کے لئے جمعیۃ علما کے اخبار الجمعیۃ میں یک پر از معلومات سلسلہ مضامین شروع کیا جا رہا ہے۔ جو مخالفین کے لئے مشعل ہدایت اور مسلمانوں کے لئے ازدیاد بصیرت کا ذریعہ ہوگا

اگر آپ چاہتے ہیں کہ صلح و جنگ کے احکام کو صحیح اسلامی تعلیم کے مطابق پڑھیں اور سمجھیں اور ہندوستان کے تمام قومی و مذہبی معاملات میں سچی رہنمائی سے مستفید ہوں تو فوراً ۲ر فروری ۱۹۲۷ء سے اخبار الجمعیۃ کو التزام سے پڑھئے۔ اور اپنے احباب و اقربا کو پڑھائیے اور سنائیے۔ ہر مسلمان کا قومی اور مذہبی فرض ہے کہ اس حق کی آواز کو دوسرے مسلمانوں تک پہونچا دے۔ بالخصوص اس وقت ائمہ مساجد کی اسلامی خدمت یہی ہے کہ جمعہ کے روز الجمعیۃ کے مضامین مسلمانوں کو سنا کر ان میں اسلامی تعلیم کی سچی واقفیت پیدا کریں"

(مولانا) احمد سعید (ناظم جمعیۃ علما ہند دہلی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۳	بابتہ ماہ اسفندار و فروردی سنہ ۱۳۳۶ ف	نمبر ۸۹۷

خطبۂ صدارت

انڈین سائنس کانگریس

سر جگدیش چندر بوس کی وہ بزرگ ہستی ہے جس نے اپنی سائنٹیفک سرگرمیوں سے ایک طرف یہ ثابت کر دیا کہ ہندوستانی دماغ فطرت کے تاریک سے تاریک خزانوں میں سے علمی جواہر نکال سکتا ہے۔ اور دوسری طرف اپنے ہموطنوں کو وہ صحیح راستہ ترقی کا دکھایا ہے جس پر چلنے سے ہندوستانی فطرت کی قوتوں کو اپنے قابو میں لا سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اصلی ترقی کا راستہ، اصلی آزادی کا راستہ سر جگدیش چندر نے اپنے چہل سالہ کام سے ہندوستانی نوجوانوں کے لیے کھول دیا ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جو اصلی قوت کے سرچشمے تک لے جا سکتا ہے۔ ہندوستانی آزادی اس وقت تک ایک خواب رہے گی جب تک ہندوستانی دماغ یورپ کی طرح فطرت کی قوتوں کو میکانی آلات کے ذریعہ قابو میں لا کر ان سے کام نہیں لے سکے گا۔ یورپ نے اس وقت بھاپ، بجلی اور ریڈیو کو قابو میں کر لیا ہے اور ہندوستانی دماغ اب اس قدر

پست ہوگیا ہے کہ ایک گھوڑے کو جو ایک فطری قوت ہے سدھانا تک بھول گیا ہے
ایسی صورت میں سیاسی غلبہ صرف بے معنی ہی نہیں بلکہ ہندوستانی آبادی کے یکجان
ہونے میں مانع ہوتی جارہی ہے۔ ہندوستان میں جو نظام تعلیمی قائم اور جاری ہے اس کو بھی
اگر اسی کسوٹی پر کسا جائے تو یہ افسوسناک نتیجہ نکلتا ہے کہ لکھوکھا انسانوں بھرے دماغ فضولیات کی
درس و تدریس سے نکلے اور اپاہج رہے ہیں۔ سخت ضرورت ہے کہ سر جگدیش چندر بوس نے
جس راستے کو اپنی عمر بھر کی محنت اور کاوش کے بعد کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے
اس کو پیش نظر رکھ کر ہندوستانی تعلیمی نظام کو یک لخت بدل دیا جائے اسی مسئلہ کو سر رامن نے
اپنے خطبہ صدارت میں عملی پیرایہ میں بیان کیا ہے، اسی لئے سر جگدیش کے خطبے کے بعد
سر رامن کا جامعہ میسور والا خطبہ پیش نظر کیا گیا ہے۔ یہ دونوں ایسی صداقت بھری
آوازیں ہیں کہ ان کی گونج ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہونچنی چاہئے اور ہماری تمنا ہے کہ
ان انمول خطبوں کو ہمارے اساتذہ نہایت غور سے پڑھیں گے اور پڑھنے کے بعد ان پر
غور کریں گے اور کامل غور کے بعد سائنٹی فک رجحان کو اپنے شاگردوں میں جہاں تک
ممکن ہو جگائیں گے۔ عمدہ اور اصلی تعلیم کا دارومدار کسی نصاب یا نظام تعلیمی پر نہیں ہے
بلکہ اساتذہ پر ہے۔ اگر ہندوستان بھر کے اساتذہ سائنٹی فک اس پرٹ کے پیدا کرنے
تل جائیں تو بہت جلد ہندوستان کی تعلیم کی کایا پلٹ ہو جائے گی۔

شریک مدیر

انڈین سائنس کانگریس کی صدارت کی صورت میں مجھ سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ میں اپنی تحقیقات کے متعلق
ایک مسلسل کیفیت پیش کروں ان تحقیقاتوں کو تقریباً ایک تہائی صدی سے میں نے جاری رکھا ہے
ان سے جو نتائج برآمد ہوئے ہیں انہوں نے اس اہم کلیہ کو قائم کر دیا ہے کہ جان باوجود مختلف
صورتوں کے دراصل ایک ہے اس کو آپ کلیہ وحدت حیات کہہ سکتے ہیں۔ اس کلیہ سے یہ نتیجہ بھی
اخذ ہوتا ہے کہ جس طرح زندگی باوجود بوقلمونی کے ایک ہے اسی طرح انسان کی کوششوں میں بھی وحدت

اور یکسانیت ہونی چاہئے۔ دوسرے یہ کہ مملکت نفس میں نہ تو حدود ہونی چاہئیں اور نہ تفرقے۔ میں اس کو قوانین فطرت کی غلط تعبیر سمجھتا ہوں کہ ارتقاء کا جز محض مقابلہ اور کشمکش کو سمجھا جائے میرے خیال میں زندگی کے نظام میں باہمی مدد اور مل جل کر کام کرنا مقابلہ سے زیادہ قوی اور سود مند چیز ہے۔

اس خیال سے زیادہ کوئی خیال غلط اور جاہلانہ نہیں ہو سکتا کہ دنیا کے علم کی ترقی کو کسی خاص نسل سے وابستہ سمجھا جائے۔ اس عالم کا ہر حصہ ایک دوسرے سے گتھا ہوا ہے اور صدیوں اور قرنوں کے دوران میں ایک مسلسل دریا خیال کا بہتا رہا ہے جس نے نوع انسان کے مشترکہ ورثہ کو قیمتی اور انمول بنا دیا ہے۔ اسی آپس کے تعلق کے احساس نے انسانیت کی زبردست عمارت کو قائم رکھا ہے اور اسی نے تمدن کو تسلسل اور ہمیشگی عطا کی ہے۔ ہیل لاس کے گرمیوں اور مشرق کے آریوں نے یہاں اسی صوبہ کے قدیم شہر ٹکسی لا میں ملاقات کی اور آپس میں اپنی بہترین چیزیں ایک دوسرے کو دیں۔ بہت سی صدیوں کے بعد مشرق و مغرب نے پھر ملاقات کی ہے اور ان دونوں تمدنوں کی بزرگی کی سب میں بڑی کسوٹی یہ ہوگی کہ اس تصادم کے بعد دونوں تمدن زیادہ نفیس اور بہتر بن جائیں۔ جب میں نے چالیس برس ہوتے ہیں کہ اپنا تحقیق کا کام شروع کیا اس وقت عام طور پر لوگوں کی یہ رائے تھی کہ ہندوستانی دماغ ایک نہایت خاص ساخت کا واقع ہوا ہے اور وہ ہمیشہ مطالعہ فطرت سے منہ موڑ کر مابعد الطبیعات کے خیالی مسائل کی جانب منہمک ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کو جادو اور پُراسرار روحانیات کی سرزمین سمجھا جاتا تھا جہاں اصلی علم میں کسی قسم کی پیش قدمی کی توقع ہی نہیں ہو سکتی تھی یہ جبلی نااہلیت کی رائے کچھ مسمریزی اثر رکھتی تھی جس کو توڑنے کے لئے سالہا سال کی محنت درکار تھی۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں اب یہ دیکھتا ہوں کہ صرف ہندوستان کا ایک ہی صوبہ نہیں بلکہ ہر صوبہ علم کی پیش قدمی میں اپنی اپنی بساط بھر حصہ لے رہا ہے اور وہ بھی علم کے ایک نہیں بلکہ مختلف شعبوں میں۔ اور اس کا ثبوت اس سائنس کانگریس کی مختلف شقوں کی وہ سرگرمیاں ہیں جو ہمارے سامنے ہیں۔

ہندوستان کا خداداد عطیہ واقعہ تو یہ ہے کہ سائنس نہ مشرق کی میراث ہے نہ مغرب کی۔

اس کو ایک بین قومی وسعت حاصل ہے تاہم ہندوستان نے اپنی خاص دماغی عادات اور اپنے موروثی ذہنی عطیات کی بدولت جو نسلاً بعد نسلٍ ودیعت ہوتے چلے آئے ہیں۔ اپنے آپ کو علم کی توسیع میں زبردست اضافوں کے لئے بطور خاص موزوں ثابت کیا ہے۔ وہ بجلی کی طرح بے تاب تخیل جو ظاہر امتضاد واقعات میں ایک تنظیم اور ترتیب پیدا کردے ہندوستانیوں میں موجود ہے اور اس کو ایک مرکز پر توجہ کو قائم کرنے کی عادت ڈالنے سے قابو میں کیا جاسکتا ہے۔ اس روک تھام سے انسان میں وہ طاقت پیدا ہوجاتی ہے جو دماغ کو علم اور حقایق کی طلب میں غیر محدود صبر عطا کرتی ہے۔ بڑے بڑے اکتشافات کے لئے جان ڈالنے والے تخیل صاف اور واضح چشم باطن ایجاد اور تجربہ کے زبردست اور اعلیٰ ترین قوی ذہنی کی ضرورت ہے۔ درخت کے اندرونی جان کے کل پرزوں کو فاش کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت داعی ہوتی ہے کہ آدمی خود درخت بن جائے اور درخت کے پھڑپھڑاتے دل کی لہروں کو محسوس کرے۔ اس بصیرت باطنی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی تنقید اور جانچ پڑتال تجربے کے نتائج سے کی جائے کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے گا پھر ممکن ہے کہ یہ باطنی بصیرت ایسے وسیع خیالی میدانوں میں لے جائے جہاں عقل کی صحت باقی نہ رہے جو شخص اس طرح اپنے تخیل کی روک تھام اور جانچ پڑتال کرے وہ اس جکڑ بند کے ساتھ بھی ایسے خطے میں قدم رکھ رہا ہے جس کی ہر چیز انتہائی اچنبھے سے بھری ہوتی ہے اس وقت بھی کہ فطرت کے ایسے میدانوں میں وہ پہونچے جہاں کی آوازیں سنائی نہ دیتی ہوں ایک صاحب تخیل اور ماہر تجزیہ شخص اس ان سنے پیغام کو جو نہایت ہلکی لہروں میں نمودار ہوتا ہے، یکجا کرسکتا ہے۔ اپنے حواس کی حد بندی سے وہ ڈرتا نہیں اس کو ایسے مصنوعی حس کے اعضا پیدا کرنے پڑتے ہیں جن کی عام خیال میں نہیں آسکتی ہے اور جن کے بنانے کے لئے ایجاد کی خداداد قابلیت اور خاص ہنر کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں یہ کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ سائنس کے میدان میں ہندوستانی کام کرنے والوں نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ان میں چشم باطن، تجرباتی کمال اور زبردست قوت ایجاد موجود ہے جن کی وجہ سے وہ سائنس کو آگے بڑھانے کی خاص اہلیت رکھتے ہیں۔

معاشیاتی خطرہ | ہندوستان کی موجودہ بے چینی یورپ کی بے چینی کی طرح شدید معاشی ہیجان کا نتیجہ ہے۔ چونکہ ہندوستان ایک بڑا اور آباد ملک ہے۔ یہ خطرہ یہاں اور ملکوں سے زیادہ شدید ہے میں نے اپنے یورپ کے سفر کے دوران میں یہ دیکھا کہ ناروے اور ڈنمارک میں عملاً عربت مفقود ہے یہ معجزہ سائنس کی بدولت ظہور میں آیا ہے اور اُن ملکوں کے قدرتی ذرایع سے جہاں تک ممکن ہے کام لیا جاتا ہے۔ ہندوستان جیسی ایک بڑی اقلیم کی معاشی بہبودی کا دارومدار دو سرگرمیوں پر ہے جن کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ ہے یہ دو سرگرمیاں زراعت اور صنعت ہیں بارش چونکہ قابو نہیں ہے اس لئے صرف زراعت پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا برخلاف اس کے معدنی ذرایع سے تجارتی کام لینے کا میدان نہایت وسیع ہے اور انہیں ذرایع کی وجہ سے ہر قسم کی صنعت و حرفت فروغ دیا جاسکتا ہے ہندوستانی جامعوں سے ایک بڑی تعداد ایسے نوجوانوں کی نکل رہی ہے جو سائنس کے طریقوں کی تربیت حاصل کرچکی ہے اور جو ملک کے قیمتی دماغی جواہر ہیں اور جن کو فی الحال اپنی سرگرمیوں کے لئے کوئی میدان نہیں ملتا۔ اعلیٰ تدبیر کا بڑا فریضہ یہ ہے کہ وہ معاشی خطرہ پہلے سے ٹال جائے اور حکومت کی پالیسی کو اس طرح ڈھالے کہ ہندوستان کے تربیت یافتہ نوجوان اور ہندوستان کی زبردست ثروت جو اس وقت کام میں نہیں لائی جاتی ہے ملک اور فرزندان ملک کی منفعت کے لئے پوری طرح کام میں لائی جائے۔

پودوں اور حیوانوں کے کل پرزے | پودے کی زندگی کے کل پرزے ظاہراً مشکل نظر آتے ہیں اور یہ اب تک سمجھا جاتا رہا کہ پودے کے کل پرزے حیوانوں کی جسمانی مشین سے جداگانہ ہیں اس لئے کہ جانور چلتے پھرتے ہیں اور ان کا جسم جان کی حرکت سے لبریز رہتا ہے۔ ان عام خیالات کے خلاف میرا یہ راسخ عقیدہ تھا کہ پودے کی جان کے کل پرزے دراصل جانوروں کے سے ہی ہیں اس عقیدہ کا سائنٹی فک طریقہ سے ثابت کرنا ایک ایسے کلیہ کا قائم کرنا تھا جس کی اہمیت کی کوئی حد نہیں کیونکہ اس کے ثابت کرنے میں کامیابی کے حاصل ہونے کے بعد یہ لازمی طور پر نتیجہ نکلتا ہے کہ جانوروں کی جسمانی مشین کے زیادہ پیچیدہ کل پرزے جو اب تک سمجھ میں نہیں آئے ہیں ضرور ہی

رشتہ انسان کی سمجھ سے باہر رہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حیوانی زندگی کے پیچیدہ مسائل خود بخود فطری طور پر نباتی زندگی کے سادہ تر اور مماثل مسائل کے حل ہونے پر واضح ہو جائیں گے۔ دوسرے الفاظ میں اس کے یہ معنی ہوں گے کہ عام عضویات زراعت، طب، اور نفسیات کے علوم میں بھی ایک زبردست پیش قدمی ممکن ہو جائے گی۔

اوضاع اور افعال جاندار ہستی کا ہر عضو ایک آلہ ہے جو ایک خاص فرض ادا کرتا ہے۔ عضویات کے مطالعہ میں ہم خاص طور پر ان کی تشریح کرتے ہیں اور اوضاع سے بحث نہیں کرتے۔ دردسورا ایک کرم خور پودہ ہے۔ اس کے پتوں پر بال سے ہوتے ہیں جن میں سے ایک چپچپا رطوبت نکلتا ہے یہ چپچپ کیڑوں کو پکڑ لیتا ہے اور جب کیڑا اپنے کو چھڑانے کے لئے ہاتھ پیر مارتا ہے تو آس پاس کے بال اوپر جھک آتے ہیں اور اپنے شکار کو دبوچ لیتے ہیں تھوڑی سی دیر میں کیڑے گھل سے جاتے ہیں اور پودہ ان کو ہضم کر جاتا ہے جانور کا معدہ زیادہ پیچیدہ اور جسم کے اندر لپٹا لپٹایا ہوتا ہے اور اس کے مقابل میں اس پودے کا سیدھا سادہ کھلا ہوا ہضم کرنے والا عضو نہایت ہی مختلف نظر آتا ہے۔ ایک اور پودہ ڈی اونیا ہے اس کے کھلے ہوئے پتے کے دو برابر کے حصے ہوتے ہیں اور یہ دونوں حصے آپس میں مل کر ایک دونا سا بن جاتے ہیں اور یہ دونا بالکل منھ کا کام دیتا ہے اور کیڑے کے پھنس جانے کے بعد منھ کی طرح بند ہو جاتا ہے۔ ایک پودہ ہے نی پانتھ۔ اس کا ہاضمہ کا عضو ایک تھیلی نما صراحی ہوتا ہے جو حیوانی معدے سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے ارتقاء کے عمل سے نہ صرف اعضاء کی نئی صورتیں ڈھلتی ہیں بلکہ زندگی کے لئے جو افعال ضروری ہیں ان کے سرانجام کے لئے مخصوص کل پرزے بھی نشو نما پاتے ہیں یہ پودوں کی دنیا میں آپ یہ مطالعہ کر سکتے ہیں کہ کس طرح ایک سیدھا سادہ ابتدائی عضو رفتہ رفتہ زیادہ پیچیدہ ہوتا جاتا ہے اور ایسے مطالعہ کے لئے پودوں کی دنیا اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ میں اب یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ زندگی کی جتنی سرگرمیاں ہیں اُن کے لئے پودے کے عضویاتی کل پرزے بعینہ وہی ہیں جو حیوانوں میں پائے جاتے ہیں۔

مادے کی حساسی سوال یہ ہے کہ اس زمین پر جان پہلے کس طرح نمودار ہوئی؟ ہم اب یہ سمجھ سکتے ہیں کہ جس زمانے میں زمین ایک پگھلے ہوئے مادے کی صورت میں تھی کسی قسم کی جان پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ میری تحقیقاتوں نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ بیجان مادہ خود حس رکھتا ہے اور اس میں آیندہ زندگی کے نمودار ہونے کی صلاحیت اور لچھن موجود ہیں۔ اس طرح سے سیدھے سادے غیر عضوی مادے سے لے کر انتہائی پیچیدہ حیوانی زندگی تک ایک مسلسل ارتقار کا پتہ چلتا ہے۔

حیوان میں تین قسم کے ٹشو یو ہوتے ہیں۔ ایک پٹھے والے اعضا کے سکیڑنے کے لئے دوسرے خود بخود یا کل کی طرح کام کرنے کے لئے جیسے دل کی حرکت باقاعدہ ان ٹشو یو سے ہوتی ہے جن کی حرکت میں موزونیت ہے یعنی جن کی حرکت یکساں وقفوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ تیسرے حس کا پہونچانا جس طرح اعصابی ٹشو یو چھیڑ کر اعصاب کے ذریعے متعلقہ اعضا تک پہونچا دیتے ہیں

پٹھے والے ٹشو یو حیوانات میں پٹھے والے ٹشو یو کے سکیڑنے کی سرعت میں بہت بڑا اختلاف ہوتا ہے۔ شکاری پرندے کے پنکھ والے پٹھے بہت تیزی سے سکڑتے ہیں۔ اس کی مثال شکرے لیکن گھریلو مرغی کے ان پٹھوں میں یہ طاقت تقریباً مفقود ہو گئی ہے۔ اس اختلاف کا سبب کیا ہے؟ یہ ایک عجیب بات ہے کہ اسی طرح کا اختلاف پودے کے متحرک اعضا میں بھی پایا جاتا ہے چھوئی موئی میں یہ سکڑنے کا جھٹکا ایک لحظہ میں پورا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اور پودوں میں سکڑنے کا احساس بھی بمشکل ہوتا ہے۔ میں نے بعض کیمیائی اجزا کے استعمال سے سکڑنے والے سلون کی سکڑنے کی صلاحیت کا اختلاف دریافت کیا ہے یہ سل گہرے قرمزی رنگ کے ہو جاتے ہیں چھوئی موئی میں یہ سل اپنے رنگ کی وجہ سے بالکل ممتاز ہو جاتے ہیں جو سل نہیں سکڑتے ان پر کوئی رنگ کا دھبہ نہیں آتا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب ذرہ حیات (پروٹوپلازم) میں ایسا مادہ موجود ہوتا ہے جو آکسیجن کو قبول کرلے تو اس وقت سکڑنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ دلچسپ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جانوروں کے پٹھوں میں بھی اسی قسم کے ذرہ حیات میں

دار مادہ کی موجودگی سے مختلف قسم کے پٹھے پیدا ہوتے ہیں۔

جاندار کے متعلق سب سے بڑی پہیلی جہاں دماغ الجھ جاتا ہے یہ ہے کہ وہ حرکتیں جو آپ ہی آپ کل کی طرح ہوتی ہیں وہ کیونکر اور کس طرح پیدا ہوتی ہیں؟ کیونکہ ظاہر ہے کہ ان حرکتوں کے قائم اور جاری رہنے کا کوئی سبب اب تک پایۂ یقین کو نہیں پہونچا ہے۔ عام طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر حرکت کا باعث ایک نہ ایک حسیاتی چھیڑ ہونا چاہئے لیکن خود بخود پھڑپھڑاتے دل کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ ہل رہا ہے اور اس لئے اس کو ایک ایسا عضو سمجھا جاتا ہے جو کل کی طرح کام کرتا ہے اس کل کی طرح کام کرنے کے راز کا آخر کوئی حل بھی ہے؟

اس قسم کی کل کی سی حرکتیں عموماً حیوانی زندگی سے وابستہ سمجھی جاتی ہیں لیکن اس طرح کی حرکتیں پودوں میں بھی موجود ہیں مثلاً اُس پودے میں جس کو ڈس موڈیم کہتے ہیں اور جس کا دوسرا نام تلغرافی پودہ ہے۔ مجھے اس بات میں کامیابی ہوئی ہے کہ تلغرافی پودے کی کل کی طرح تھرتھراہٹ اور حیوانی دل کی حرکت کی مماثلت ثابت کردوں زہریلے تیزآب دل کے پھیلاؤ کی حرکت کو روک دیتے ہیں۔ آل کلی والے زہر بھی اس کے دل کے سکڑنے کی حرکت کو بند کردیتے ہیں۔ تلغرافی پودے میں ان زہروں کا بعینہٖ یہی اثر ہوتا ہے۔ زہریلے تیزآب پھیلاؤ اور ال کلی والے زہر سکڑنے کی حرکت کو روک دیتے ہیں۔ یہ آخری بات بھی لطف سے خالی نہیں کہ ان دو قسم کے زہروں میں سے جب کوئی زہر حرکت کو روک دے تو اس کا وفیہ دوسرے قسم کے زہر کے اثر سے فوراً ہوجاتا ہے ان تجربوں سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوجاتی ہے کہ حیوان اور پودے کے خود بخود متحرک کل پرزوں میں جو حرکت ہے وہ دراصل ایک دوسرے سے مماثل ہے لیکن یہ سوال بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ خود بخود حرکت کا سبب کیا ہے؟

ملانے والی کڑی کی تحقیقات میں نے معمولی حرکت میں آنے والے اور اپنے آپ کل کی طرح متحرک اعضاء کی ملانی والی کڑی کو دریافت کرلیا ہے۔ ایک پودہ ہے جس کا نام بیوفی ٹم ہے اس کی ننھی ننھی پتیاں اوسط درجے کی چھیڑ پر تیزی سے حرکت کا اظہار کرتی ہیں لیکن چھیڑ اگر

زیادہ زور دار ہو یا اگر اس کو دیر تک جاری رکھا جائے تو اُن پتیوں میں حرکتو... کا تعدد اور تسلسل پیدا ہو جاتا ہے
معلوم یہ ہوتا ہے کہ جو چھیڑ پہونچائی جاتی ہے اس کا کچھ حصہ محفوظ ہو جاتا ہے تاکہ وہ ... ظاہر ہو اس طرح
بیرونی چھیڑوں کا بھی اثر یہ ہوتا ہے کہ پودہ قوت کو اپنے آپ میں اکٹھا کر لیتا ہے اور جب یہ قوت
کافی ہو جائے تو اس وقت حرکت کا مسلسل بہاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ چونکہ پودے کی زندگی کی تاریخ کا
سابقہ تجربہ کافی طور پر کھول نہ سکا تھا عام طور پر یہ رائے قرار پا گئی کہ یہ کل کی طرح کی مسلسل حرکتیں اپنے
آپ پیدا ہوتی ہیں۔ ان کل کی طرح کی حرکتوں کی اندرونی چھیڑیں ہیں وہ دراصل بیرونی چھیڑیں تھیں
جو اب پودے یا حیوان کے اندر جکڑ بند ہو کر رہ گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایسے پودے کو جو طلائیہ
کل کی طرح متحرک ہو معمولی پودے کی حالت میں لایا جا سکتا ہے۔ تلغرافی پودے میں فالتو قوت کا
مجتمع ہونا۔ اس کے خود بخود حرکت کرنے کا باعث ہے۔ اسی پودے کو اندھیرے میں رکھ دیجئے تاکہ
میں اس کی فالتو قوت خارج ہو جائے گی اور اس کا اپنے آپ حرکت کرنا بند ہو جائے گا۔ تجربے سے
یہ ثابت ہوا کہ اگر پھر اس پودے میں فالتو قوت فراہم کر دی جائے تو پھر یہ خود بخود حرکت کرنے لگتا ہے
اور اس طرح فالتو قوت بڑھائی جائے کہ پہلے ہلکی سی چھیڑ جس سے سیدھی سادی حرکت ہو گی اور پھر
زیادہ زور دار چھیڑ پہونچائی جائے تو آپ دیکھیں گے کہ حرکتوں کا تسلسل اور تعدد پیدا ہو جائے گا جب اس
پودے کو حوالی کی معمولی چھیڑوں میں رکھدیا گیا تو پھر اس میں خود بخود حرکت کرنے کی صلاحیت عود
کر آئے گی۔

خون اور رس کا دوران مدت سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ پودوں میں جو رس کا دوران ہوتا ہے
وہ لاینحل مسئلہ ہے۔ میں نے۔ یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس کا سیلان ایسے متحرک دھکیلنے والے نشو یوں سے
ہوتا ہے جس کے انعال دل اور شرائن سے ملتے جلتے ہیں یعنی یہ نشو پمپ کا کام کرتے ہیں اور شرائن
کی طرح اس کو دوران میں لاتے ہیں۔

نیچے درجے کے حیوانوں میں یہ بہانے والے کل پرزے ایک لمبے عضو کی شکل میں ہوتے ہیں جو
اسعائی حرکت سے لہریں پیدا کرتا ہے اور اس طرح جان کو قائم رکھنے والے سیال کو آگے دھکیل دیتا ہے

اعلیٰ درجے کے حیوانوں [illegible] جن کا دل لمبی نلکی سا ہوتا ہے۔ میں نے یہ بات بھی ثابت کر دی ہے کہ پودوں میں رس کا دوران دراصل ایک عضویاتی عمل ہے اور یہ کہ اس میں اور حیوان کے خون کو دوران میں لانے والے پرزوں میں دراصل کوئی فرق نہیں۔

قلبی حرکت کا پیمانہ شرائن میں اگر دباؤ کا اختلاف پیدا کر دیا جائے تو قلب کی حرکت میں بھی تبدیلی حاصل ہو سکتی ہے۔ قلب ایک پمپ کی طرح کام کرتا ہے جب اس کی حرکت کو بڑھا دیا جائے تو خون کا دباؤ بھی بڑھ جاتا ہے اور اسی طرح جس چیز۔ قلب کی حرکت کم ہو جائے تو خون پر دباؤ بھی کم ہو جائے گا۔ جس شرین سے نبض معلوم کی جاتی ہے وہ جسم کی سطح پر واقع ہوتی ہے اور نبض کی حرکت کا تخمینہ کرنا کوئی مشکل بات نہیں ہے اگر یہ شریں سطح کے نیچے ہوتی تو کسی قسم کا تخمینہ ناممکن ہوتا۔

انظاری نبض پیما یہی وجہ ہے کہ پودوں کی نبض کا معلوم کرنا بادی النظر میں ناممکن سی بات معلوم ہوتی ہے۔ اگر پودے کی سرگرم کار تہیں موقت لہروں کی صورت میں رس کو دھکیلتی ہیں تو پھر نبض کے پھیلنے اور سکڑنے کی مقدار کا اندازہ لگانا زبردست سے زبردست خوردبین کی طاقت سے بھی بالاتر ہے۔ علاوہ اس کے سرگرم کار رسل پودے کے اندر ہوتی ہیں یہ کس طرح ممکن ہے کہ آنکھ اور چھپی ہوئی چیز کو آنکھ کے سامنے لایا جائے؟

باوجود ان تمام دقتوں کے مجھے اس میں کامیابی ہوئی کہ ہر نبض کی پھڑکار کا اندازہ لگا سکوں جبکہ رس کی لہریں درخت کی ڈالی میں پمپ کی جاتی ہیں۔ ہر پھڑکار کے بعد ڈالی کا ایک نہایت ہی خفیف سا پھیلاؤ ضروری ہے جب پھڑکار گزر جاتی ہے تو لازمی ہے کہ جس ڈنٹھل میں سے گذری ہے وہ پھیلنے کے بعد پھر اپنی اصلی ضخامت پر آجائے اگر یہ صحیح مان لیا جائے کہ پودے اور حیوان کی قلبی حرکت کے کل پرزے مماثل ہیں تو پودے کے قلب کے پمپ پر جب زیادہ چھیڑ پہونچائی جائے گی تو پودے کو زیادہ زور اور سرعت کے ساتھ اپنے رس کو دھکیلنا چاہئے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جہاں سے رس گذرے وہ حصہ زیادہ پھول جائے گا۔ برخلاف اس کے جس چیز سے چھیڑ میں کمی واقع ہو تو نتیجہ اس کے برخلاف ہوگا۔ اس نہایت ہی خفیف پھیلاؤ اور سمٹاؤ کے معلوم کرنے کے لئے یہ لازمی ہوا کہ

ایسے مصنوعی آلات بنائے جائیں جن کی حساسی نہایت ہی نفیس ہو میں نے جو پودے کا نباض یا سرکا دوسرا نام ہے انطاری نبض پیما ایجاد کیا ہے اس میں اتنی قوت ہے کہ وہ کسی حرکت کو بجائے لاکھ گنا بڑا کر دیتا ہے جو نبض کی حرکت زندہ پودوں میں محسوس نہیں ہوتی اس کو یہ آلہ ایک روشنی کی کرن کے جھونکے لینے سے ظاہر کر دیتا ہے۔ جب پودے پر ایسی چیز کا اثر پڑے جس سے اس کی قلبی حرکت کم ہو جائے تو روشنی بائیں طرف کو جھونکا لیتی ہے اور جب کوئی چیز حرکت کو تیز کر دے تو کرن دائیں طرف کو چلی جاتی ہے۔ اس طرح پودے کی جان کی حرکت ایک جھولتی ہوئی کرن کے ذریعے دنیا میں پہلی دفعہ آنکھوں کے سامنے آئی ہے۔

نبض کی حرکت پر ال کلی والے اجزا اور ناگ کے زہر کا اثر۔ دوائیں اور ال کلی والے اجزا سے حیوان اور پودے کی نبض کی حرکت میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں وہ اس قدر مشابہ ہیں کہ اچنبھا ہوتا ہے۔ جن چیزوں کا قلبی سرگرمی پر اثر ہوتا ہے وہی چیزیں پودے کے رس کے دوران کو بڑھا دیتی ہیں اس کے برخلاف قلبی حرکت کو کم کرنے والی چیزیں رس کے بہاؤ کو دھیما کر دیتی ہیں ناگ کے زہر کا اثر ذرا سی مقدار میں بھی حیوان پر مہلک ہوتا ہے۔ میں نے یہ پایا کہ پودے پر بھی یہی اثر ہوتا ہے مجھے یہ معلوم کر کے بڑی دلچسپی ہوئی کہ ہندو طب میں ایک ہزار سال سے ایک دوا چلی آتی ہے جس کا نام شوچی کا وارن۔ اس دوا کا بڑا جز ناگ کا زہر ہے مگر نہایت ہی خفیف مقدار میں اس دوا کو قلب کی حرکت بڑھانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ میں نے جب پودوں پر تجربہ کیا تو یہ نتیجہ نکلا کہ بہت ہی خفیف مقدار میں ناگ کا زہر پودوں کی نبض کی حرکت کو تیز کر دیتا ہے۔ اسی طرح حیوان کے خون میں شوچی کا وارن کو پچکاری سے پہونچایا گیا حالانکہ حیوان سست تھا اور قلب کی حرکت سست تھی لیکن پچکاری کے بعد اس کی نبض اور قلب کی حرکت بڑھ گئی۔

عصبی اعضا پودوں میں پہلے کے محققوں کو پودوں میں عصبی اعضا کے متعلق اس وجہ سے غلطی ہوئی کہ وہ چیر کے لئے شدید طریقے استعمال کرتے تھے مثلاً پودے کو چاقو سے زخمی کرتے تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے اس بارے میں غلط نظریے قائم کئے۔ ایسے غیر شائستہ طریقوں سے طرح طرح کی

اہم غلطیاں رونما ہوئیں اور یہ طریقے جب حیوان کے اعصاب پر اسی قسم کی تحقیقات کی جاتی ہے نئے استعمال نہیں کئے جاتے عصبی ہیجان کا قطعی امتحان یہ ہے کہ اس کو ایک برقی رو سے پیدا کیا جاتا ہے اور برقی رو کے قطبی فعل سے اس کے اثرات کا امتیاز کیا جاتا ہے یعنے یہ امتیاز واشائی رو کے مثبت سرے کے جوڑنے اور منفی سرے کے توڑنے سے ہوتا ہے۔ ایک اور بات یاد رکھنی چاہیے کہ عصبی جھٹکے منتقل ہونے کو تھوڑی دیر یا ہمیشہ کے لئے روکا جا سکتا ہے۔ مثلاً عضویاتی رکاوٹوں سے جو برق کی مدد سے پیدا کی گئی ہوں یا خاص جسم کے حصے کو ٹھنڈا اور سن کرنے سے یا کسی زہریلے سیال کے اثر سے ... تمام قطعی تجربوں کے نتائج سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عصبی ہیجان کا منتقل ہونا پودے میں بھی اصلاً اسی طرح واقع ہوتا ہے جس طرح حیوان کے اعصاب کے ذریعے ہوتا ہے۔

سطح بدن پر زور دار چھیڑ سے یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک اندر جانے والی لہر پیدا ہوتی ہے جو مرکز پر پہونچکر ایک نئے راستے پر منعکس ہو جاتی ہے اور ایک باہر جانے والی یا حرکت پیدا کرنے والی لہر بن جاتی ہے اس طرح جو اعضاء مرکز سے دور واقع ہوئے ہیں وہ سرعت کے ساتھ ایک دوسرے سے اس طرح گتھ جاتے ہیں کہ ہر ضروری موقع پر مل جل کر کام کر سکیں ایسی صورت میں یہ لازمی ہے کہ اعضائے متعلقہ ہر وقت ہوشیار رہیں اور ضرورت کے موقعوں پر فوراً کام انجام دے سکیں کیونکہ کسی قسم کی ایسی بات جس سے آپس میں مل جل کر کام کرنے میں رکاوٹ ہو پودے کی جمہوریت یا اعضائی سنگت کو تباہ کر دے گی۔

عصبی امنگ کو قابو میں لانا دنیا کے معنوں میں سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کس طرح خارجی دنیا کا ہمارے نفس سے تصادم ہوتا ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ کس طرح بیرونی اشیاء اور کیفیتوں کی چوٹیں ہمارے نفس کو محسوس ہوتی ہیں۔ ہمارے حس کے اعضا کیڑوں اور پودوں کے حس والے بالوں کی طرح ہیں جو ایک مرکز سے مختلف سمتوں میں پھیل جاتے ہیں اور بیرونی دنیا کے مختلف پیغاموں کو چن کر ہمارے دماغ تک پہونچاتے ہیں۔ یہ حواس علاوہ اس کام کے یہ صلاحیت بھی رکھتے ہیں کہ ہم میں خوشگوار یا ناگوار احساس بھی ان پیغاموں کے منتقل کرنے کے ساتھ ساتھ پیدا کر دیں

ہمارے احساس پر اُس عصبی چھیڑ کی شدت کا رنگ بھی چڑھا ہوا ہوتا ہے جو ہمارے مرکزی عضو دماغ تک پہونچتی ہے۔ چونکہ ہمارے حواس نامکمل ہیں لہٰذا ہم پر انسانی کمزوریوں کی حد بندی بھی مسلط ہے اور دوسری طرف بعض صورتوں میں ہماری حس کی صلاحیت حد سے زیادہ ہی خارجی دنیا کی بہت سی ایسی باتیں ہیں جو ہمارے حواس سے بچ نکلتی ہیں اس لئے کہ ان سے جو حواس کو چھیڑ پہونچتی ہے وہ کمزور ہوتی ہے برخلاف اس کے اسی خارجی دنیا کی بعض چوٹیں اتنی شدید ہوتی ہیں کہ وہ ساری زندگی کو دکھ سے بھر دیتی ہیں چونکہ یہ بات ہماری قدرت سے باہر ہے کہ خارجی دنیا کو بدل سکیں تو کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم اپنی عصبی امنگوں کو اس طرح قابو میں لے آئیں کہ پہلی صورت میں یعنے جب کہ خارجی دنیا کی چھیڑ کمزور ہو ہماری حس کی صلاحیت اتنی نفیس اور وسیع ہو جائے کہ اس خفیف چھیڑ کو بھی محسوس کریں اور دوسری صورت میں جہاں بیرونی دنیا کی چوٹ شدید ہو وہاں اپنی عصبی حس کو اس حد تک کند یا محو کر دیں کہ احساس کی شدت ہم کو دکھ نہ دے سکے۔ ہمارے باہر کے عصبی سرے پر جب کوئی چھیڑ ہوتی ہے تو ایک تھرتھراہٹ سی پیدا ہوتی ہے اور اس تھرتھراہٹ کو اندر کی جانب ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ پر سالمات پہونچاتے ہیں اس لئے کہ اس قسم کی تھرتھراہٹ سے ان سالمات کی ترتیب اور سکون باقی نہیں رہتا۔ سالمات کی ترتیب کو پیش نظر لانے کے لئے آپ یوں خیال کر سکتے ہیں کہ کتابوں کی ایک قطار کھڑی ہوئی ہے اب آپ سیدھے ہاتھ والی کتاب پر ایک خاص زور کے ساتھ چوٹ لگائیں تو وہ بائیں ہاتھ والی کتاب پر گرے گی اور دوسری کتاب اپنے پاس والی کتاب کو چوٹ دے گی اور اس طرح ساری قطار کی قطار آن پڑے گی اگر اسی کتابوں کی قطار میں کتابوں کو تھوڑے سے زرا بائیں ہاتھ کو جھکا ہوا کھڑا کیا جاتا تو اور بھی کم صدمہ سے یہ کتابیں بائیں جانب گر جاتیں اور ان کے گرنے کی سرعت تیز ہو جاتی برخلاف اس کے اگر ان کتابوں کو دائیں ہاتھ کی طرف جھکا یا جاتا تو یہ ترتیب کتابوں کے گرنے کی مانع ہوتی اور چوٹ کے اثر کو دھیما کر دیتی۔ اس نظریہ پر عمل پیرا ہو کر میں نے پودے اور حیوان دونوں میں عصبی لہر یا تھرتھراہٹ کو حسب مرضی دھیما یا تیز کر لیا اور یہ کامیابی میں نے عصبی سالمات کو بجلی کی قوت سے مجبور کر کے حاصل کی۔ اس طرح عصبی سالمات کی

ایک خاص ترتیب کی صورت میں زیر تجربہ مینڈک نے ایسی چھیڑ کا بھی اثر قبول کیا جو پہلے مینڈک کے احساس سے پرے تھی۔ جب سالمات کی ترتیب کو برعکس کر دیا گیا تو شدید چھیڑ کی صورت میں جو شدت کرب رونما ہوئی تھی وہ بالکل اس طرح مفقود ہوگئی کہ گویا کسی نے جادو کر دیا۔

ارادے کا اقتدار | جو عصبی چھیڑ احساس پیدا کرتی ہے اس کے اثر میں اضافہ یا کمی اس طرح کی جا سکتی ہے کہ طبیعی قوتوں کے اثر سے سالمات کی ترتیب کو مختلف کر دیا جائے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کی سالمات کی ترتیبیں خواہ وہ مثبت ہوں یا منفی جس میں اضافہ کرنے والی ہوں یعنی جس میں کمی پیدا کرنے والی۔ وہ ہمارے اعصاب میں ارادے کی قوت سے پیدا کی جا سکتی ہیں یا نہیں؟

ہمارا ارادہ جملہ جسمانی افعال کو جس طرح قابو میں رکھتا ہے اس کے متعلق ابھی تک پوری سائنٹیفک تحقیقات نہیں کی گئی ہے۔ بہت کم لوگ اس سے واقف ہیں کہ جب ارادے کی قوت کو مشق اور توجہ سے بڑھایا جائے تو کس قدر زبردست قوت حاصل ہو سکتی ہے۔ اس میں کوئی شک ہی نہیں ہو سکتا کہ اعصاب میں سالمات کی ترتیب ارادے کی اندرونی قوت سے اس قدر بدلی جا سکتی ہے کہ وہ احساس کی شدت اضافہ کر دے یا احساس کو کند کر دے۔ یہ تو عام طور پر لوگ جانتے ہیں کہ توجہ اور انتظار کے وقت کس قدر احساس تیز ہو جاتا ہے اور کسی شخص کو قبل از قبل ایک بات کا اشارہ (سجیشن) کر دینے سے کس قدر اثر ہوتا ہے۔

حوالی پر حسیت | ان تمام بحثوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچتی ہے کہ احساس کی حدوں کے قائم کرنے میں ارادے کی اندرونی چھیڑ بھی اسی قدر اہم کام کرتی ہے جس طرح کہ خارجی دنیا کے تاثرات کرتے ہیں اور اس طرح اعصاب پر اندرونی قابو کا حاصل ہونا یہ معنے رکھتا ہے کہ جو احساس کہ پیدا ہونے والا ہے اس میں ہم گہری تبدیلی کر سکتے ہیں۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ خارجی عالم ہم پر اس برق رفتاری سے حاوی نہیں کہ ہم اس کے سامنے بالکل لاچار اور بے بس ہو جائیں۔ اور انسان حوالی کے ہاتھ میں محض ایک کھلونے کی طرح نہیں ہے۔ انسان کے اندر ایک قوت ہے جو اس کو ڈراونے ماحول سے بالاتر کر سکتی ہے یہ بالکل انسان کے ہاتھ میں ہے کہ خارجی عالم جن راستوں سے پر اپنے اثرات ڈالتا ہے

ان کو جی چاہے وسیع کر دے یا جی چاہے بند کر دے اس طرح کا قابو حاصل کرنے کے بعد انسان کے لئے یہ ممکن ہو جائے گا کہ وہ خفیف سے خفیف خارجی دنیا کے پیغامات (تاثرات) کو گرفتار کر سکے جو اب اس کے اِرادہ و اِبا کے ساتھ نکل جاتے ہیں یا انسان کچھوے کی طرح اپنی اندرونی دنیا میں بند ہو جائے تاکہ اپنی اندرونی مملکت میں وہ خارجی دنیا کے سمع خراش آوازوں اور غل پکار سے محفوظ اور مامون رہے۔

پودے سے لیکر حیوان تک ایک مسلسل زندگی کی چڑھائی کا زینہ ہے اور جوں جوں ہم اس زینے پر چڑھتے جاتے ہیں اس ارتقائی عمل کے بلند تر کرشمے دیکھتے جاتے ہیں جن کے ذریعہ جان رفتہ رفتہ حوالی اور ماحول سے بلند اور بالاتر ہوتی جاتی ہے اور اپنے آپ میں ان حوالی کو قابو میں رکھنے کی قوت پیدا کرتی جاتی ہے۔

اطلاع

پہلی اردی بہشت ۱۳۳۶ ف سے تعطیلات ماہ صیام شروع ہوں گے اس لئے اسفندار و فروردی ۱۳۳۶ ف کے پرچے ملا کر شایع کئے گئے ہیں

شریک مدیر

خطبہ جلسۂ اسناد

جامعہ میسور

یور ہائنس خواتین اور حضرات! دس سال ہوتے ہیں کہ آپ کی جامعہ کی رسم افتتاح کے تاریخی موقع پر مجھے خوش نصیبی سے اس میں شرکت کا فخر حاصل ہوا۔ اس وقت میں یہ دیکھکر بہت خوش ہوا کہ ہندوستان کے رؤسا میں سے ایک نہایت ممتاز اور دور بین رئیس نے ایک نہایت ہی اہم باب تاریخ تعلیم میں کھولا ہے اس وقت سے میں آپ کی جامعہ کی ترقی بغور دیکھتا رہا ہوں اور اس کا مجھے خیال بھی نہ تھا کہ ایک دن مجھے اس جامعہ میں جلسۂ اسناد کا خطبہ دینا پڑے گا۔ لہذا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس اعزاز کا جو آپ نے مجھے دیا ہے تہہ دل سے شکریہ ادا کروں۔ اور آپ کو اس بات کا یقین دلاؤں کہ میرے دل میں اس اعزاز کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ شروع ہی میں میں اس بات کا اقبال کرتا ہوں کہ آپکے نائب امیر جامعہ کی موجودگی میں آپ کو خطاب کرتے ہوئے میں بہت کچھ ہچکچا رہا ہوں اس لئے کہ آپ کے نائب امیر جامعہ کا علم ایک ناموس کی حیثیت رکھتا ہے اور ان کا تبحر اور ان کی تعمیری استدلالی قوت اس قدر غیر معمولی ہے کہ ہندوستان کے ارباب قلم کو ایک طرف اچنبھے میں ڈالتی ہے تو دوسری طرف ان جیسا بننے سے مایوس کر دیتی ہے اب صرف آپ کی مہربانی اور صبر کے بھروسہ پر میں یہ امید کر سکتا ہوں کہ اپنا فریضہ میں کامیابی سے ادا کر سکوں گا۔

ہندوستان کی ریاستوں میں میسور ایک نہایت پیش رو اور شایستہ ریاست ہے اور آپ نے جو تعلیمی تجربہ یہاں شروع کیا ہے اس پر سارے ہندوستان کی نظریں خصوصاً

اِن لوگوں کی جو جامعوں سے تعلق رکھتے ہیں نہ صرف دیگر ہندوستانی ریاستوں بلکہ برطانوی ہندوستان میں بھی بڑی دلچسپی کے ساتھ لگی ہوئی ہیں میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے ان خیالات کو تعلیمی مسائل کے بارے میں ظاہر کرنا چاہتا ہوں جو نوجوانوں اور تعلیم گاہوں سے سالہا سال سے وابستہ رہنے کی وجہ سے میرے دل میں پیدا ہوئے ہیں یہ میرا تجربہ نہ صرف اپنے وطن ہندوستان تک محدود ہے بلکہ ہندوستان کے باہر بھی مجھے ایسی چیزوں سے تعلق رہا ہے۔ آج جو اعلیٰ تخیل جامعہ کا میری چشم باطن کے سامنے ہے وہ بالکل صاف اور واضح ہے اور یہ وضاحت اس تخیل میں اس طرح پیدا ہوئی ہے کہ کچھ اوپر تیس سال کے تعلیمی تجربے نے دانستہ یا انجان طور پر اس تخیل کے ایسے امور کو دور کر دیا ہے جو الجھن کے باعث تھے۔ اگر میں چھوٹتے ہی یہ کہوں کہ تعلیم کے مسئلہ پر یہاں اور اور جگہ اس دانشمندی اور فطانت سے نظر نہیں ڈالی گئی ہے جو ایسے مسئلہ کے لئے لازمی ہے اور مجھے امید ہے کہ میرے اس کہنے سے کوئی غلط فہمی واقع نہ ہوگی صاف صاف تو یہ ہے جب سے ہندوستان پر برطانوی قبضہ ہوا ہے ہم نے ہندوستان میں اپنے تعلیمی مسائل کو ایسے نقطہ نظر سے دیکھا ہے جو خالص برطانوی ہے۔ گو آج کل یہ بات صادق نہیں آتی تاہم مجھے یقین ہے کہ اس مجمع میں کوئی صاحب ایسے نہیں ہوں گے کہ اس سے انکار کریں کہ ہم ہندوستانی حال تک اس میں زیادہ سہولت دیکھتے تھے کہ اپنی تعلیم گاہوں کی نشو نما کو اپنے حکمرانوں کی پیروی کریں اور یہ بالکل فطری بات تھی کہ ہمارے حکمرانوں نے ایسی صورت میں اپنے وطن کی تعلیم گاہوں کو ہماری سرزمین میں منتقل کر دیا

قدیم یا زمانہ وسطیٰ اور عہد حاضر کی جامعوں میں جو سب سے ممتاز فرق ہے وہ یہ ہے کہ پہلی قسم کی جامعوں میں محض کلچر پر زور دیا جاتا تھا اور جدید جامعوں میں کلچر کے ساتھ ساتھ پیشہ وری کی خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں۔ قدیم زمانے اور عہد متوسط میں جامعہ اور اس کی تعلیم کی حدود اور مقاصد انجان طور پر منضبط ہو جاتے تھے ان زمانوں میں یہ بات اس لئے ممکن تھی کہ اس وقت نہ تو علمی پیشوں کی حدیں واضح طور پر معین کی گئی تھیں اور نہ بہت

پیشے معرض وجود میں آئے تھے۔ اس قسم کے نظام تعلیمی سے اس زمانہ کے لوگوں کی معمولی تعلیمی ضرورتیں کم و بیش کافی طور پر پوری ہو جاتی تھیں اور اعلیٰ تعلیم کے بیشتر وہی لوگ خواہاں ہوتے تھے جن میں فطرت نے عالمانہ رجحانات ودیعت کئے ہوتے تھے جب بعد میں بہت سے علمی پیشے وجود میں آنے لگے تو سماجی اور معاشی ضرورتوں نے بہت سے نوجوانوں کو مجبور کیا کہ وہ اعلیٰ تعلیم گاہوں یا جامعوں میں تربیت حاصل کرنے کے طالب ہوں جب اس قسم کے نوجوانوں کا ہجوم مانگ سے زیادہ ہونے لگا اور بعض جامعوں نے ناکافی اور غیر صحیح احساس کی بناء پر اپنے کمروں کو بجائے علمی کانوں کے اساد کی منڈیاں بنا دیا تو اس وقت سے موجودہ نظام تعلیمی کی غیر موزوں خصوصیتیں نمودار ہونے لگیں۔

اس طرح اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ زیادہ دور اندیش جامعات اپنے آپ کو محض امتحان لینے والی جماعت کے بجائے پڑھانے والی جماعت بنا رہی ہیں۔ یہ مجھے ماننا پڑتا ہے کہ تمام جامعات میں تھوڑا بہت امتحان کا رنگ ضرور باقی رہتا ہے کیونکہ زندگی کے کاروبار میں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہم بعض صورتوں میں انتخاب کریں لیکن انسان کی ذہنی کاوشوں کے اس رخ پر تخلیقی پہلو سے زیادہ زور دیا جائے تو پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جامعات کی حیثیت ان درس گاہوں سے مل جل جاتی ہے جہاں تجارتی تربیت دی جاتی ہے۔ ایسے مقابلے کے امتحانوں کی تیاری کے لئے جیسے کہ سول سروسیس کا امتحان ہے جداگانہ درس گاہیں ہونی ضروری ہیں کیونکہ جامعات کا کام اس مقولہ کے مطابق ہونا چاہیئے "علم کی پیش قدمی"۔

میں اب یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا کہ جب تک اس قسم کے امتیازات ہمارے تعلیمی نظام میں پیدا نہیں کئے جائیں گے اس وقت تک ہماری جامعات کے فرایض اس قدر بھاری ہوں گے کہ ان کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ ساتھ ہی ساتھ جامعہ اور مدرسے کی سرگرمیوں میں واضح حدود کا قائم کرنا ناگزیر ہے تاکہ نظام تعلیمی صحت کے ساتھ

کام کر سکے۔ میں کئی موقعوں پر اس بات کو ظاہر کر چکا ہوں کہ ہم کو اس زندگی میں حیاتیاتی یا ذہنی چناؤ سے نجات نہیں مل سکتی۔ حیاتیاتی انتخاب میں اکثر یہ مرحلہ درپیش آتا ہے کہ کمزوروں اور معذوروں کو بے رحمی کے ساتھ مٹا دینا ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے ذہنی دنیا میں سماجی رجحان اور سماجی یا سیاسی ذمہ داری کے آنکس کی وجہ سے اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ ذہنی پہلو سے انسان کو پوری طرح مسلح کر دیا جائے۔ ذہن کو تیز کرنا یا نفس کو روشن کرنا ایک حد تک بیشتر انسانوں کے لئے مشکل بات نہیں ہے البتہ ایسا ذہن جو تخلیقی ہو۔ جو نئی باتیں پیدا کرے۔ شاذ ہوتا ہے۔ اور اس طرح کے ذہن کی ارتقاء اگر اس کی ارتقاء کی ذمہ داری ایک تنظیم کے سپرد ہو تو لازمی ہے کہ ایسے لوگوں کی ارتقاء سے جن کا ذہنی عطیہ اس پایہ کا نہیں ہے جداگانہ ہوگی۔ عام تعلیم ایک لازمی شئے ہے اس کی ضرورت کو بالشویک روس کے ایک تعلیمی اشتہار میں ایک تصویر سے دکھایا گیا ہے ایک غیر تعلیم یافتہ آدمی کو ایک اندھے آدمی سے تعبیر کیا گیا ہے جو ایک پہاڑ کے کرارے سے گرنے کو ہے آج کل بیشتر لوگوں کے نزدیک تعلیم ہر انسان کا پیدائشی حق ہے اور اس قسم کی عام تعلیم کے لئے اعلیٰ علمی مرکز بیکار ہیں۔ اس طرح یہ حد بندی ذہنی صلاحیت اور قابلیت پر مبنی ہے۔

میں یہ ظاہر کر چکا ہوں کہ بیشتر جامعات کا وجود دو مقصدوں کے لئے ہے ایک تو یہ کہ مردوں اور عورتوں کو بعض پیشوں کے لئے تربیت دی جائے اور دوسرے یہ کہ محض علم کی خاطر علم حاصل کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ دونوں مقصد طبعاً اور اخلاقاً کتنے ہی جداگانہ ہوں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں میں یہ بھی ماننے کو تیار ہوں کہ جو علم کا ذخیرہ حاصل ہو چکا ہے اسی کا حاصل کرنا اور اسی پر عمل کرنا چند سال تک کافی ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں تو یہ ذخیرہ ایک آدھ پشت تک کام دے جاتا ہے لیکن ایسے ذخیرے کے اثرات بہت جلد کمزور پڑ جاتے ہیں اور

جدید علم کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے کیونکہ نوع انسان کی زندگی میں ترقی کے لئے تازہ بتازہ علم ایک ناگزیر شرط ہے۔ اس طرح جامعوں کی محض علمی تعلیم میں تحقیقات جدید سے جان ڈالنی ہوگی اور جدت اور تحقیق کے نئے راستے کھولنے ہوں گے ایک خالص محقق اور ایک علمی طور پر فائدہ اٹھانے والے کے درمیان اور بہت سے درجے ہیں جن کے مطابق جامعہ میں سرگرمیاں جاری رہتی ہیں اور میری یہ دلی تمنا ہے کہ ان درجوں میں سے ہر درجے کے لوگ اپنے اپنے کام کو اچھی طرح سمجھ لیں تاکہ خالص علم پھل پھول سکے اور ہمیشہ نئی نئی تحقیقات سے انسانی عقل کے خزانے کو بھرپور کرتا رہے۔ اگر ہم اس بات کو اپنا مطمح نظر بنالیں تو پھر اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں اسی کے مطابق اپنے طریقوں کو بھی ڈھالنا پڑے گا۔

اب اگر ہم ہندوستان کے تعلیمی طریقوں پر — نہ صرف آپ کی جامعہ بلکہ کل جامعوں کے طریقوں پر تنقیدی نظر ڈالیں تو ہم یہ پائیں گے کہ ہم نے سب سے پہلی اصولی غلطی جو کی ہے وہ یہ ہے کہ:-

پردیسی زبان کو اپنی تعلیم کا واسطہ قرار دیا ہے حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ہم ہندوستانیوں کے ذہنی حیثیت سے بانجھ ہونے کا یہ سب سے بڑا سبب حال ہی میں دریافت ہوا ہے اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں کے چند مشہور اور معروف ماہرین تعلیم اب بھی اس خیال میں ہیں کہ نظام تعلیمی میں انگریزی زبان کو اس طرح دوسرا درجہ دینے سے نہایت خطرناک نتائج برآمد ہوں گے۔ غلطی سے بچنے کے لئے میں اس بات کو واضح کردینا چاہتا ہوں کہ اس سے ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ انگریزی یا کسی اور اہم پردیسی زبان کے مطالعہ کی تشویق کم کردی جائے کیونکہ یہ اٹل سچی بات ہے کہ ترقی یافتہ زبانیں خیالات اور تخیلات کی نئی نئی کھڑکیاں کھول دیتی ہیں لہٰذا ہر زمانہ میں شکسپیر اور ملٹن سے گلفشانی کی ہے اس کے متعلق یہ اندیشہ ہی

نہیں ہوسکتا کہ اس کا مطالعہ نہیں کیا جائے گا۔ بات صرف اتنی ہے کہ انگریزی زبان کو واسطہ تعلیم نہ قرار دیا جائے سب سے پہلے ایک تعلیم یافتہ آدمی میں یہ بات ہونی چاہئے کہ ہر قسم کی عام معلومات سے اس کا ذہن لبریز ہو اور اس قسم کی معلومات بہتر طور پر اور کم سے کم وقت میں اسی زبان کے ذریعے حاصل ہوسکتی ہے جس میں اس نے پہلے پہل تتلا کر بولنا شروع کیا ہو جب کہ وہ ماں کی چھاتی سے دودھ پیتا تھا یہی زبان اس کے گہوارے کی زبان ہوسکتی ہے۔ حساب، تاریخ، معاشیات، سیاسیات، منطق و جغرافیہ قصہ مختصر یہ کہ صحیفہ علم نہایت آسانی سے اپنی مادری زبان کے ذریعے قابو میں آسکتا ہے۔ اگر ہم اپنی تعلیمی عمارت کو مضبوط اور اونچا بنانا چاہتے ہیں تو اس کا سنگ بنیاد مادری زبان ہی ہوسکتی ہے۔

اس حد تک تو ہر شخص مان لے گا کہ اگر ثانوی تعلیم کی اصلاح کی جائے اور اس کو وسعت دیدی جائے تو جامعوں کے فرائض میں سے بہت سی بے ضرورت ضمنی باتیں چھٹ جائیں گی اور ان باتوں کے علیحدہ ہوجانے کے بعد تعلیم میں اصلی ترقی رونما ہوگی۔ تعلیم و تربیت کے میکانی حصے کو مدرسہ کی منزل تک در اصل ختم ہوجانا چاہئے لیکن بدقسمتی سے یہ کل کی طرح کی تعلیم جامعہ کی جماعتوں میں بھی پہونچا دی گئی ہے۔ ثانوی تعلیم کی وسعت کے بعد یہ میکانی حصہ جامعوں سے بیشتر مفقود ہوجائے گا اور اس کے مفقود ہونے سے جامعات اصلی علم اور کلچر کے مرکز بن جائیں گی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس بحث پر بہت کچھ وضاحت سے بحث کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ جامعوں کا نظام اس قدر میکانی تفصیلات سے پُر ہے کہ ان جامعوں کے فرائض ثانوی مدارس کے کام سے کچھ بہت امتیاز نہیں رکھتے۔ غضب تو یہ ہے کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جو علمی منزل شروع ہوتی ہے اس میں بھی بعض حضرات کا یہ اصرار ہے کہ باقاعدہ مشقیں مدارس کی طرح ہونی چاہئے۔ میرا ایک لمحہ کے لئے یہ مطلب نہیں ہے کہ طلبا

جامعہ کے دروازے میں قدم رکھنے کے بعد مطالعہ کے انتخاب کی آزادی کو مٹی کی آڑ اپنی کاہل وجودی کے لئے بنالیں۔ محنت کی عادت ذہنی قابلیت کے ساتھ جامعہ میں قدم رکھنے کی پہلی شرط ہے یہ اصرف یہ بتاتا ہے کہ آج کل جو بے گنتی جماعتی لکچر اور مشقیں جامعہ کی تعلیم کی بنیاد قرار دیگئی ہیں ان کو مسدود کر دیا جائے کیونکہ ان کے مسدود ہونے کے بعد ہی طلبا کی ذہنی قابلیت نشو نما پا سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یوں دیکھنے کو لکچر بازی کا طریقہ اچھا خاصہ کام معلوم دیتا ہے لیکن اگر طالب علم کی یہ مرضی ہو کہ وہ اپنا وقت اپنے طور پر صرف کرے تو اس کو اس بات کا پتہ چلے گا کہ اس قسم کے جبری لکچروں سے غیر حاضر ہو کر وہ زیادہ کام کر سکتا ہے ☆ جبری لکچر کے طریقے سب میں بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ جو طلبا ان لکچروں میں حاضر ہوتے ہیں ان کو بعض خاص صورتوں کے سوائے اپنی مشکلات کو دور کرنے کی غرض سے سوال کرنے کا موقع نہیں ملتا اور جب سوالات نہوں تو ظاہر ہے کہ استاد صرف اپنا نقطہ نظر بیان کر جائے گا۔ ان خرابیوں کو دور کرنے کے لئے بعض جامعات اتالیقی طریقہ رائج کر رہی ہیں اگرچہ کہ اس طریقے سے ایک حد تک لکچر کے طریقے کی خرابیاں دور ہو جاتی ہیں لیکن اس اتالیقی کا عام اثر جہاں تک میں تحقیق کر سکا یہی ہوتا ہے کہ اتالیق اپنے متعلقہ طلبا کو تیار کرتے ہیں

☆ مسٹر بیچ جی ڈیس نے کارلائل کے اس دعوے کو کہ موجودہ جامعہ کتابوں کی جامعہ ہے اپنا مبحث قرار دے کر عجیب دل خیالات ظاہر کئے ہیں۔

"اب اگر ہم اخلاص مندی کے ساتھ اس بات کو تسلیم کر لیں کہ اصلی اور کام کی بنیاد تعلیم کے لئے لکچر نہیں ہیں بلکہ کتابیں ہیں تو اس کے بعد تعلیمی امکانات کا ایک دلچسپ اور وسیع میدان ہمارے سامنے کھل جاتا ہے اس سے متصل علم کو وقت اور جگہ جوے سے نجات مل جاتی ہے۔ یہ ضرورت نہیں رہتی ہے کہ طالب علم کسی خاص کمرے میں کسی خاص وقت اس غرض سے حاضر ہو کہ ایک خاص استاد کے منہ سے علم اور دانش کے جو موتی گریں ان کو چن لے۔ ایک نوجوان آدمی کیمبرج کے ٹرینٹی کالج میں اپنے نہایت سجے سجائے کمروں میں دن کے گیارہ بجے مطالعہ کر رہا ہے ایک اور نوجوان جو دن بھر پیٹ پالنے کے کام میں لگا ہوا تھا رات کے گیارہ بجے گلاس گو میں اپنے غریبانہ کمرے میں جو سونے کا کمرہ بھی ہے اور اٹھنے بیٹھنے کا بھی کتاب کا مطالعہ کرتا ہے۔ میری رائے میں آرام وعیش سے پڑھنے والا نوجوان اس غریب نوجوان پر کسی قسم کی خاص فوقیت نہیں رکھتا۔

اور طلبار کو ذہنی کد و کاوش اٹھانی نہیں پڑتی۔ اب آپ اس کے برعکس طریقے پر غور کیجئے۔ طالب علم کو چند کتابوں کے نام بتا دئے اور ان مسائل پر کچھ سوالات دیدئے جن کے متعلق یہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ طالب علم ان کتابوں کو پڑھتا ہے ہضم کرتا ہے اور اپنے برتے پر سوچ سانچ کر ان سوالات کے جوابات اپنے طور پر تیار کرتا ہے۔ اس کے بعد کالج کی محفل مباحثہ میں انہیں مسائل پر اپنے نقطہ نظر کے مطابق اپنے ساتھیوں اور پروفیسروں کے ساتھ بحث کرتا ہے۔ اس قسم کی کالج کی محفلوں میں یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ تعداد محدود رہے۔ مجھے یقین ہے کہ ایسے حالات میں طالب علم کی تجربہ اور تالیف کی ذہنی قوتیں بہتر نشو نما پائیں گی گو ابتدا میں یہ لوہے کے چنے چبانے معلوم ہوں گے لیکن رفتہ رفتہ یہ کوشش اس کو اس قابل بنا دے گی کہ وہ اپنے لئے اپنی ذہنی مملکت آپ پیدا کرلے۔ یہ سب اسی وقت ممکن ہے کہ ثانوی تعلیم صحیح اصول پر مبنی ہو۔

یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ اگر لکچروں کا طریقہ اٹھا دیا جائے تو پھر پروفیسر کس مرض کی دوا رہیں گے؟ اس کا جواب بالکل ظاہر ہے۔ پروفیسر کا اصلی فریضہ بیشتر یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو جدت اور تحقیق کے لئے وقف کردے۔

جب پروفیسر یہ محسوس کرے گا کہ اس کو نئی بات ہاتھ لگی ہے وہ اس پر لکچر دے گا اور اس پر طلبار سے بحث کرے گا۔ اور اس طرح تحقیق کی روح کو ہمیشہ کے لئے زندہ رکھے گا اور اپنی ذہنی جمہوریت کو وسیع کرتا جائے گا۔ برٹرانڈرسل کا مقولہ ہے کہ جہاں تک جامعہ کی درس تدریس کا تعلق ہے فن تدریس میں ماہر ہونا اب کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

اب اگر آپ اجازت دیں تو میں خود اپنی جامعہ یعنے جامعہ کلکتہ کے کاروبار پر ایک مختصر سی نظر ڈالوں۔ ان بلند تخیلات کے پہلو سے جو میں نے ابھی آپ کے سامنے بیان کئے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ ہمارے یہاں کا ثانوی نظام نہایت ہی ناقص ہے اور

اس خرابی کی ذمہ داری ایک بڑی حد تک واسطہ تعلیم کی گردن پر ہے لیکن سر آشوتوش مکرجی جو ایک نہایت ممتاز ماہر تعلیم تھے تحصیل کے بعد کے نظام تعلیمی کو جس ڈھنگ سے نشو نما دی ہے وہ جامعہ کے اُس نصب العین کے لگ بھگ ہے جو میں نے ابھی بیان کیا ہے اس نظام کے اعلیٰ ترین تخیلات مطلق ذہنی آزادی سے گھل مل جاتے ہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ ان تخیلات کو مالی غیر کافی حالات پوری طرح عملی جامہ پہنانے کے مانع ہیں اگر میں یہ کہوں کہ ناکافی مالیات ہی باعث ہے اس مصیبت کا۔ کم سے کم ایک بڑی حد تک۔ کہ ثانوی اور ڈگری کے نصاب تعلیمی ہمارے گلے کا ہار ہیں تو اس کو یہ نہ سمجھا جائے میں اپنی مادر علمی سے غداری کر رہا ہوں۔ ایسے نظام تعلیمی کا نتیجہ یہ ہے کہ میں جس انتخاب طلبا پر زور دے رہا ہوں وہ پوری طرح عمل میں نہیں آسکتا۔ جس کا لازمی اثر یہ ہے کہ تحصیل کے بعد کا جو نظام تعلیمی ہے اس سے عہدہ بھل اس حد تک نہیں مل سکتا جتنا کہ ملنا چاہئے۔ ہماری جامعہ کے اس شعبہ میں جہاں تحصیل کے بعد طلبا سائنس کے مضامین کی تحقیق کرتے ہیں وہاں چونکہ زیادہ طلبا کی گنجایش نہیں ہوتی لہذا طلبا کا سختی سے انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ اس شعبہ میں دور اندیش اصحاب جود و کرم نے اس قدر وافر روپیہ دیا ہے کہ سائنس کی تعلیم اور تحقیق کا شعبہ نسبتاً زیادہ مضبوط بنیاد پر قائم ہے اور وہاں جو کام کیا جا رہا ہے اور جن جدید باتوں کا اضافہ ہو رہا ہے وہ وقعت کے قابل چیز ہے۔ سائنس کے کالج میں کام کرنے والے استاد اور شاگرد آپس میں ایک دوسرے سے وہ تعلقات رکھتے ہیں جو ایک ذہنی جمہوریت کے خصوصی امتیازات ہیں۔ برخلاف اس کے شعبہ فنون کو لیجئے وہاں حالات ہی ایسے ہیں جن کا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں کہ انتخاب ناکافی ہوتا ہے اگرچہ اس شعبہ کے اساتذہ بھی ایک ممتاز لوگوں کی برادری ہے جن میں سے ہر ایک نے قابل قدر چیزوں کا انسانی علم کے ذخیرے میں اضافہ کیا ہے تاہم طلبا کی بڑی جماعت اُس اہم ترین موقع سے محروم رہتی ہے جو شعبہ سائنس کو حاصل ہے یعنے یہ کہ شاگردوں کے نفوس استادوں کے

دل و دماغ سے اس طرح رگڑ کھائیں کہ استاد کی دماغی سرگرمی ان کی آنکھوں کے سامنے آجائے۔ جہاں شاگردوں کو یہ بات حاصل نہ ہو میں اس کو نظام جامعہ کا سب سے بڑا نقصان سمجھتا ہوں۔ مجھے یہ امید ہے کہ تعلیم کے نیچے کے مدارج کی اصلاح نظام جامعہ کی ان دقتوں کو بہت جلد دور کر دے گی لیکن ساتھ ہی مجھے افسوس کے ساتھ یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ ہمارے تعلیمی نظام کے ارباب تنظیم میں طلباء کا عنصر بالکل مفقود ہے۔ ان کا سب میں بڑا معلم ذمہ داری ہے اور یہ احساس کہ وہ اپنے نظام کا جز ہے۔ بالشویک روس میں یہ کیا گیا ہے کہ مدارس اور کالجوں کی انتظامی جماعتوں میں طلباء کا بھی عنصر رکھا گیا ہے اور اس سے بہت ہی اچھے نتائج نمودار ہوئے ہیں یہ نتائج اس حد تک قابل تقلید ہیں کہ ہم لوگوں کو اگر یہ در اصل منظور ہے کہ ہماری درس گاہیں ہماری عضوی نشوونما کا جزلاینفک بن جائیں تو ہمیں اس نئے طریقے کے اختیار کرنے میں جلدی کرنی چاہیئے۔

میں نے اپنے ہاں کے جامعی تعلیمی نظام کے اب تک چار نقائص بتائے ہیں۔
(۱) واسطہ تعلیم (۲) فقدان انتخاب (۳) جبری لکچروں کا انتظام (۴) طلباء کی تعلیمی تنظیم میں بحیثیت انتظامی عدم شرکت۔ اور بہت سے نقائص میں سے غالباً جو نقص توجہ کا محتاج ہے وہ یہ خیال ہے کہ جامعوں کو ان چند لوگوں کے لئے جن پر کامیابی امتحان کا چھاپہ لگ چکا ہے جاگیر بنا دیا جائے۔ اس اختصاص کے ایسی صورت میں تو ایک معنے بھی ہو سکتے ہیں اگر ہمیں یہ یقین ہو کہ ہمارا ابتدائی تعلیمی نظام غلطیوں سے پاک ہے اور یہ کہ ہم اپنے دائرہ تعلیمی میں ہر قسم کے قابل تعلیم لوگوں کو جگہ دے سکتے ہیں۔ اس قسم کے دعوے ظاہر ہیں کہ بے معنی ہوں گے اور جب ہم ایک دفعہ یہ مان لیں کہ ہماری جامعوں کو جدت اور تحقیق کے بڑے بڑے مرکزوں کی حیثیت سے کام کرنا چاہیئے اور یہ کہ ان جامعوں کے دروازے ان لوگوں کے لئے کھول دینے چاہئیں جنہوں نے جدت اور ذہن کی تیزی کا کافی ثبوت دیا ہو خواہ ان کے سروں پر کسی امتحان کی کامیابی کی کلغی ہو خواہ نہ ہو تو ان دعووں کا نامعقول ہونا اور بھی

واضح ہو جاتا ہے۔ کوئی ماہر تعلیم یہ نہیں کہہ سکتا کہ جامعہ کی اس قسم کی ہمہ گیری ترقی کی مانع ہے
برخلاف اس کے ایک تو ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہماری آبادی کا ایک نہایت ہی قلیل حصہ
تعلیم پا رہا ہے اور اس بڑے حصے میں سے جو تعلیم نہیں پا رہا ہے یہ اندیشہ ہو سکتا ہے کہ
بہت سے ایسے پھول کھلتے ہوں گے جو اپنی بہار کسی گمنام گوشے میں دکھا کے مرجھا
جاتے ہوں۔ یہ خیال اس بات کی تائید کرتا ہے کہ ہمیں جامعہ کے معاملات میں بے
سندوں کو ذات کے باہر سمجھنے کے خیال سے گریز کرنا چاہئے۔ اگر کوئی شخص دنیا کے
بڑے بڑے مردوں اور عورتوں کی مردم شماری کرے تو مجھے اندیشہ ہے کہ اُسے یہ بات
معلوم کر کے سخت حیرت ہوگی کہ ان بڑے لوگوں کا بڑا حصہ جامعوں یا کسی طرح کے
نظام تعلیمی کا برائے نام بھی رہین منت نہیں رہا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ شکسپیر یونانی
یونانی اور برائے نام لاطینی جانتا تھا۔ بنگال کے مشہور لوگ کیشب چندر سین اور رابندر ناتھ
سرت چندر چیٹرجی جو ناول نگاروں اور قصہ گویوں کا سردار ہے۔ گریش چندر گھوش
جو بنگالی ڈرامہ نگاروں کا پیشوا ہے ان لوگوں نے کبھی جامعہ کی دہلیز میں قدم نہیں رکھا۔
یہ مانتے ہوئے کہ جامعی نظام پر یہ الزام کہ وہاں اوسط درجے کے دماغ ہی پالے پوسے
جاتے ہیں بالکل بے بنیاد نہیں ہے ساتھ ہی اے مرسن کا یہ مشہور مقولہ کہ "جامعات
اصحاب جدت کی دشمن ہیں" ہر صورت میں درست نہیں۔ جامعہ کو اس بات کی فکر ہمیشہ
دامنگیر رہنی چاہئے کہ وہ انسانی ترقی کی خاطر اعلیٰ کام کرنے والوں کو اکٹھا کرے اور
ساتھ ہی ہمارا کام یہ ہونا چاہئے کہ ہم جامعوں کو اس قدر صاحب اقتدار اور صاحب قبول
بنا دیں کہ وہ ایسا کر سکیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں مسٹر ویلز کے ہاں سے ذرا سا
اقتباس دینا چاہتا ہوں۔ مسٹر ویلز آنے والی جامعات کے متعلق لکھتے ہیں کہ

"ان جامعات میں عام تعلیم مطلق نہیں دی جائے گی فنون یا سائنس یا حکمت میں
اسناد عطا نہیں کئے جائیں گے۔ ان جامعات میں وہ طلبہ آئیں گے جو نوجوان ہوں گے

اور جن کا دل و دماغ بطور خاص ان کو اس طرف کھینچ لائے گا اور جو ایسے لوگوں کے ساتھ جنہوں نے اپنی زندگیاں وقف کردی ہوں جو ممتاز انسان سمجھے جاتے ہوں اور جن کی کاوشوں کے ثمرات سے ساری دنیا سبق حاصل کر رہی ہو ایسے لوگوں کے ساتھ یہ نوجوان نہایت ہل مل کر ان کے مددگاروں، معتمدوں، چہیتے شاگردوں اور ہم پایہ محققوں کی طرح کام کریں گے"۔

اب میں آپ کی جامعہ کی خطہ واری حیثیت پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ حالات اس بات کے مقتضی ہوتے ہیں کہ ریاست خطہ واری حیثیت سے بچ نہیں سکتی کیونکہ ہر ریاست کے لئے لازمی ہے کہ وہ اپنے کل نظام تعلیمی کو اپنے قابو میں رکھے اور اس کو اپنے مقاصد کے مطابق قائم اور جاری رکھے۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسی خطہ واری اسکیم کی کامیابی یا ناکامیابی کا تمام تر انحصار اولاً خود ریاست کی وسعت خیال اور احساس پر ہے اور ثانیاً اس پالیسی کے قائم کرنے والے کہ ریاست کے مختلف سررشتہ جات اور جامعات مل جل کر کام کریں۔ مختصر یہ کہ خطہ واری جامعات اپنی قائم کرنے والی قوت یعنی ریاست کے سیاسی رجحانات کے مطابق وقتاً فوقتاً ڈھلتی جاتی ہیں اور اس طرح جامعہ کا انجام کچھ ناقابل اطمینان سا ہوتا ہے۔ میں ہمیشہ اس قسم کے نظام تعلیمی کی حد بندیوں کو اعلیٰ ترین تعلیمی تخیلات کے نقطہ نظر سے محسوس کرتا رہا ہوں لیکن جب عملی پہلو سے دیکھا جائے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک ایسی ریاست کے لئے جو اپنی ضرورتیں آپ پوری کرتی ہے ایسی ہی اسکیم معقول کہی جاسکتی ہے اور گو یہ واقعہ متضاد سا معلوم ہوگا اس قسم کی جامعہ میں ان بلند تخیلات اور آرزوؤں کی بھی وسیع ترین معنوں میں سمائی ہوسکتی ہے۔ میرا یہ خیال ہے کہ آپ نے جو نیا راستہ اختیار کیا ہے اس نے ایک اہم سوال پیدا کر دیا ہے میں اس سوال کو جامعہ ڈھاکہ کے حوالے سے واضح کرنا چاہتا ہوں بدقسمتی سے ڈھاکہ کی جامعہ، جامعہ کلکتہ کا ایک ہو بہو نمونہ ہے۔ میرا اعتراض یہی ہے کہ کیا اس کی ضرورت تھی کہ ایک ہی صوبے میں اور جبکہ فاصلہ سولہ گھنٹے کے سفر سے زیادہ ہو

اس قسم کا ہو بہو چربہ اُتار لیا جائے؟ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ ڈھاکہ کو ایسی جامعہ کا مرکز بنایا جاتا جہاں بطور خاص زراعت، سن، چرم، مچھلی، جنگل کی پیداوار، کشتی اور پُل سازی وغیرہ وغیرہ کی بطور خاص تعلیم دی جاتی اور اس طرح کلکتہ میں جن فضایوں کی کمی تھی ان کو پورا کیا جاتا اور مقامی دلچسپی کے مسائل سے متعلق تحقیق کی داغ بیل ڈالی جاتی۔ ایک ہی نمونہ کی جامعات کا خطہ واری حیثیتوں کا لحاظ کئے بغیر قائم کرنا معاشی قوت کا ضائع کرنا ہے اور مجھے یہ بات ایک طرح کی بیہودہ ہٹ دھرمی نظر آتی ہے۔ علاوہ اس کے اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ جامعوں کے فرایض آپس میں ایک دوسرے کے مماثل ہو جائیں حالانکہ یہ بات مدارس میں کی جاسکتی ہے۔ جامعات کے فرایض مدارس کے کام سے اصلاً جداگانہ ہیں۔ بہتر تو یہ ہوگا کہ ایسی جامعات کو جامعہ کا پرتکلف لقب نہ دیا جائے اور اب اگر لقب کے بدلنے میں دقت ہے تو بہتر ہوگا کہ جن درس گاہوں میں ہمارے اعلیٰ ترین تعلیمی اور کلچر کے تخیلات جاگزیں ہوں ان کا کچھ اور ہی نام رکھا جائے۔

بدقسمتی سے ان دونوں کے جداگانہ فرائض کا غلط تصور قائم کرنا ایک بہت عام بات ہے اور اس طرح ہمارے ہاں ایسا نظام تعلیمی پیدا ہو گیا ہے جو عام تعلیمی مدارس اور نہ جامعات کے فرائض پوری طرح انجام دے سکتا ہے۔ جب یہ حالت ہے تو کون تعجب کی بات ہے کہ موجودہ زمانہ کے کلچر اور ذخیرہ علمی میں ہم ہندوستان کا اس قدر کم حصہ پاتے ہیں۔ اب اپنی جامعہ کو لیجئے۔ آپ نے خطہ واری جامعہ کا جو تصور قائم کیا ہے اگر آپ صحیح منطقی حیثیت سے اس کے پابند رہیں تو آپ اپنی جامعہ میں شعبہ پر شعبہ نہیں قائم کر سکتے جب تک آپ کی خطہ واری ضرورتیں بھی طرح طرح کے شعبوں کے قیام کی اجازت نہ دیں۔ یہ میرا خیال ان شعبوں پر فطرتاً زیادہ صادق نہیں آتا جو انسانیاتی (فنون کے) شعبے سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن جہاں تک سائنس کے شعبوں کا تعلق ہے یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ آپ اپنے خطہ واری خیالات کو ہاتھ سے نہ دیں۔ کیوں کہ سائنس کے شعبوں میں خطہ واری

ضرورتوں کے لحاظ کرنے سے ایک طرف تو آپ کو کفایت شعاری کی برکتیں حاصل ہوں گی اور دوسری طرف یہ بات نصیب ہو گی کہ آپ کی جامعہ اہم صنعتی معاملات میں ملک کے لئے ایک مجلس استشارت بن جائے گی۔ اور اس طرح آخر میں چلکر جامعہ خود پیداوار کی سبیل ہو جائے گی اور اپنی دماغی قوت کے بل پر پھولنے اور پھلنے لگے گی اور اس بات پر مجبور نہ ہو گی کہ بھیک کا ٹھیکرا لے کر در بدر مانگتی پھرے۔ ریاست کے جتنے بڑے بڑے صنعتی کارخانے ہیں ـــ خواہ وہ ریاست کی ملک ہوں خواہ ان کے وجود کا محرک ریاست کا ارادہ اور دستگیری ہو ـــ یہ سب کارخانے نہ صرف ان لوگوں کے لئے جو عامہ تعلیم کے بعد کسی صنعتی راستہ کو انتخاب کریں بلکہ جامعہ کے ماہر محققوں کے واسطے بھی اعلیٰ درجہ کا تربیت کا سامان فراہم کریں گے ان ماہر اور تحقیق کے رسیا حضرات کے اکتشافات سے ریاست کو ثروت اور شہرت نصیب ہو گی۔ آپ کے لئے یہ ایک ایسی سہولت ہے جو ہمیں کلکتہ میں میسر نہیں۔ وہاں بحالات موجودہ حکومت کے سررشتہ یا کارخانے عملاً ہمارے لئے سربمہر چیزیں ہیں اور پھر ایسے کارخانے بھی گنتی کے ہیں۔

گزشتہ سال بتاریخ ۲۸ نومبر ۱۹۲۵ء آپ کے نائب امیر جامعہ نے ایک قابل قدر افتتاحی تقریر اس کمیٹی کی رپورٹ پر کی تھی جو آپ کی جامعہ کی جدید تنظیم کے متعلق تجاویز پیش کرنے کی غرض سے مقرر کی گئی تھی اس تقریر میں یہ بات ظاہر کی گئی تھی کہ آپ اپنی جامعہ میں شعبہ صنعت کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں اس شعبہ کے متعلق کچھ باتیں پیش کرنی چاہتا ہوں۔ ہمارے ہاں بنگال میں جامعہ کی صنعتی تعلیم کا تجربہ گزشتہ چھ سال سے شروع ہوتا ہے۔ اس شعبہ کی ابتدا جب ہوئی تو اس کا ایک صدر میرے شاگرد اور ساتھی کو مقرر کیا گیا یہ صاحب اپنے وطن اور بیرون وطن کی جامعات اور کارخانوں میں بخوبی تربیت پا چکے ہیں۔ وہ مقامی صنعتی حالات سے پوری طرح واقف تھے اور ان کو اس کا پورا احساس تھا کہ مدرسوں اور کالجوں میں جو تربیت دی جاتی ہے وہ دراصل ناکافی ہوتی ہے۔ ان کو مجبوراً یونیورسٹی کے اعلیٰ تخیل اور صنعتی تعلیم کے

اعلیٰ نصاب میں ایک بیچ کا راستہ نکالنا پڑا۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ بحالات موجودہ اس سے بہتر اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی ایک طرف ہمیں اپنی نسلوں میں صنعتی احساس پیدا کرنا ہے اور دوسری طرف ابتدائی صنعت اور اعلیٰ صنعت کے نصاب قابل اطمینان طریقے پر قائم ہونے ہیں۔ ہماری جامعہ کی کوشش جب تک کہ یہ چیزیں پیدا نہ ہو جائیں یہی رہے گی کہ عام جامعہ کے نصاب اور صنعتی نصاب کو جہاں تک ممکن ہو ملا جلا کر کام نکالا جائے

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب قبل از قبل ابتدائی اور انتہائی صنعت کے نصاب مرتب نہیں کر لئے گئے تو جامعہ کلکتہ میں صنعتی تعلیم کی ہی ابتدا کیوں کی گئی؟ اس سوال کے جواب سے آپ کے نائب امیر جامعہ ناواقف نہیں ہیں۔ سر راش بہاری گھوش انجمانی نے جامعہ کو ایک شاہانہ رقمی عطیہ عنایت کیا۔ اس بیش قرار عطیہ کی وجہ سے یہ بات ممکن ہوئی کہ جامعہ اپنے مضامین تعلیمی میں صنعتی نصاب کو بھی شامل کر سکے۔ اگرچہ اس عطیہ کا اصلی مقصد یہ ہے کہ صنعتی امور میں تحقیق کو فروغ دیا جائے — اور یہ کام کامیابی کے ساتھ عملی کیمیا اور طبعیات کے شعبوں میں انجام پا رہا ہے — یہ ضروری سمجھا گیا کہ خاص تربیت یافتہ نوجوانوں کو فراہم کرنے کی غرض سے تحصیل کے بعد کی تعلیم خاص نصابوں کے تحت دی جائے۔ اس سے ایک طرف تو تحقیقی کام کے لئے خاص تربیت یافتہ نوجوان تیار ہوں گے اور دوسری طرف صنعتی کارخانوں میں اس قسم کے نوجوانوں کی جو مانگ ہے وہ بھی پوری ہو سکے گی۔ گزشتہ چھ برس کے تجربے سے ہمیں اس قسم کی معلومات فراہم ہوئی کہ جس سے ابتدائی صنعتی نصاب بہت جلد معرض ظہور میں آجائے گا۔ جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے ہم اس طرح کے تربیت یافتہ نوجوانوں کی قابلیت میں نمایاں ترقی پاتے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ یہ نوجوان بڑے بڑے صنعتی کاموں کی روح رواں بن کر اپنے کارآمد ہونے کا بہت جلد ثبوت دیں گے لیکن اس امید افزا خیال کے ساتھ ہی مجھے ایک بڑے بوڑھوں کی سی مایوس کن بات بھی کہنی ہے

یہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جو سہولتیں آج آپ کی جامعہ کے طلباء کو حاصل ہیں یا جو سہولتیں ان کو سالہا سال تک حاصل رہیں گی وہ بنگالی طلبا کو مقسوم نہیں! ابھی سے صنعتی شعبے میں ضرورت سے زیادہ طلباء کی تعداد کے آثار نظر آرہے ہیں اور اگر کارخانوں کی تعداد میں بھی اضافہ نہ ہوا موجودہ کارخانے اپنے آپ کو وسعت نہ دیں تو ضرورت سے زیادہ طلبا کی تعلیم معاشی نقطہ نظر سے تضیع اوقات ہو جائے گی۔ برخلاف اس کے اگر طلباء ہاتھ کی محنت کو صحیح نقطہ نظر سے دیکھیں اور اس کے وقار کو سمجھیں، تو جامعہ کی تعلیم پانے کے باوجود بھی وہ روٹی کماتے رہیں گے اور اپنا پیٹ اسی طرح پال سکیں گے جس طرح یہ سمجھا جاتا ہے کہ جرمنی زمرہ ملازمت کے لوگ خوش حالی سے گزارتے ہیں۔ میں یہ جانتا ہوں کہ سیکڑوں غیر تعلیم یافتہ صابن ساز کلکتہ میں نہر کے اس پار ہیں جن کا سرمایہ پانسو سے پچاس ہزار تک ہے یہ لوگ ماہر فن کا کام خود کرتے ہیں منیجر بھی خود ہیں بیچنے والے بھی خود ہیں اور خود ہی صابن کو جوش دیتے ہیں اور ان کی تجارت خاصی چلتی ہے حالانکہ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان جو عینک لگاتے ہیں میز اور کرسی کے سوا بات نہیں کرتے وہ اپنے آپ کو پال نہیں سکتے۔ اس واقعہ سے ہماری آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ ان لوگوں کو لارڈ لی ورہلم کی مثال سے سبق لینا چاہئے اس لارڈ نے اپنی زندگی اس طرح شروع کی کہ وہ ایک معمولی پنساری کی دکان میں شاگرد کی حیثیت سے بٹھایا گیا۔ ان ہمارے نوجوانوں کو چاہئے کہ خوشی کے ساتھ ہاتھ کے دھندوں کو اختیار کریں اور ان کو اس احساس سے مسرت ہونی چاہئے کہ انہوں نے جو کچھ تعلیم پائی ہے اس کی وجہ سے ان کو غیر تعلیم یافتہ مزدوروں پر ایک طرح کی فوقیت حاصل ہے کیونکہ تعلیم ایک طرح کی فطرت کے خزانوں کی کنجی ہے اور یہ بالکل ان کے اختیار میں ہے کہ صبر سے انتظار کریں اور موقع پر اس کنجی سے کام لیں میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ صورت حالات نہ ہوتی لیکن افسوس ہے کہ ہمارے سماجی اور تعلیمی نظامات ایسے واقع ہوئے ہیں کہ انہوں نے ہمارے نوجوانوں کی بے بسی اور لاچاری کی حالت پیدا کر دی ہے۔ قوم میں کوئی عام بلند اور قوت

تخیل نہیں۔ بعض نوجوان لہو لعب کی زندگی گزارتے ہیں اور اکثر نہایت پست کرنے والے افلاس میں مبتلا ہیں۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارے نوجوانوں میں سے نہایت ذہین اور ہونہار بھی آخر کار ذہنی اور جسمانی بے حسی میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور تعلیم جس کا فریضہ ہونا چاہئے کہ ان کے خیالات کو بلند کر دے شرحین اور رہنما فراہم کرکے ان کی ذہنی نشوونما کو اور بھی برباد کر دیتی ہے۔

اب بہت کم لوگ ایسے رہ گئے ہیں جو اتنا غور کریں کہ ہماری پرانی تعلیم کی سختیاں کیا معنے رکھتی تھیں اور ان سختیوں میں سے گزرنے کے بعد کیا انمول صلہ ملتا تھا اور صلہ کس صورت میں۔ اس صورت میں کہ اپنے اوپر آپ بھروسہ کرنا آجاتا تھا۔ یہ ہماری میراث اس قدر افراط سے ہے کہ ہم یہ بھی بھول گئے ہیں کہ اس کو کس طرح قائم رکھیں کارلائل کا سوانح نگار فروڈ کارلائل اور کارلائل کے ہم عصروں کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"جب یہ لوگ کالج سے گھر جاتے تو راستے میں یا گھر پہونچنے کے بعد ان کی دیکھ
"بھال کرنے والا کوئی نہ تھا چونکہ گاڑی کا کرایہ نہیں دے سکتے تھے اپنے گھروں سے"
"کالج کو پیدل جاتے تھے ان کو رہنے سہنے کے لئے معمولی سے کمرے اپنے آپ"
"ڈھونڈنے پڑتے تھے اور اپنی گزر بسر اور اپنے چال چلن کے یہ آپ مختار"
"ہوتے تھے۔ گاؤں کے آنے جانے والے گھر سے ان کو دلیا آلو مکھن اور کچھ"
"انڈے کبھی کبھی لا دیتے تھے یہ ان کے عیش کا سامان ہوتا تھا۔ اپنی ٹھکے گز"
"کی چال اور سیدھی سادی عادتوں کی بدولت ان کو اور مرغن غذاؤں کی"
"ضرورت نہ تھی۔ جب گاڑیاں گاؤں کو لوٹتیں تو یہ اپنے کپڑے ماؤں کو بھیجدیتے"
"اور وہ بچاریاں کپڑے دھو دیتیں اور پھٹے پرانوں کو سی دیتیں خود مفلسی اور لیب"
"کی باتوں سے ان کو بچاتی یہ لوگ دوستیاں بھی ایسوں ہی سے کرتے کہ"
"جن کی وجہ سے کفایت شعاری ہاتھ سے نہ جائے۔ یہ دوست کھانے پینے"

"اور خیالات میں ایک دوسرے کے شریک حال ہوتے تھے اور ساتھ ہی"
"یا بحث مباحثے کے لئے اپنی کلب بنا لیتے۔ جب چھٹیاں ہوتیں تو یہ اپنی کلبیں"
"بنا لیتے اور پیادہ پا گھروں کو جاتے۔ ہر ضلع کی ایک چھوٹی موٹی ٹولی بن جاتی"
"سرراہ جو لوگ رہتے تھے وہ ان کو جامعہ کے طالب علم سمجھتے تھے اور راستہ"
"بھر ان کی خاطر تواضع یقینی طور پر ہوتی تھی۔ برطانیہ کے جزیروں میں خود اعتمادی"
"کی تربیت اس سے بہتر کہیں نہیں مل سکتی تھی۔"

میں نہایت زور سے اس بات کی التجا کرتا ہوں کہ خواہ کوئی صنعتی مضامین اور تعلیم خواہ شعبہ انسانیات (فنون) کا دلدادہ ہو سب کو اس امر کی کوششوں میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا چاہئے کہ جامعہ میسور میں ان عنصروں کو روکا جائے جن سے یہ اندیشہ ہو کہ ان سے طلباء کی جماعت میں سے اپنی آپ مدد کرنے کی مردانہ صفت مفقود ہو جائے گی۔ فولاد مزاج فلسفی کارلائل کا مقولہ ہے کہ "محنت کی زندگی اختیار کرو" اور اس بیج کے بونے کے بعد انمول پھل تمہارا یقینی صلہ ہے۔

اب میں پھر صنعتیات کی طرف لوٹتا ہوں جو ریاست یا ملک اپنے آپ کو معاشی حیثیت سے کسی کا دست نگر نہیں رکھنا چاہتا اس کے لئے یہ بات لازمی ہے کہ اپنے ہاں کے سارے ثروت کے فطری منبعوں کو پوری طرح نشو نما دے۔ جس ملک میں زراعت پیٹ پالنے کا عام ذریعہ ہو وہاں کے لوگوں میں زراعتی رجحان کا ہونا ضروری ہے اسی طرح آپ لوگ اگر اپنے ہاں کے فطری منبعوں کو سدھارنا چاہتے ہیں تو آپ کو بھی اپنی آبادی میں صنعتی میلان کا پیدا کرنا لازمی ہے صنعتی نشو نما سے ہندوستانی حال میں روشناس ہوئے ہیں۔ زراعت میں ہندوستانی کام چلا سکتے ہیں لیکن اس کے برعکس صنعتی معاملات میں ہاتھ ڈالنے اور ان کو فائدہ کے ساتھ چلانے کے لئے یہ بات اٹل ہے کہ بالکل جداگانہ روایات ہمارے تمدنیہ مدارس تک میں معرض وجود میں لائی جائیں۔ ہمارے بچوں کے میکانی رجحان کو پانا پونا پڑے گا اور ان کی

صحیح مشاہدہ اور تجربہ کی قوتوں کی پرورش آج کل کی طرح بڑی عمر میں نہیں بلکہ ابتدا ہی سے کرنی ہوگی۔ یہ نہایت اہم چیز ہے۔ یہ عام عادت کہ بس ایک کام کو خاصا کر لیا اور مطمئن ہو گئے ہمارے نوجوانوں کے دلوں سے نکال دینی چاہیئے میں جانتا ہوں کہ اگر ایک لکڑی کے ٹکڑے کو ناپنے کے لئے بیس نوجوانوں سے کہا جائے تو وہ سب کے سب صحیح ناپ کے لگ بھگ پہونچ جائیں گے لیکن اس کی صحیح ضخامت کو ان میں سے ایک آدھ بھی نہیں بتا سکیگا۔ یہ قریب قریب صحیح پر اکتفا کرنے کی عادت جڑ پیڑ سے اکھاڑنی ہوگی کیونکہ بغیر ایسا کئے صنعتی تعلیم میں کامیابی ممکن نہیں۔ جس میکانی تعلیم کو ہم حقارت سے دیکھنے لگے تھے مثلاً بالک باغ (کنڈر گارٹن) طریقے اور ایسی ہی اور چیزوں کو پھر ہمارے تعلیمی نظام کا جز بنانا ہوگا کیونکہ ان سے بچوں کی مشاہدہ کی قوتیں خوب نشو نما پاتی ہیں اور ان طریقوں کی وجہ سے ایسے بہت سے بچے جن کی تعلیم اور تربیت سے ہم پرانے طریقوں کے مطابق مایوس ہو چکے تھے پھر ہمارے تعلیمی زمرہ میں آجائیں گے۔

میں یہاں صرف ایک جرمن مدرسہ کے روزمرہ کام کے پھیر کا تذکرہ کئے دیتا ہوں۔

یہ نخشہ نہایت کم سن بچوں کے کام کا ہے۔

	نیچے کے درجے	اوسط درجے	اوپر کے درجے
مذہب	چار گھنٹہ فی ہفتہ	چار گھنٹہ فی ہفتہ	چار گھنٹہ فی ہفتہ
جرمن زبان	گیارہ 〃 〃	۸ 〃 〃	۸ 〃 〃
حساب	چار 〃 〃	۴ 〃 〃	۶ 〃 〃
نقشہ کشی		۲ 〃 〃	۲ 〃 〃
مطالعہ فطرت		۶ 〃 〃	۶ 〃 〃
گانا	۱ 〃 〃	۲ 〃 〃	۲ 〃 〃
اکھاڑا اور ہاتھ کے کام	۲ 〃 〃	۲ 〃 〃	۲ 〃 〃

اس جدول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صغر سنی کی منزل ہی سے نقشہ کشی اور مطالعہ فطرت کی تعلیم شروع کر دی جاتی ہے۔ اس کی اہمیت پر تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مطالعہ فطرت تو مواد فراہم کرتا ہے اور نقشہ کشی گویا اس مشینی عہد کی زبان ہے۔

جدید تمدن میں مرتب اور سوجھے سمجھے علم کی اس قدر مانگ ہے کہ اب سائنس اور اس کے عملی پہلو کو ابتدائی تعلیم میں شامل نہ کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ صغر سنی کی منزل میں اس قسم کی درس تدریس کے جاری کرنے میں جو دقتیں پیش آتی ہیں وہ ہمارے غلط طریقوں کی بدولت پیدا ہوتی ہیں۔ اگر مباحث پہلے پیش کئے جائیں تو بچے جوش میں آجاتے ہیں اور اس درجہ ذوق و شوق ان میں پیدا ہو جاتا ہے کہ ان مباحث کے پوشیدہ اسباب سمجھنے کی کوشش میں وہ چپ چاپ اور خوشی خوشی ڈسپلن (ضبط) کا جوا اپنی گردن پر اٹھا لیتے ہیں۔ اسی طرح فطری ظہورات کے مطالعہ میں ان کو مجبوراً پڑھنے لکھنے اور حساب کی مشق ہو جائے گی۔ اس بات کا خطرہ ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ لکھنے پڑھنے اور حساب سے بے بہرہ رہیں گے کیونکہ بغیر ان چیزوں کے وہ مطالعہ فطرت کے اسباق کو سمجھ ہی نہیں سکیں گے ایسے مواقع کے لئے عجائب خانے نمائش وغیرہ نہایت کارآمد ہیں ان چیزوں سے صرف بڑی عمر کے طلبا کام لیتے ہیں اور وہ بھی ادھورا سا۔ اب اگر ہم تعلیمی مشین کو ٹھیک بٹھانا چاہتے ہیں تو اصلی اساتذہ کی ایک بڑی تعداد درکار ہو گی جس بچہ کی اچھی تربیت ہو جائے وہ ریاست کے لئے ایک قیمتی چیز ہوتا ہے کیونکہ آخر میں چلکر اس بچہ کے ذریعہ ملک کی ثروت اور فلاح میں اضافہ ہوتا ہے اس لئے ریاست کے موازنہ میں تعلیم کا کونسا درجہ ہونا چاہئے اس بات کو خود ہر ریاست کو طے کرنا چاہئے۔ تعلیم میں کفایت شعاری کے کوئی معنے ہی نہیں۔

حضرات ختم کرنے سے پہلے مجھے اور دو امور پر زور دینا ہے پہلی بات کا تعلق ہمیں

جامعی تعلقات سے ہے اور دوسری بات کا مقصود یہ ہے کہ ہندوستان کے مختلف مقامات پر مرکزی انس ٹی ٹیوٹ تحقیق کے فروغ کی غرض سے قائم کئے جائیں۔ یہ جو عام طریقہ ہے کہ پروفیسروں کو لیکچر دینے کی دعوت دی جاتی ہے یہ اصلی کام کی بات نہیں یہ میرے خیال میں محض دفع الوقتی ہے۔ اگر یہ ممتاز لیکچر دینے والے اس پر راضی ہوسکیں کہ ہماری جامعات میں کم سے کم چھ چھ مہینے قیام کریں تو اس صورت میں جو شوق اور امنگ ہم میں پیدا ہوسکتی ہے اور تحقیق کے کام کی جو داغ بیل وہ ڈال سکیں گے اس سے ہماری جامعات پر پائدار اثر پڑے گا۔ اس طرح کے ذہنی تبادلہ سے نہ صرف انسانی کلچر کی ترقی پذیر آرزوئیں پوری ہوں گی بلکہ اس تبادلہ کے ساتھ نوع انسان کے آپس کے جہانگیر تعلقات کے بارے میں گہری ہمدردی بھی لازمی طور پر رونما ہوگی۔ ایسی وسیع خیالی اور ہمہ گیر ہمدردی کی دنیا میں برہمن غیر برہمن مسلمان اور عیسائی زرد اور بھورے کالے اور گورے کے امتیازات محو ہوجائینگے یہ سب انسانی برادری کے افراد سمجھے جائیں گے۔ اس ریاست میں مرکزی تحقیقی انس ٹی ٹیوٹ کا قیام کوئی نئی بات نہیں اور میسور نے سب سے زیادہ اس طرح کی قدردانی اس صورت میں کی ہے کہ ان ڈین انس ٹی ٹیوٹ آف سائنس کو فیاضانہ مدد دی ہے۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ اس ہندوستان میں جو ایک اقلیم کی حیثیت رکھتا ہے اور جہاں فطرت نے دل کھول کر اپنی برکتیں بکھیر دی ہیں اس بنگلور والے انس ٹی ٹیوٹ کی طرح اور انس ٹی ٹیوٹ اب تک پیدا نہیں ہوئے جو ہندوستان کے فطری منبعوں کی تحقیقات کرتے۔ اب اس میں شک ہی نہیں رہا کہ انسانی کوششیں خواہ وہ مادی ہوں خواہ علمی۔ اب اس طرح کارآمد نہیں ہوسکتی ہیں کہ کام کرنے والے مختلف افراد پہٹے پھٹے رہیں جس طرح اگلے وقتوں میں ہوا کرتا تھا۔ اب اس طریقے کو چھوڑ کر ایک ہی جوئے کے نیچے جت کر کام کرنا لازمی ہوگیا ہے ان مرکزی انس ٹی ٹیوٹوں کو اپنے خطہ واری خصائص سے دست بردار ہونا پڑے گا اور آپس میں ہاتھ کے سروں کی طرح ملکر قوم کی عام بہبودی کے لئے کام کرنا ہوگا۔ بغیر اس طرح کئے یہ انس ٹی ٹیوٹ

کبھی بین قومی حیثیت حاصل کر سکیں گے۔

حضرات۔ ختم کرنے اور آپ سے الوداع کہنے کے پہلے میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ہم نے اب تک اپنی جامعی تعلیم کی اسکیم کی بدولت کس قدر بڑے پیمانے پر قومی دماغ کو ضائع کیا ہے۔ اور کس قدر علمی معاملات کی حد تک نااہلوں کی صورت میں ہم اس جامعہ کی مشین سے ڈھل ڈھلا کر نکلتے ہیں۔ میں یہاں صرف اس اعدادی تجزیے کا ذکر کروں گا۔ جس کے پڑھنے سے دل شق ہوتا ہے۔ اور جس کو مسٹر کے سری نواس آئینگار نے سنہ ۱۹۲۰ء میں بحیثیت نائب امیر جامعہ اپنی ایک تقریر میں پیش کیا تھا۔

"جامعہ مدراس کے اٹھارہ ہزار پانسو فارغ التحصیل (گرایجویٹ) لوگوں کی بعد کی زندگیوں کا"
"پتہ چلایا گیا ہے۔ ان میں سے تین ہزار سات سو نے اپنی زندگیاں سرکاری یا انتظامی"
"ملازمت میں گزاری ہیں۔ اسی قدر تعداد وراثت میں مشغول ہے۔ تقریباً چھ ہزار"
"قانون کے دائرے میں ہیں۔ صرف سات سو پینسٹھ نے طب کے لئے، تجارت کے لئے سو"
"اور سائنس کے لئے نہایت ہی قلیل تعداد یعنے چھپن نے اپنے آپ کو وقف کیا آپ"
"خواہ کتنی ہی کوشش کریں آپ کو اس بات کا پتہ نہیں چلے گا کہ اس زبردست تعداد"
"اٹھارہ ہزار پانسو میں سے کسی فرد بشر نے انسانی علم کے ذخیرے میں ذرہ برابر بھی"
"اضافہ کیا ہو۔"

اسپر مسٹر اذیخبر ہے جو حال ہی میں اخباروں میں گشت لگا چکی ہے

"چونکہ امیدواروں کی تعداد بہت زیادہ ہے یعنے تقریباً ایک ہزار چار سو پچاس"
"اشخاص کو اسناد عطا کی جانی ہیں اس لئے جامعہ مدراس کی مجلس انتظامی (سنڈیکیٹ)"
"نے یہ طے کیا ہے کہ آیندہ پنجشنبہ کو دو جلسے تقسیم اسناد کے کئے جائیں۔ ایک جلسہ"
"دو بجے سہ پہر کو منعقد ہوگا۔ جس کی صدارت نائب امیر جامعہ فرمائیں گے۔ اور یہ"
"جلسہ ڈیڑھ گھنٹے تک رہے گا۔ دوسرا جلسہ اسی دن ساڑھے چار بجے ہوگا جس کی"

"صدارت ادارجامعہ فرمائیں گے۔

بالفاظ دیگر یہ کہنا پڑتا ہے کہ کلکتہ اور مدراس کی جامعات دو زبردست کارخانے بن گئی ہیں جہاں بڑے پیمانے پر گرایجویٹ گھڑے جاتے ہیں۔ سند حاصل کرنے کا دیوانہ وار خبط جو تقریباً جنون کی حد تک پہونچ گیا ہے۔ اور اس سے جو شر پیدا ہوا ہے اس کی کوئی حد نہیں۔ یہ جنون ایک طرح کا گہن ہے جو ہندوستان کی ذہنی زندگی اور ترقی کی جان کو لگ گیا ہے آج کل جامعہ کے متعلق جو غلط خیالات پھیلے ہوئے ہیں ان کا اثر یہ ہے کہ ہمارے ہاں جو نوجوان جامعہ سے تربیت پاکر نکلتے ہیں اُن میں عام طور پر کسی کام کو اپنے برتے پر کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ ان میں جرأت اور ضرورت کے وقت ذرائع فراہم کر لینے کی قابلیت بھی نہیں ہوتی۔ اور یہ لوگ اس طرح ان کمزوریوں کے ساتھ دنیا کے اکھاڑے میں دھکیل دیے جاتے ہیں۔ اور ان کو اپنا راستہ آپ بنانا پڑتا ہے۔ سائنس یا علمی کاروبار میں جو اس وقت بڑے بڑے لوگ سمجھے جاتے ہیں ان کی شہادت بھی جامعات کی اصلاح کی ضرورت کو واضح کرتی ہے۔ ایڈیسن جو امریکہ کا مشہور موجد ہے۔ اس کا بیان ہے کہ "میں معمولی کالج کے گرایجویٹ کو ایک ٹکے کے قابل بھی نہیں سمجھتا" ہنری فورڈ جس کی موٹریں ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ کہتا ہے کہ

"تعلیم یافتہ آدمی وہ نہیں ہے جس کے حافظے کو اتنی تربیت دیدی گئی ہے"
کہ وہ تاریخ کے سنہ یاد رکھے تعلیم یافتہ وہ ہے جو کام کرسکے اور چیزیں بنا سکے۔ جو آدمی"
اپنے برتے پر نہیں سوچ سکتا وہ ہرگز تعلیم یافتہ نہیں ہے خواہ اس نے کتنی ہی"
کالج کی سندیں حاصل کرلی ہوں"

عجیب حسن اتفاق ہے کہ عین اس موقع پر جب کہ میں یہ سطریں لکھ رہا تھا میری نظر ایک اخباری تار پر پڑی۔ اس تار میں مسٹر ماریس کا بیان دیا گیا ہے۔ مسٹر ماریس ایک بڑے موٹر کے کارخانے کے مالک ہیں، اور ان کو "انگلستان کا فورڈ کہا جاتا ہے"۔ اس کا بیان ہے

"کاروبار کے لئے جو مدرسہ کی تربیت محض تضیع اوقات ہے۔ اس میں شک نہیں کہ"
"مستثنیات ضرور ہیں۔ لیکن میں نے کبھی اپنے کارخانے کی تنظیم میں جامعہ کی تعلیم"
"و تربیت کو کارآمد نہیں پایا۔ جامعہ وہ صفات نہیں پیدا کرتی، جو تجارت کے لئے"
"لازمی ہیں، بلکہ اگر طالب علم میں یہ صفات موجود ہوں تو ان کو مٹا دیتی ہے۔"
"جامعہ اپنے طلبا میں مزدور پیشہ لوگوں کی نفسیات سمجھنے کی صلاحیت پیدا نہیں کرتی"
"جو بڑے پیمانے پر کاروبار چلانے کے لئے سب باتوں سے مقدم چیز ہے جامعہ کے"
"طلبا میں یہ خیال راسخ ہو جاتا ہے کہ زندگی ایک آسان سی چیز ہے۔ اور وہ"
"کھیل کود اور مسرت پر زیادہ توجہ کرتے ہیں"

بنگال کی مختلف صنعتوں سے گزشتہ تیس سال میں میرا گہرا تعلق رہا ہے۔ اس عرصہ مدت میں مجھے جامعہ کے پیوتوں کا جو تجربہ ہوا وہ افسوسناک ہے اور اس سے میرے دل کو بہت تکلیف دہ اثر ہوا ہے۔

مجھے اندیشہ ہے کہ آپ سامعین اب کچھ بے چین سے ہو چلے ہوں گے۔ کیونکہ دعوت تو مجھے یہ دی گئی تھی کہ اس سال کے فارغ التحصیل لوگوں کو میں خطاب کروں اور میں نے اس آپ کی عنایت کے موقع سے یہ کام لیا کہ سرے سے جامعی تعلیم ہی کے خلاف وعظ و پند کا طومار باندھ دیا۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ میرا ہرگز مقصد ہی نہیں۔ میرا منشا یہ ہے کہ سند تحصیلی کے حاصل کرنے کا جو دیوانہ وار خبط ہمارے نوجوانوں پر سوار ہے اس کے خلاف تنبیہ کے طور پر آواز بلند کروں اور یہی باتیں ان جامعوں کے لئے بھی کارآمد ہوں گی جنہوں نے اپنے اعلیٰ ترین مقاصد کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ میں نے اس بات کو واضح طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ طلبا کا انتخاب اسی وقت ٹھیک ہوگا جبکہ احتیاط کے ساتھ ان کو چھانٹا جائے جب تک کہ طالب علم یہ محسوس نہ کرے کہ وہ دل سے اور جبلی طور پر جامعہ کی تعلیم کا اپنے آپ میں میلان رکھتا ہے اس کو جامعہ کا انتساب اختیار نہ کرنا چاہئے۔ جامعہ کو

تبحر تحقیق اور کلچر کا مرکز ہونا چاہیئے۔ صرف انہیں لوگوں کو جامعہ کے آستانہ کو کھٹکھٹانا چاہیئے جو علم کی دیوی سرسوتی کی مورتی پر اپنی زندگیاں بہ حیثیت چڑھانی چاہتے ہیں مجھے خوش نصیبی سے یہ موقع ملا ہے کہ میں بہ حیثیت مہمان برطانیہ عظمیٰ کے کئی کالجوں میں رہا ہوں دو موقعوں پر میں اپنی جامعہ کی جانب سے مملکت برطانیہ کی جامعات کی کانگریس میں نائب کی حیثیت سے گیا تھا۔ مجھ پر جس بات کا نہایت ہی اثر ہوا وہ یہ تھی کہ ان جامعات کے فارغ التحصیل جتنے قیمتی اور کارآمد ہیں اتنے ہی ہمارے ہاں کے تعلیم یافتہ بے قیمت اور نکمے ہیں۔ کیمبرج اور آکسفورڈ کے کالج ان بڑے بڑے لوگوں کی یاد تازہ کرتے ہیں جنہوں نے اپنے وطن کو چار چاند لگادیے ہیں۔ ان کالجوں نے شاعر مقرر مدبر اور ارباب سائنس پیدا کئے۔ ان زبردست علمی مرکزوں میں بعض مفلس ارباب علم کو وظیفہ اور خدمت کے مل جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے ادب اور سائنس کا اطمینان سے مطالعہ کیا۔ کیمبرج کے ٹرینٹی کالج کو اگر نیوٹن پر ناز ہے تو کیمبرج کو ارباب قلم کے ایک زبردست فرد ملٹن کالے کو بھی اپنا کہنے کا اسی طرح حق حاصل ہے۔ جامعہ علم کی کوہ ہے جس سے چوطرف علم اور عقل کی کرنیں پھیلتی ہیں۔

جب میں اس زبردست قومی خدمت کا تصور کرتا ہوں جو جامعہ اور معقول تعلیم نظام ایک پیڑھی میں انجام دے سکتے ہیں تو میں خوشی کے مارے تھرتھرا اٹھتا ہوں۔ اور میرے اس عقیدہ کی وجہ سے کہ انجام کار دنیا میں بھلائی پھیل کر رہے گی میری آرزو آسمانی بلند ہو جاتی ہے کہ میں اس پیش گوئی پر آمادہ ہو جاتا ہوں کہ جب ہمارے وطن میں علم کی قدرت اور قوت کو لوگ اور اچھی طرح سمجھ لیں گے تو ایک دن وہ آئے گا کہ امراض کا مقابلہ کر کے ان کو شکست دی جائے گی۔ گھر گھر فلاح اور آسایش سے بھر جائیں گے اور نوع انسان تعقل کی اعلیٰ ترین بلندیوں پر پہونچ جائے گی۔ اس مقصد کے حاصل کرنے میں غور کیجئے کہ جامعہ کیا کام کر سکتی ہے۔ برٹرانڈرسل نے کیا خوب کہا ہے۔

اعلیٰ اور زبردست فنی کمال اور سائنس کا سرچشمہ یہی بے تابانہ آرزو ہے کہ

جو چیزیں پہلے غیر مادی اور پردے کی سی صورت رکھتی ہیں ان کو معرض
وجود میں لایا جائے ۔ ۔ ۔ چھلاوے موہنی اور دلربا محبوبوں کی طرح ہوتے ہیں
جو انسانوں کو امن اور سلامتی کی زندگی سے شاندار دکھ درد اور محنت اور مصیبت
کی جانب لبھا کر لے جاتے ہیں ۔ جن آدمیوں میں یہ آرزو موجود ہو ان کے پیروں میں
سود اور بہبود کے فلسفہ کی بیڑیاں نہیں ڈالنی چاہئے کیونکہ انہیں لوگوں کے جوش
و خروش اور سرگرمیوں کا پھل وہ تمام چیزیں ہیں جنہوں نے انسان کو انسان بنایا ہے
اور ایسے لوگوں کا پالنا پوسنا جامعہ کا اصلی فرض ہے ۔

اردو کا ماہانہ رسالہ شمع آگرہ

جنوری ۱۹۲۵ء شمع نہایت آب و تاب سے شائع ہو رہا ہے ۔ لکھائی چھپائی کاغذ غرض
ہر لحاظ سے اپنی آپ نظیر ہے ۔ ہر مضمون مہذب محرک خیال اور معلومات جدیدہ کا بہترین نمونہ ہوتا ہے
اور تاریخی سیاسی ۔ اقتصادی و ادبی مضامین شایع ہوتے ہیں ۔ اس کے مقاصد علمی و ادبی ہیں ۔ لائق
مدیران شمع مسٹر محمد حبیب (آکسن) بیرسٹرایٹ لا پروفیسر تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ و مسٹر حسن عابد
جعفری (آکسن) بیرسٹرایٹ لا آگرہ ہیں ۔ یہ حضرات بہترین تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے
نقاد اور ادیب ہیں اور فن اخبار نویسی سے واقف ہیں اور محض ادبی و علمی خدمت کی آرزو
میں رسالہ کی ترتیب میں مصروف ہیں اس میں کوئی ذاتی فائدہ شامل نہیں اور نہ کسی تجارتی
اصول پر اس کو شش کو پیش کرنا چاہتے ہیں ۔ ہر ماہ میں پابندی وقت سے شایع ہوتا ہے
تصاویر بھی شائع ہوتی رہتی ہیں ۔

حجم ۱۰۰ صفحہ قیمت سالانہ (دو) کلدار نمونہ کا پرچہ (۱۰) کلدار

المشتہر منیجر رسالہ شمع ۔ حسن منزل شاہ گنج آگرہ

نگہداشت اطفال

حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے پہلے اجلاس میں جناب مولوی سید محمد حسین صاحب بی۔اے (آکسن) نائب ناظم تعلیمات نے اس ضروری مضمون پر ایک مفید لکچر دیا ہے اگرچیکہ یہ لکچر اور طرح شائع ہو چکا ہے۔ ہم اس کو المعلم میں بھی اس لئے شائع کرتے ہیں کہ بالک سیوا ایک نہایت اہم چیز ہے۔ جو ملک اپنے بچوں کی صغر سنی ہی سے دیکھ بھال نہ کرے اور سلامتی بدن اور صحت دماغ کا خیال نہ رکھے، وہاں مضبوط بلند اور قوی دماغ بہت کم پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہم اس لکچر کو شایع کرتے ہیں اور صاحب لکچر نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اسی سلسلہ میں عام فہم پیرایہ میں مزید روشنی اس مضمون پر ڈالی جائے گی، اور ہمیں امید ہے کہ ہمارے ناظرین اس سلسلے کو نہایت غور سے پڑھیں گے، اور اپنے گھروں میں اور دوستوں میں نگہداشت اطفال کے مفید خیالات پھیلائیں گے۔

شریک مدیر

(۱) حفاظت اطفال ترجمہ ہے (Child welfare) کا۔ نگہداشت اطفال بھی کہا جائے تو مطلب ادا ہو سکتا ہے۔ حفاظت عربی لفظ ہے۔ نگہداشت فارسی ہے میرے دوست مولوی عظمت اللہ خاں صاحب نے ہندی میں بال رکھشا یا بالک سیوا ترجمہ فرمایا ہے۔

(۲) یہ حرکت دنیا کے اکثر متمدن اور ترقی یافتہ ممالک میں آج پچیس سال سے جاری ہے مثلاً انگلستان میں اس کا آغاز لوکل گورنمنٹ ایکٹ سنہ (۱۸۸۹ء) سے ہوا اور اب تک بیس برس میں اس حرکت کو بڑی ترقی ہوئی اور اب انگلستان کے تقریباً تمام بڑے مقامات میں اس کے

مرکز قائم ہوگئے ہیں اور بڑی سرگرمی سے کام جاری ہے۔ خصوصاً جنگ عظیم کے بعد سے تو اس کو بڑا فروغ ہوا ہے۔

امریکہ میں بھی یہ حرکت کم و بیش اسی زمانہ سے شروع ہوئی جب کہ انگلستان میں اس کی ابتداء ہوئی۔

ان ممالک کے ماہر اور درد مند ہستیوں نے بچوں اور ماؤں کی سالانہ اموات کی کثیر تعداد کو دیکھا تو ان کے دل ہل گئے اور یہ لوگ بے چین اور مضطرب ہوگئے۔ ان سے نچلا بیٹھا نہ گیا فوراً ایسی تدابیر کے سوچنے میں غرق ہوگئے جن سے معصوموں کی جانیں بچ سکتی تھیں اور بہت غور و خوض کے بعد انہوں نے حرکت حفاظت اطفال کو اپنی اپنی قوم کے سامنے پیش کر دیا۔

جیسا کہ عام قاعدہ ہے پہلے پہلے اس حرکت کی مخالفت کی گئی اعتراضات ہوئے لیکن بعد میں جوں جوں لوگ اس حرکت کو سمجھتے گئے اور اس کے فوائد ان پر عیاں ہوتے گئے تو مخالفت زائل ہوتی گئی اور بالآخر حرکت مقبول خاص و عام ہوگئی۔

آج یورپ اور امریکہ میں ایک بھی تعلیم یافتہ روشن خیال شخص ایسا نہیں جو اس حرکت کے مفید ہونے کے متعلق ذرا بھی شک و شبہ رکھتا ہو۔

ان ممالک میں اب حفاظت اطفال کے صدہا مرکز قائم ہیں جس پر پبلک قسم کثیر صرف کر رہی ہے اور جہاں ہزارہا افراد قوم رضاکارانہ خدمت بجا لا رہے ہیں۔

باوجود بعد مسافت یہ حرکت ہندوستان تک پہونچ گئی اور چند سال سے اس ملک کے مختلف حصوں میں جاری ہے۔

ہندوستان میں اس تحریک کی بنیاد لیڈی چیمسفورڈ نے ڈالی۔

لیڈی صاحبہ کی کوشش رائگاں نہیں گئی بلکہ انہیں بڑی کامیابی ہوئی چنانچہ آج بمبئی، مدراس، کلکتہ پریزیڈنسی کے اکثر مقامات پر مرکز قائم ہوگئے ہیں اور ہر جگہ سال میں ایک دفعہ ہفتہ اطفال (Baby week) منایا جاتا ہے۔

(۵) اس تحریک کے دو اہم مقاصد ہیں

(الف) خلق اللہ کی خدمت عام طور پر۔

(ب) اور بالخصوص معصوم بچوں اور ان کی ماؤں کی جانیں بچانا۔ اس زمانہ گرانی اور مقابلہ میں کوئی قوم ترقی کی امید نہیں رکھ سکتی جب تک کہ اس کی عورتوں اور بچوں کی حفاظت اور اچھی پرورش نہ کی جائے۔ ملک کے تندرست بچے آئندہ چلکر تندرست باشندے ہوتے ہیں اور تندرست باشندے قوم کو ترقی کی راہ پر لگاتے ہیں۔

(۶) اس حرکت کا آغاز اس طرح کیا جاتا ہے کہ شہر کے مختلف محلوں میں یا اگر ممکن نہ ہو تو ملک کے بعض بڑے بڑے مقامات پر حفاظت اطفال کے مرکز قائم کئے جاتے ہیں مرکزوں کے قیام کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے۔

(الف) روپیہ

(ب) امکنہ

(ج) کام کرنے والے۔

روپیہ حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ملک کے سربرآوردہ ذی اثر متمول اشخاص کی ہمدردی اس حرکت کے متعلق حاصل کی جائے اور اس کی اہمیت ان پر ظاہر کرکے ان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے۔ اس کے بعد ان میں سے بعض ہمدرد اور رحم دل اشخاص کی ایک کمیٹی قائم کی جائے جو خود چندہ دیں اور اپنے اثر سے دوسروں سے چندہ وصول کرسکیں چندہ کافی نہ ہو تو گورنمنٹ متعلقہ سے امداد مانگی جائے اس کمیٹی کے اراکین حتی الامکان ایسے مرد اور عورتیں ہوں جو فن طبابت اور اصول حفظان صحت سے واقف ہوں۔

معقول روپیہ فراہم ہونے پر پورا مکان یا مکان کا کوئی حصہ لیا جائے جو اقلاً تین ہوادار روشن اور وسیع کمروں پر مشتمل ہو۔

منجملہ ان تین کمروں کے ایک ڈاکٹر کے لئے اور کمرہ معائنہ کے کام میں لایا جائے

دوسرا بچوں کے تولنے اور کپڑے بدلنے اور امارے کے لئے مخصوص کیا جائے۔ اور میسر ا بطور ویٹنگ روم کے رکھا جائے جہاں بچوں کے والدین ٹھہر سکیں۔

کمرے اصول حفظان کے مطابق ہوں۔ بیت الخلا اور ہاتھ منھ دھونے کا باقاعدہ انتظام کیا جائے۔

اس کے بعد کام کرنے والوں یعنے اسٹاف کا مسئلہ پیش ہوتا ہے۔

(الف) اسٹاف میں سب ٹرینڈ لیڈی ڈاکٹر اور نرسس ہونی چاہئے۔ چونکہ ہندوستان میں یہ تحریک بالکل نئی ہے اور یہ مضمون اب تک طبابت کے کورس میں شامل نہیں کیا گیا اس لئے اکثر ڈاکٹر اور نرسس اس سے بخوبی واقف نہیں پس اس حرکت کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ مرکزوں میں کام کرنے والوں کو تربیت دی جائے اور جب وہ ٹرینڈ ہوجائیں تو مختلف مرکزوں پر ان کو متعین کیا جائے۔

(ب) اسٹاف میں ایسے لوگ مامور کئے جائیں جو مقامی لوگوں کی زبان حالات اور عادات سے واقف ہوں اور ان میں مل جل کر کام کرسکیں۔

(ج) ممبران اسٹاف کو معقول تنخواہیں دی جائیں اور پورے وقت کے لئے مامور کئے جائیں یعنے فل ٹائم ملازم ہوں۔

(د) ہر مرکز کا انتظام ایک ٹرینڈ لیڈی ڈاکٹر کے زیر نگرانی ہو جو بطور صدر کے انتظامی معاملات کو چلا سکے۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو کام میں یکسانیت باقی نہ رہے گی اور روپیہ اور وقت ضائع جائے گا۔

(ھ) مختلف مرکزوں کی نگرانی اور رہنمائی کے لئے ایک تجربہ کار اور ماہر فن طبی افسر تعین کیا جائے جو وقتاً فوقتاً مرکزوں کا معائنہ کرے اور ضروری ہدایات دے۔

(و) ناظر صحت (Health Visitor) ہر مرکز کا ایک جز لاینفک ہے۔ مرکز کے فرائض حسب ذیل ہوتے ہیں۔

(۱) قابل امداد عورتوں اور بچوں کا انتخاب کرنا۔ برائے روانہ کرنا۔

(۲) منتخب عورتوں اور بچوں کو مرکز سے جو ہدایات وقتاً فوقتاً دی جائیں ان کی تعمیل کرانا اور اس کا ریکارڈ رکھنا۔

(۳) حاملہ عورتوں سے ان کے گھروں میں ملاقات کرنا اور زچگی وغیرہ کے متعلق ہدایات دینا۔

(۴) زچگی کے بعد بچوں کی پرورش کے متعلق مفید ہدایات دینا ناظر صحت ٹرینڈ لیڈی ڈاکٹر یا نرس ہو ورنہ اس کی ہدایات ناقص ہوں گے اس کے عادات۔ اخلاق اور عام رویہ درست ہو ورنہ اپنے فرائض کما حقہ انجام نہ دے سکے گی۔ ورنہ عوض فائدہ کے حرکت کو نقصان پہونچے گا۔

اسٹاف بالا کے علاوہ مقامی ڈاکٹر اور لیڈی ڈاکٹر اور نرس سے بھی مدد لی جاسکتی ہے لیکن یہ صرف بطور مشیر کام کریں گے مرکز کے انتظامی امور میں انہیں کوئی دخل نہ ہوگا۔

جب بچوں اور عورتوں کو مرکز میں داخل کرلیا جائے تو سب سے پہلے ان کا طبی معائنہ اور معائنہ کے بعد ہر ایک کے لئے ایک کارڈ دیا جائے جس میں حسب ذیل امور درج کئے جائیں۔

(۱) نام اور پتہ۔

(۲) عام حالت صحت۔

(۳) وزن۔

(۴) دانتوں کی حالت

(۵) بچے کو افیون استعمال کرائی جاتی ہے یا نہیں۔

(۶) بچہ کسی خاص مرض میں مبتلا ہے یا نہیں۔

(۷) مرکز میں داخل ہونے کے بعد وقتاً فوقتاً عام صحت میں کیا فرق نمایاں ہوا گیا

میں نے اسکیم کا مختصر خاکہ کھینچا ہے۔ بہت سے فروعات کو نظر انداز کر دیا جو صاحب

اس حرکت سے پہ پی وں راقم سے مفصل معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ اسکیم کے اقتصادی پہلو پر بھی سرسری نظر ڈالنی ضروری ہے۔

بادی النظر میں اسکیم بہت گراں سر آتا ہے لیکن اس لحاظ سے کہ اس کے نفاذ سے ملک کے ہزارہا معصوموں اور ماؤں کی جانیں بچ سکتی ہیں روپیہ کوئی چیز نہیں۔ وہ روپیہ جو افراد ملک کی فلاح و بہبود کے لئے صرف کیا جاتا ہے بیکار نہیں جاتا قوم کو اس کا نعم البدل دوسری صورتوں سے حاصل ہو جاتا ہے۔ انگلستان کی ایک تعلیمی کانفرنس میں ایک صاحب اپنے دوران تقریر میں کہتے ہیں کہ:۔

"جنگ عظیم نے ثابت کر دیا کہ بچے قوم کے بیش بہا معدن پنہاں ہیں اس لئے قوم کو"
"چاہیئے کہ ان کی تربیت اور پرورش کی ممکنہ کوششیں عمل میں لائے اس بارے میں"
"ذرا بھی بخل یا روپیہ کی کفایت قوم کو بڑے بھاری خسارے میں ڈالے گی اور جو"
"اگر زر روپیہ کو بچوں سے زیادہ سمجھتا ہے وہ انگریز کہا جانے کے قابل نہیں"

بہر حال اسکیم کو چالو کرنے کے لئے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا چندہ جمع کیا جا سکتا ہے اور اگر چندہ کافی نہ ہو تو گورنمنٹ سے مدد حاصل کی جا سکتی ہے۔ برٹش انڈیا میں گورنمنٹ نے شروع سے اس حرکت کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا اور نہ صرف مالی امداد دی بلکہ سرکاری عہدہ داروں کو اس میں عملی حصہ لینے پر بھی توجہ دلائی۔ مثلاً بمبئی پریسیڈنسی میں جب اس حرکت کا آغاز ہوا تو سال اول میں گورنمنٹ نے پندرہ ہزار روپیہ کا عطیہ بطور امداد دیا اور پبلک کی جانب سے چھبیس ہزار روپیہ ملا۔

(۸) اس ضمن میں ہفتہ اطفال (Baby Week) کا ذکر بھی لازمی ہے۔ ہفتہ اطفال ایک ایسا مشغلہ ہے کہ جس کے ذریعہ پبلک کی توجہ سال میں ایک دفعہ ایک ہفتہ کے لئے ان تمام امور کی جانب منعطف ہو جاتی ہے جن کا تعلق بچوں سے ہو۔

(۱) بچوں کی کثیر تعداد اموات کا مسئلہ اور اس کے انسدادی تدابیر:

(۲) ماؤں کی صحت۔

(۳) والدین کا افلاس۔

(۴) مکنہ کی حالت۔

(۵) غذا کی کیفیت۔

ان تمام امور پر نظر ڈالنے اور غور کرنے کا پبلک کو موقع ملتا ہے۔

ہفتہ اطفال دراصل غلاظت اور امراض کے خلاف ایک جنگ ہے جو نمائش کے ذریعہ کی جاتی ہے اور دلچسپ ڈراما۔ تقریروں۔ گانے بجانے۔ سینما وغیرہ کے ذریعہ صفائی کے فوائد اور حفظان صحت کے اصول پبلک کے روبرو پیش کئے جاتے ہیں اور ان سے غفلت کرنے سے جو برے نتائج برآمد ہوتے ہیں ان کو بھی ظاہر کر دیا جاتا ہے اور پبلک کو ترغیب اور مشورت دی جاتی ہے کہ ہیلتھ ایسوسی ایشن۔ حفاظت صحت کے مرکز۔ زچگی خانے وغیرہ قائم کرے ہفتہ اطفال یورپ امریکہ اور انڈیا میں عام ہو گیا ہے اور حفاظت اطفال کی حرکت کو اس سے بہت مدد ملی اور کامیابی نصیب ہوئی۔

(۸) حرکت حفاظت اطفال کی کامیابی کے لئے (کرشیز Creches) کا قیام بھی لابد ہے۔ یہاں مزدور پیشہ عورتیں کام کے گھنٹوں میں اپنے بچوں کو چھوڑ جاتی ہیں اور ان کے غیاب میں بچوں کی نگہداشت کی جاتی ہے اور کام ختم ہونے کے بعد مائیں اپنے بچوں کو واپس لے جاتی ہیں ہر گرنی کے ساتھ ان کا الحاق ضروری ہے۔ اور ان کی نگرانی ٹرینڈ اور ہمدرد نرسوں کے تفویض ہونی چاہیئے۔

(۹) اب یہ بتلایا جاتا ہے کہ ہندوستان میں سالانہ کتنے معصوم جانیں پہلے سالگرہ کے قبل لقمہ اجل ہو جاتی ہیں اس کے بغیر مضمون مکمل نہ ہوگا۔

ہندوستان میں بحیثیت مجموعی فیصد ۲۱ بچے زندگی کے پہلے سال میں موت کا شکار ہوتے ہیں جس حساب سے گویا ہر سال دو ملیون بچے پہلے سالگرہ کے قبل مر جاتے ہیں۔

قصبہ جات میں ۵۰ فی صد بچے پیدائش کے ایک یا دو مہینے بعد ختم ہو جاتے ہیں اور جو بچے بچ جاتے ہیں وہ ایسے نحیف اور لاغر ہوتے ہیں کہ آئندہ چلکر دنیا میں کسی کام کے نہیں رہتے ان کا وجود اور عدم یکساں ہوتا ہے۔

اس اتلاف کی وجہ یہی ہے کہ ہماری عورتیں بہ سبب عدم واقفیت حمل کے زمانہ میں کافی احتیاط نہیں کرتیں۔ زچگی کے لئے کافی اور ضروری سامان فراہم نہیں کرتیں اور زچگی کے بعد بچوں کی اچھی نگہداشت اور پرورش نہیں کی جاتی۔

اکثر والدین کی یہ دلی خواہش اور تمنا ہوتی ہے کہ ان کی اولاد دنیا میں کمانے کے قابل اور کامیاب ہو۔ نام پیدا کرے مثلاً اگر کسی کی خواہش ہوتی ہے کہ انکا لڑکا ڈاکٹر یا وکیل بنے تو شروع سے اس کے لئے بہتر سے بہتر اسباب مہیا کئے جاتے ہیں اور کوشش کی جاتی ہے کہ اچھے سے اچھے کالج میں اس کو داخل کیا جائے اور لڑکے سے توقع کی جاتی ہے کہ محنت سے فن حاصل کرے

شادی بیاہ کے وقت بڑے اہتمام سے زیور اور لباس کا انتظام کیا جاتا ہے اور ان کے انتخاب میں کئی کئی دن صرف کئے جاتے ہیں۔

ان بعد کے معاملات میں تو اس قدر انتظام کیا جاتا ہے لیکن افسوس ہے کہ بچوں کی پیدائش اور ان کے عمر کے ابتدائی زمانہ سے بیحد غفلت برتی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لکھوکھا جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔

جو کسان یا باغبان اپنے کھیت یا باغ کو بار آور دیکھنا چاہتا ہے تو وہ پہلے محنت شاقہ سے زمین کو تیار کرتا ہے بعد احتیاط سے تخم کا انتخاب کرتا ہے کہ تخم تازہ اور اچھے ہوں اور پھر بونے کے بعد روزانہ بقدر ضرورت پانی اور کھاد دیتا ہے اور جراثیم سے بچاتا رہتا ہے۔ بچوں کی حالت بھی پودوں کی سی ہے جب تک ان کی حفاظت اور پرورش حمل تولد و بعد تولد اطمینان بخش طریقوں سے نہ کی جائے ان کے پھولنے پھلنے کی توقع بیکار ہے کیسے نادان ہیں وہ والدین جو بلا اچھی پرورش کرنے کے تمنا کرتے ہیں کہ ان کی

اولاد تندرست ہو۔ درآیندہ چلکر قوی اور "انا مرد اور عورتیں بلیں)۔

باوجود دریافت کرنے کے ممالک محروسہ کے متعلق صحیح اعداد نہ مل سکے اس لئے ٹھیک طور پر یہاں کے بچوں کی تعداد اموات بتلائی نہیں جاسکتی لیکن میرا خیال ہے کہ یہاں کی تعداد بھی ہندوستان کے دوسرے حصص سے کم نہ ہوگی۔

دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں جو دعویٰ کرے کہ بچوں کو بالکل مرنے ہی نہ دے گا لیکن یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ جن جن ممالک میں اس حرکت کو جاری کیا گیا وہاں کے بچوں کی تعداد اموات کم ہوگئی مثلاً شہر لندن میں اس حرکت کی اشاعت کے قبل بچوں کی تعداد اموات فی ہزار ۱۵۰ تھی تو اب ۸۰ ہوگئی۔ برلن میں ۱۲۵ ویانہ میں ۱۴۰۔

اس دور عثمانی میں جو ترقی کا زمانہ کہا جاسکتا ہے یہ تحریک کہ اس حرکت کی بھی ابتدا یہاں بھی کردیجائے بے موقع نہ ہوگی۔

اگر ہم اپنے نعلیم گاہوں کو کامیاب کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو چاہیئے کہ بلا تعویق مزید اس حرکت کو شروع کردیں تاکہ ہم کو ہمارے درسگاہوں کے لئے اچھا مواد مل سکے اور ہماری محنتیں چیز ہوں۔

چونکہ یہ حرکت ہمارے ملک کے لئے نئی ہوگی اس لئے ابتدا میں مخالفت ہوگی لیکن جوں جوں حرکت کے فوائد پبلک پر آشکار ہوتے جائیں گے لوگ ساکت ہوتے جائیں گے اور چند روز میں مخالفت بدل بمعاونت ہوجائے گی۔

یہ حرکت ملک کے مختلف جماعتوں میں اتفاق پیدا کردے گی اور اتحاد عمل کا سبق دے گی اور ملک کے عہدہ داروں۔ پبلک رضاکاروں اور عوام کو دوش بدوش ایک پلاٹ فارم پر لاکھڑا کردے گی۔

نئی تعلیم کا آئینہ

(تمام حقوق محفوظ ہیں)

صدر انجمن اساتذہ صوبہ گلبرگہ کی ایک تحریک اردو میں تالیفات و تراجم فن تعلیم کے اشاعت سے متعلق بھی ہے۔ اس سلسلہ میں رام پرشاد صاحب بی اے صدر مدرس ہائی اسکول ہمیرپور (صوبہ متحدہ) کی تالیف "نئی تعلیم کا آئینہ" کے متعلق اشاعت کا معاملہ طے ہو رہا ہے۔ رام پرشاد صاحب ایک تجربہ کار ماہر تعلیم ہیں انہوں نے سرسید احمد خاں صاحب مرحوم کے زمانہ میں علی گڑھ کالج میں تعلیم پائی ہے۔ صاحب موصوف کی ایک دلچسپ تالیف "ابتدائی تعلیم کی رام کہانی" کئی صوبجات میں مقبول اور کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔ صاحب موصوف نے کتاب متذکرہ کے چند صفحے روانہ کرتے ہوئے خواہش کی ہے کہ اس کو رسالہ المعلم میں شایع کیا جائے جس پر یہ مضمون درج ذیل کیا جاتا ہے۔

مدیر

تعلیم یافتہ مہربانو۔

ہم مرنے نہ دیں گے | ابتدائی تعلیم کی رام کہانی کے صفحات ۳، ۴، ۴، پر آپ نے حسب ذیل نوٹ ملاحظہ فرمایا ہوگا۔

"بعض مدرس کہتے ہیں کہ حضور میں تو نیا نارمل پاس ہوں اس لئے میری ترقی کا حق سب سے زیادہ ہے لیکن اگر اُن سے دریافت کیا جائے کہ تم نارمل اسکول کے قاعدہ سے پڑھاتے ہو یا نہیں تو جواب دیتے ہیں کہ حضور اگر ہم اس قاعدہ سے تعلیم دیں تو محنت کرتے کرتے دو دن میں مر جائیں"۔

یہاں ہم آپ سے اتنی بات کچھ کہنا ہے کیونکہ ہم کب چاہتے ہیں کہ آپ دو دن میں مرجائیں اگر ٹرینڈ مدرس سارٹیفکٹ حاصل کرکے اس طرح مرجائیں تو تعلیم کا دوالہ نکل جائے۔ آپ کو عرصہ تک وظیفہ دیا گیا ہے نارمل اسکول اور ٹریننگ کلاس کے استادوں کی تنخواہ میں ہر سال ہزاروں روپیہ ماہوار صرف ہوتا ہے لاکھوں روپیہ کے خرچ سے عمارتیں بنوائی جاتی ہیں بورڈنگ ہوس کا علیحدہ خرچ ہے۔ حکام سال میں کئی بار معائنہ کو آتے ہیں اور گورنمنٹ کو کئی کئی طرح زیربار ہونا پڑتا ہے۔ پھر ہم آپ کو دو دن میں کیسے مرجانے دیں۔ اس لئے حتی المقدور ہم ہرگز مرنے نہ دیں گے بلکہ یہ کوشش کریں گے کہ جس طرح آپ خود لایق ہیں اسی طرح تیس یا چالیس سال تک خوب محنت کرکے آپ ہزاروں لڑکوں کو لایق بنا دیں اور ملک کو تعلیم یافتہ کر دکھائیں ہاں اس کے بعد آپ کو اختیار ہے کہ فرصت پاکر مرجائیں لیکن ابھی ہرگز نہیں۔ بقول ؎

کہیں جینے کے تو جھگڑوں سے چھٹیں　　مر بھی جائیں گے جو فرصت ہوگی

عجیب نسخہ | اس پر ٹرینڈ مدرس جواب دیتے ہیں کہ حضور نیا طریقہ تعلیم ہی ایسا ہے کہ آدمی نہ مرتا ہو تو ضرور مرجائے۔ اس میں محنت ہی اتنی ہے کہ مدرس زندہ درگور ہو جاتا ہے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کی غرض سے ہم یہ نسخہ پیش کرتے ہیں یقین ہے کہ اس کے استعمال سے آپ تیس یا چالیس سال تک نہ صرف عمدہ طور پر کام کرسکیں گے بلکہ اس کے بعد بھی بہت عرصہ تک خوش زندگی بسر کرکے ملک کے واسطے مفید ثابت ہوں گے مگر پہلے قدرت کی کاریگری ملاحظہ کیجئے

مہربان آلایق قدرت[1]

قدرت کا طریقہ تعلیم | بچہ جس وقت پیدا ہوتا ہے قدرت اُس وقت تعلیم شروع کر دیتی ہے اور وہ جب تک زندہ رہتا ہے برابر تعلیم دیتی رہتی ہے۔ دیکھئے پیدا ہوتے ہی بچہ ماں کا دودھ خود پینے اور کچھ عرصہ کے بعد اس کی تلاش میں خود بخود سر ہلانے لگتا ہے۔ ابتدا میں تعلیم قبول کرنے کی

---

[1] مصنف نے خود اپنے خاندان میں قریب تیس بچوں کا بچپن یا تیس سال مشاہدہ کرنے کے بعد یہ مضامین لکھے ہیں کسی کتاب سے اخذ نہیں کئے۔

زیادہ طاقت نہ ہونے کے باعث وہ دن رات زیادہ تر سویا کرتا ہے لیکن جس قدر قوت بڑھتی ہے اسی قدر نیند کم ہوتی جاتی ہے۔ اب اُس کی آنکھوں کی تعلیم شروع ہوتی ہے اور وہ روشنی محسوس کرنے لگتا ہے۔ کان سے آواز سُنائی دیتی ہے۔ قوت لامسہ کی تعلیم تو پہلے ہی شروع ہو جاتی ہے اور اگر نہایت چھوٹے بچہ کے پاؤں میں گدگدایا جائے تو وہ بھی اس کو ہٹانے کی کوشش کرتا ہے لیکن یہ تمام تعلیم نہایت ابتدائی ہے۔ رفتہ رفتہ قدرت کئی بار نیند سے جگا کر روزانہ پچھلی تعلیم کی مشق کراتی ہے اور وہ روز بروز زیادہ جاگنے لگتا ہے گو ۲۴ گھنٹہ دن میں آٹھ گھنٹہ سے کم کبھی نہیں سوتا۔ پھر ذائقہ اور شامہ کی تعلیم شروع ہوتی ہے اور قدرت باقی حواسوں کا سبق بھی پڑھاتی ہے۔ بچہ رنگ اور روشنی میں آہستہ آہستہ فرق کرنے لگتا ہے اور مختلف رنگ دیکھکر صورت پہچاننے کی تمیز حاصل کرتا ہے۔ اس کے بعد ماں کو جو ہر دم سینہ سے لگائے رہتی ہے پہچاننے لگتا ہے اور عرصہ تک اس سے مانوس رہتا ہے جب بیٹھنے کی قوت پیدا ہوتی ہے تو دوسرے بچوں کی سوسائٹی میں داخل ہوتا ہے اُس وقت تمام حواس تعلیم پاتے اور ترقی کرتے جاتے ہیں۔ مختلف چیزوں صورتوں اور رنگوں کو دیکھکر چھونے اور پہچاننے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور بچہ اُن کو پکڑ کر منہ میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر چیزیں فاصلہ پر ہوں تو اُن کو قریب کرنا چاہتا ہے اور جب وہ قریب نہیں آتیں تو خود ان تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے جس سے قوا میں تحریک ہوتی ہے اور چلنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ چیزوں کو دیکھکر قوت باصرہ کا تجربہ حاصل ہوتا ہے اور جب چارپائی یا کرسی سے کھلونا نیچے ڈالتا ہے تو نہایت تعجب اور غور سے دیکھتا ہے کہ وہ کیونکر خود بخود اتنی دور نیچے چلا گیا۔ اس طرح کھلونا بار بار ڈال کر اور جھک کر کئی بار اُس کے دور گرنے کا مشاہدہ اور فاصلہ کا اندازہ کرتا ہے چونکہ ابتدا میں بچہ ہر چیز کو پکڑ کر منہ میں رکھتا ہے اس لئے قوت ذائقہ کا تجربہ حاصل ہو جاتا ہے مگر باقی حواس یعنے سامعہ اور خاصکر شامہ کو تجربہ کرنے میں کچھ عرصہ لگتا ہے لیکن چیزوں کو اٹھانے گرانے ہلانے جھلانے میں کچھ آواز معلوم ہوتی ہے جس کا ابتدا میں زیادہ اثر نہیں ہوتا لیکن ماں باپ کی آواز سننے اور اُس کو گود میں لے کر لوری دینے سے کانوں کی تربیت شروع ہوتی ہے

اور بچہ کچھ عرصہ بعد سمجھنے لگتا ہے کہ یہ آواز مجھ کو سلانے کی غرض سے ہے اور یہ خفگی یا محبت کے اظہار کے واسطے آواز سننے سے بچہ کو خود بخود بولنے کی تحریک ہوتی ہے اور بولنے کی قوت پیدا ہونے پر اگر سلاتے وقت ماں لوری نہ دے تو بعض ذہین بچے خود اس کا اشارہ کر دیتے ہیں اپنے جسم کو تھپ تھپاتے ہیں اور لوری کے گیت کے ابتدائی الفاظ بول کر یاد دلاتے ہیں۔ لیکن اگر ان کو باتیں کرنے کا موقع نہ ملے تو بولنے کی قابلیت ہرگز پیدا نہیں ہو سکتی شاہ اکبر نے اسی تحقیقات کے واسطے چند بچوں کو اس طرح پرورش کیا کہ ان کے سامنے کوئی شخص بات چیت نہیں کرنے پاتا تھا چنانچہ سب بچے بہرے اور گونگے رہ گئے۔

چونکہ سونگھنے کی قوت مقابلتاً غیر ضروری ہے اس لئے اس کی تعلیم میں قدرت جلدی نہیں کرتی لیکن یہ امر نہایت دلچسپ ہے کہ اکثر جانوروں کی زندگی کا انحصار اسی قوت پر ہے اور وہ سونگھ کر ہی خوراک پہچانتے ہیں اس لئے قدرت نے چہرہ پر ناک کو نہ صرف آگے بڑھا ہوا رکھا ہے بلکہ قوت شامہ کی تعلیم ابتدا ہی سے شروع کر دی ہے۔ اس طرح مختلف چیزوں کو چھونے چکھنے اور پہچاننے کا شوق پیدا ہو کر بچہ کو چلنے کی قابلیت ہو جاتی ہے۔

مصنوعی تعلیم اور زندگی کی کشمکش یہاں سے مصنوعی تعلیم شروع ہوتی ہے اور جب چیزوں کو چھونے اور لگاڑنے سے روک تھام کی جاتی ہے تو بچہ کی آزادی میں فرق آتا ہے جس سے غصہ اور ضد کی بنیاد پڑتی ہے اور زندگی کی کشمکش پیدا ہوتی ہے۔ بچہ دن میں چالیس پچاس بار بات بات پر روتا اور ناراض ہوتا ہے۔ کبھی بھائیوں سے لڑ کر ماں تک شکایت لے جاتا ہے کبھی ماں ہی سے لڑ کر اس سے چمٹ جاتا ہے۔ لیکن روتے وقت اگر اس سے کوئی بات کہی جائے تو ذرا دیر کو خاموش ہو کر لغو رس لیتا ہے اور پھر رونا شروع کر دیتا ہے یا اگر کوئی چیز دکھائی جائے تو رونا بھول کر اس کو دیکھنے لگتا ہے لیکن اگر اس وقت اس کے آنسو پونچھے جائیں تو رونے کی فوراً یاد آجاتی ہے اور وہ دوبارہ مچل جاتا ہے۔ ابتدا میں اس کا رنج دور کرنے کا اصل ذریعہ ماں کی چھاتی ہے جس کو منہ میں لیتے ہی وہ سب ناراضی بھول کر پیٹ کی

نکر میں لگ جاتا ہے لیکن سمجھ کا احاطہ وسیع ہونے پر اس کی حسرت کے دوسرے وسائل بھی پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً کھلونے وغیرہ مگر یہ دلچسپ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ بچہ پھینکنے کا بچہ بھی بار بار نئے کھلونے چاہتا ہے۔ اور پرانے کھلونوں کو اٹھا کر دیکھتا ہے بلکہ منہ میں رکھ کر آزماتا ہے اور فوراً پھینک دیتا ہے۔ لیکن اگر نیا کھلونا مل گیا اور قوت باصرہ اور اس کے ساتھ ہی والقہ تصدیق کر دی تو پھر وہ اس سے دیر تک کھیلتا رہتا ہے۔ اس طرح دلچسپی اور امتیاز کی بنیاد پیدا ہوتی ہے اور آئندہ زندگی میں یہ اوستاد کو اسی پر تعلیمی دیوار کھڑی کرنی پڑتی ہے۔

تین چار سال کی عمر میں بچہ کی مسرت کا ایک ذریعہ خوراک کی تلاش بھی ہو جاتا ہے وہ صبح سے شام تک کھانے کے شوق میں پھرتا ہے جو اس کی تندرستی کے واسطے نہایت مضر ہے۔ لیکن قدرت تندرستی کے قیام میں مدد دیتی ہے اور دن رات میں کئی بار سلا کر خوراک ہضم کر دیتی ہے۔ اس عمر میں قدرت اپنی تعلیم سے بچہ کی واقفیت بہت زیادہ بڑھا دیتی ہے اور وہ برے بھلے میں تمیز کرنے لگتا ہے اور ہر کام خود کرنا چاہتا ہے۔ اگر ماں منہ دھلاتی ہے تو کہتا ہے "آپ ہی دھوں گا" یا اگر کپڑے اتارنے یا پہننے کی ضرورت ہوئی تو پھر وہی آپ ہی کہنے لگا۔ اگر ماں یا بھائی کوئی کام کرتے ہیں تو اس کو دل میں یاد رکھتا ہے اور عرصہ بعد یادداشت سے اس کی نقل اور اعادہ کرتا ہے۔ بعض اوقات خود بخود کچھ نہ کچھ بکا کرتا ہے لیکن گالی سے ناراض اور تعریف سے خوش ہوتا ہے اور اگر کوئی ہلکے سے طمانچہ مار دیتا ہے تو جب تک یہ خود بھی اس کو نہ مارے چین نہیں لیتا۔ اگر کوئی ہم عمر اس کو مارتا ہے تو اول یہ بہت زور سے روتا ہے اور پھر یکایک رونا بند کر کے خود مارنے کو دوڑ پڑتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کے مارنے کا دوسرے پر کیا اثر ہوا اگر وہ بھی رونے لگا تو یہ خاموش ہو کر اس کو دیکھتا رہا اور اگر نہیں رویا تو دوبارہ مارتا ہے اگر کبھی اتفاقیہ گر پڑا یا کسی اور طرح چوٹ لگ گئی تو جس کروٹ لیٹا بیٹھا یا کھڑا ہے بعینہٖ اسی حالت میں روتا اور ماں کو پکارتا رہتا ہے ماں گود میں لے کر بہلاتی ہے اور قدرت خود مسیحائی کرتی ہے یعنے اگر بڈھے یا جوان آدمی کا زخم ایک مہینہ میں اچھا ہو تو بچہ کا اسی وقت

ایک ہفتہ میں ٹھیک ہو جاتا ہے۔

اس طرح لڑتے بھڑتے کچھ عرصہ بعد وہ آپس کے بچوں میں بھی فرق کرنے لگتا ہے اور کچھ کچھ پہچاننے لگتا ہے کہ اس کا فلاں دوست ہے اور فلاں دشمن۔ لیکن یہ دوستی اور دشمنی صرف چند منٹ قائم رہتی ہے۔ اس کے بعد خدا رسیدہ بزرگوں کی طرح دوست و دشمن یکساں ہو جاتے ہیں۔ یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ جو والدین یا سرپرست چھوٹے بچوں پر سختی کرتے ہیں اور دباؤ ڈالتے ہیں یا بہت لاڈ اور پیار کے باعث ہر وقت گود میں چمٹائے رہتے ہیں اور خود کھیلنے نہیں دیتے وہ ان کو قدرت کی تعلیم سے محروم کر کے عمر بھر کے واسطے بکھما بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

مصنوعی تعلیم کا دوسرا درجہ اس وقت قدرت کی تعلیم میں اضافہ کرنے اور بچہ کو جلد سوسائٹی کے لایق بنانے کے واسطے مصنوعی تعلیم کا دوسرا درجہ شروع ہوتا ہے اور وہ اُستاد کے سپرد کیا جاتا ہے۔ یہی موقع ہے جہاں سے آپ کی جوابدہی شروع ہوتی ہے۔

شفیق اُستاد کی گود

بچہ کا مشاہدہ لایق اُستاد کی گود میں جب بچہ پہنچتا ہے تو وہ سب سے پیشتر اُس کو مانوس کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بچوں میں جھجک بہت زیادہ ہوتی ہے اور اجنبی شخص کے سامنے فوراً اثر دکھاتی ہے لیکن شفیق اُستاد بچہ کو بہلا کر چمکا کر رنگین تصویر یا کوئی اور چیز دکھا کر خوش کر دیتا ہے۔ چونکہ مدرسہ میں اس کے ہم عمر بہت سے بچے ہوتے ہیں اس لئے وہ ان سے جلد مانوس ہو کر آزادی سے ہنسنے بولنے اور کھیلنے لگتا ہے۔ قابل استاد بچہ کی بات چیت اور کھیل سے ذہانت کا اندازہ کر لیتا ہے اور پھر قدرت کی تعلیم میں جو اس وقت بھی برابر جاری ہے اس طرح امداد دیتا ہے کہ اُس کے قوا کو جلد جلد ترقی ہوتی ہے اور لکان مطلق محسوس نہیں ہوتا لایق اُستاد جانتا ہے کہ جس طرح مریض کا علاج قدرت خود کرتی ہے اور دوا محض امداد کے واسطے ہے اسی طرح بچہ کی تعلیم بھی قدرت ہی کی طرف سے ہوتی ہے اور اُستاد کا کام محض مدد دینا ہے

جس طرح کانٹا چبھ جانے پر اگر دوا نہ لگائی جائے تو بھی چند روز میں کہ زندہ جسم کا زخم اچھا ہو جاتا ہے اسی طرح اگر بچہ کو چھوٹی چھوٹی باتیں نہ بتائی جائیں تو بھی قدرت خود مشاہدہ کرا کر ان کی تعلیم دیدیتی ہے۔ لیکن قدرت کی تعلیم خاموشی سے ہوتی ہے بچہ کو کھیل ہی میں سب تجربہ ہو جاتا ہے اور یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ تعلیم پا رہا ہے بالکل اسی طرح استاد کی تعلیم بھی خاموشی سے ہونی چاہئے بچہ جس قدر بڑا ہوتا جاتا ہے کھیل کود میں کمی اور متانت میں زیادتی ہوتی ہے اور قدرت کی تعلیم اور استاد کی امداد کا طریقہ بھی بدلتا جاتا ہے یہاں تک کہ آخر میں غور و خوض و مطالعہ کے بغیر انسان آگے نہیں بڑھ سکتا۔

مشاہدہ کے نتائج | خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ جب بچہ استاد کی گود میں آتا ہے تو عام طور پر (۱) اس میں جھجک بہت زیادہ ہوتی ہے اور غیر شخص کے سامنے اس میں ایک برقی اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا مختصر ذکر کیا جا چکا (۲) اس کی قوت باصرہ بہت قوی ہوتی ہے (۳) وہ غصہ اور ناراضگی کو زیادہ برداشت نہیں کر سکتا (۴)۔ اس کی قوت حافظہ زوردار ہوتی ہے اور طبیعت کا رجحان عام طور پر اس جانب ہوتا ہے کہ استاد اسے بار بار دھرانے کا موقعہ دے (۵) اس کی قوت مدرکہ بہت کمزور ہوتی ہے اور اگر آپ کوئی بات زیادہ دیر تک سمجھاتے رہیں تو وہ اگلا پچھلا بھول کر احمقوں کی طرح منہ تکنے لگتا ہے (۶) جب وہ ایک کام سے اکتا جاتا ہے تو اس کی طرف رخ بھی نہیں کرتا بلکہ کوئی نیا کام کرنا چاہتا ہے (۷) وہ محنت سے نہیں تھکتا بشرطیکہ ان ہی قوا سے کام کرنا پڑے جن میں کچھ طاقت آگئی ہے۔ مثلاً ٹانگ ہاتھ۔ زبان۔ آنکھ وغیرہ (۸) وہ ہر بات میں دوسروں کی تقلید یعنے ہو بہو نقل کرنا چاہتا ہے خاصکر ان کی جو عمر میں بڑے ہیں۔

کمزور اور قوی قوا | بچہ کا مشاہدہ کرنے سے استاد کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعض قوا کمزور اور بعض زوردار ہیں لیکن وہ کسی کے صحیح استعمال سے واقف نہیں۔ اگر آپ بچہ کو بالکل اسی کی مرضی پر چھوڑ دیں تو وہ اچھل کود کر چیزوں کو توڑ پھوڑ کر گالیاں بک کر بداخلاقی سیکھ کر اپنے جسم اور

دل و دماغ کو خراب کرے گا لیکن اگر آپ اس سے کوئی چیز منگائیں تو وہ دوڑ کر لائے گا اسی طرح اگر آپ کوئی دلچسپ بات کہیں تو اس کو سمجھے گا اور جواب دے گا۔ اگر کوئی عمدہ تصویر دکھائیں تو غور سے دیکھے گا اور آپ سے اس کی بابت دریافت کرے گا۔

بچہ کی دلچسپی اور عقل سلیم کا کام لیکن بچہ کی دلچسپی لازمی طور پر اسی کام یا شئے میں نہیں ہوتی جس میں جوان آدمی کی ہوتی ہے۔ خیال رکھئے کہ ننانوے فی صدی مدرس اسی دلچسپی کی پہچان میں غلطی کرتے ہیں۔ اس لئے بہت غور اور احتیاط سے بچے کی دلچسپی کے ذریعے معلوم کرنے چاہئیں۔ عقل سلیم سے کام لے کر لائق استاد مختلف مفید طریقے معلوم کر سکتا ہے مثلاً۔

(۱) بچہ کی دلچسپی کا پہلا اور سب سے مفید طریقہ خود مدرس کا شوق اور مگن ہو کر تعلیم دینا ہے جب تک آپ خود مسکرا کر پڑھاتے ہیں لڑکے بھی خوشی خوشی پڑھتے رہیں گے لیکن آپ کو ذرا غصہ آیا اور ان کی دلچسپی غائب ہوئی۔

(۲) دوسرا ذریعہ رنگین اور چمکدار تصویر یا چیز ہیں۔ بعض تعلیمی کتابوں میں رنگین تصویریں ہوتی ہیں ان سے بچہ کو بہت دلچسپی ہوتی ہے۔ لیکن یہ دلچسپی دو حالت میں قائم نہیں رہتی۔ اول ایک ہی تصویر کا روزانہ دیکھنا دوم تعلیم کے وقت استاد کے ہاتھ میں قینچی ہونا۔ پہلی حالت کا علاج لڑکے خود کر لیتے ہیں یعنی پڑھنے کی کتاب کو چند روز میں پھاڑ ڈالا اور والدین کو مجبوراً نئی کتاب منگانی پڑی۔ لیکن دوسری حالت ان کے قابو سے باہر ہے گو بعض شریر لڑکے استاد کی قینچی چھپا دیتے ہیں مگر عام طور پر نہیں۔ اس لئے استاد کے سوا اس کا علاج کوئی نہیں کر سکتا۔

(۳) تیسرا ذریعہ چھوٹے چھوٹے جانور مثلاً چوہے۔ چڑیاں۔ بلی وغیرہ ہیں ان کو کام کرتے یعنی دوڑتے بھاگتے کھاتے پیتے دیکھکر بچے بہت خوش ہوتے ہیں۔ یا اگر ان کے حالات سنائے جائیں تو بڑے شوق سے سنتے ہیں بشرطیکہ سنانے کا طریقہ درست ہو۔ گلہری کو کھاتے دیکھنا چھوٹے ذہین بچوں کے واسطے خاص طور پر دلچسپ ہے۔

(۴) چوتھا ذریعہ ساتھیوں میں ملکر کام کرنا ہے۔ اگر ساتھ والے بچوں کے ہمراہ اس کو کسی کام میں

ذریعہ سے تو یہ بڑی دلچسپی سے کام کرتا ہے۔ مثلاً مہارتی پہاڑہ وغیرہ

(۵) پانچواں ذریعہ دوسروں کی تقلید کرنا ہے۔ اگر اس کے ساتھی بچے کچھ لکھتے ہوں تو یہ بھی اسی طرح بہت دلچسپی سے لکھنا چاہتا ہے۔ یہ اپنے استادوں کی تقلید کرنے میں بہت خوش رہتا ہے اور ان کی حرکات و سکنات کی نقل کرنے کو ہر دم تیار رہتا ہے۔

(۶) چھٹا ذریعہ آزادی ہے جس کام میں استاد زیادہ دخل نہیں دیتے اُس کو یہ بہت خوشی اور دلچسپی سے کرتا ہے مثلاً تختی دھونا، کپڑے دھونا وغیرہ

(۷) ساتواں ذریعہ چھوٹے چھوٹے جانور یا چیزوں کی بابت آپس میں بات چیت کرنا ہے ان کی بابت کوئی نئی بات کہنے یا سننے میں بچہ کو بہت دلچسپی ہوتی ہے۔

(۸) آٹھواں ذریعہ مختلف صورتوں کا یکجا ہونا ہے مثلاً باغ میں مختلف رنگوں کے ہرے لال پیلے پھول مختلف صورت کے درخت یا مختلف قسم کے پرند دیکھ کر اور مختلف آواز سن کر بچہ بہت خوش ہوتا ہے۔ رنگوں میں سب سے زیادہ دلچسپ سبز رنگ ہے اور توجہ دلانے والا گہرا سرخ رنگ۔

(۹) نواں ذریعہ شق ہے اگر بچہ کوئی دلچسپ کام کرتا ہو تو اس کو بار بار کرنے میں بہت دلچسپی ہوتی ہے

(۱۰) دسواں ذریعہ چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہیں بشرطیکہ اُن میں کوئی ایسی بات نہ آجائے جو اس کی سمجھ سے باہر ہو۔

دیہی مدارس اور ابتدائی تعلیم

جن ممالک میں تعمیری مسائل پر توجہ کی جاتی ہے مسئلہ تعلیم ہی ایسا اہم بالشان مسئلہ ہے جس کو سب پر اہمیت اور فوقیت دی گئی ہے ار۔ جنگ عظمیٰ نے ہم پر ثابت کر دیا کہ ملک کی اصلی دولت اُس کے باشندے ہیں اور ہم قومی نظام تعلیم کے نقائص سے بھی بخوبی واقف ہو چکے ہیں۔ انگریزی نظام تعلیم سے جو عمدہ نتائج پیدا ہوئے وہ ہماری توقع سے زیادہ تھے قومی مدارس کے سربری بحری اور ہوائی جرار بہادر پیدا کرنے کا سہرا رہے گا۔ حصول عزت کا خیال ضبط اور خوشی کے آثار جتنے انگریز سپاہیوں میں نظر آتے ہیں ان کا عشر عشیر بھی مشکل سے دوسرے اقوام میں نظر آئے گا۔ اس جنگ عظیم سے ہم کو اپنی غلطیاں اور کمزوریاں معلوم ہوئیں۔ اکثر لوگ فوج میں اس لئے بھرتی نہ ہو سکے کہ وہ کمزور تھے۔ خاصکر شہری تو بالکل ناقابل ثابت ہوئے اس کا بین سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے کارآمد علوم مثلاً علم کیمیا، علم نباتات وغیرہ وغیرہ کو نظر انداز کر دیا، صنعت و حرفت میں سائنس سے مدد نہ لی تنگ نظری اس پر طرہ پبلک مدارس میں غیر جمہوری ماحول ہوشیار طلبا کے لئے ابتدائی مدارس سے ثانوی و ثانوی سے یونیورسٹی جماعتوں میں تعلیم حاصل کرنے سہولتوں کا پیدا نہ ہونا بلکہ ان میں ناکامیابی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عمدہ دماغ رائگاں جاتے ہیں اگر ایسے فی صدی (۹۰) طلبا، ۱۴ سال کی عمر میں مدارس چھوڑ کر دنیاوی کاروبار میں لگ جائیں اور بلا سمجھے ایسے پیشے اختیار کریں جو غیر مفید ہوں تو ناواقف مزدوروں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے گا

مسئلہ تعلیم اس قدر اہم ہے کہ انگلستان نے باوجود جنگ عظمیٰ میں شریک ہونے کے مسٹر فشر[1] ایک لایق ماہر فن تعلیم کو وزیر تعلیم مقرر کیا۔ انہوں نے ایک مسودہ قانون ۱۹۱۸ء میں پیش کیا جس کا ہر جماعت پر خوش خبر مقدم کیا۔ اس قانون کا اصلی مطلب یہ ہے کہ عام طور سے ایسے مدارس قائم کئے جائیں

[1] Mr Fisher

تعلیم کا یہ سلسلہ منقطع نہ ہو اور (۱۴) اور (۱۶) سال کی عمر والے لڑکے اور لڑکیوں کو پورے گھنٹوں کی تعلیم نہ دی جائے بلکہ کچھ حصہ وقت کی تعلیم دی جائے۔ اس قسم کے مدارس "Continuation Schools" "مدارس جاریہ" کہلاتے ہیں اس قانون کا مطلب صرف یہ ہی نہیں ہے بلکہ مقامی حکام کی ذمہ داریوں پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ ایسے اسکیمیں پیش کرنا ان کے فرایض میں داخل ہے جن سے آیندہ تعلیمی ترقی اور بہبودی ہو تاکہ تعلیم اچھے طریقہ پر دیجا سکے۔ کم سن طلبا کے لئے ایسے مدارس قائم کئے جائیں جن میں ان کی عمر کے لحاظ کرتے تفریحی سامان مہیا ہوں ان مدارس کو Play Schools کہتے ہیں۔

عام صحت اور جسمانی تربیت کی طرف خاص توجہ منعطف کی جائے اور باحسن الوجوہ ابتدائی مدارس کو ثانوی مدارس میں ملحق کیا جائے۔

جنگ عظمیٰ سے جو ابتر حالت یورپ کی ہوئی ایشیا کی کسی ملک کی نہ ہوئی اور ہندوستان کی حالت یورپ کے مقابلہ بہتر تھی مگر ہندوستان بھی عام ہیجان اور بے چینی سے نہ بچ سکا۔ ہزارہا لاکھا ہندوستانی بیوت یورپ ایشیا اور افریقہ میں کام آئے اور جو جان سلامت لیکر اپنے وطن عزیز کو واپس آئے نئے نئے خیالات سے مالامال آئے۔

اقتصادی ہل چل جو جنگ کی وجہ سے رونما ہوئی تھی اس سے کوئی قریہ کوئی تعلقہ کوئی ضلع نہ بچ سکا۔ ایسی حالت میں جبکہ جنگ زوروں پر تھی ہندوستان کے لئے ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء کو ایک میثاق دیا گیا جس کی رو سے پہلے پہل زیر اثر انگلستان گورنمنٹ نے حکومت خود اختیاری دینا قبول کیا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے جمہوری اصول پیش کئے گئے اور جو اختیارات حکام کے تھے وہ اب عوام کے نمایندوں کو دئے جائیں۔ عوام کی زیادہ تر تعداد جاہل اور ان پڑھ ہے۔

(Southborough Commitee) نے جو رپورٹ پیش کی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ رائے دہندگان کی تعداد پچاس لاکھ سے زائد ہے۔ اب سیاسی نکتہ نظر سے یہ امر ضروری ہے کہ ابتدائی تعلیم کو ترقی دی جائے اور اعلیٰ پیمانہ پر لایا جائے جہازوں کی قلت اور کمی اور برآمد پر جنگجو ممالک کی

بیجا سختیوں نے حکام کو ہندوستان کی اقتصادی کمزوری کے دفع کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ جنگ
اسلحہ اور دیگر خانگی سرگرمیوں کی بدولت ہندوستان میں کئی حرفتوں کی بنیاد پڑی اور مہربان گورنمنٹ
کی ادنیٰ توجہ سے خام پیداوار ہندوستان ہی میں اچھے طریقے سے کام میں لائی جاسکتی ہے فی زمانہ
خام پیداوار غیر ممالک کو روانہ کی جاتی ہے اور وہاں سے کپڑے کی شکل میں ہم کو دس بیس گنی قیمت
ملتی ہے۔ جب ہندوستان میں صنعت و حرفت ترقی کرے گا تو ملک کی خام پیداوار غیر ممالک
نہ جائے گی بلکہ خام پیداوار سے یہاں ہی کام لیا جائے گا۔ ایسی صورت میں ہوشیار اور چالاک
مزدوروں کی بہت مانگ ہوگی۔ ساتھ ہی ساتھ جب نئے نئے زرعی آلات اور طریقوں کا عام نشر
ہوگا اور کسانوں کو ان کے استعمال کے طریقہ سکھا دئے جائیں گے تو قابل اور ذی فہم کسانوں کی
ضرورت ہوگی۔ اس لئے تعلیمی ترقی لازمی ہے اکثر صوبہ جات نے اپنی اپنی قانونی کمیٹیوں میں مسودات
پیش کئے ہیں تاکہ مقامی جماعتوں کو اپنے حلقہ اثر میں مفت اور لازمی تعلیم دینے کی اجازت دی جائے
اور ابتدائی تعلیم کو وسیع پیمانہ پر جاری کرنے کثیر رقم وقف کی گئی ہے تاکہ نئے نئے مدارس کھولے
جائیں۔ اساتذہ کی مشاہرہ میں اضافہ اور فن تعلیم حاصل کرنے میں سہولتیں پیدا کی جائیں۔
جب تک مکانات نہ ہوں تدریس کا کام چل نہیں سکتا۔ اس لئے مدارس کے لئے مکانات مہیا
کئے جائیں۔ الحاصل ہندوستان سے جہالت کا بدنما داغ دور کیا جائے اور ابتدائی تعلیم عام ہوجائے

ابتدائی تعلیم کے عام کرنے کی جو تدابیر اوپر بیان ہوئیں وہ ایسی ہیں کہ عوام میں ضرور
کچھ نہ کچھ علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوگا۔ اگر ہماری کوششیں یہاں ہی ختم ہوجائیں تو ہم کو ناامیدی کا
چہرہ دیکھنا پڑے گا۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ طلبا زیادہ تعداد میں شریک مدرسہ ہوں گے
اور حاضری میں معتدبہ ترقی ہوگی مگر یہ کاغذی عمل ہوگا اور طلبا قلیل مدت کے لئے مدرسہ میں شریک
رہیں گے اور وہ ابتدائی معلومات کے ساتھ مدرسہ کو خیرباد کہیں گے اور چند دنوں میں جو کچھ
شد بد سیکھا تھا حرف غلط کی طرح فراموش کر جائیں گے اور پہلے کی طرح جاہل کے جاہل رہ جائیں گے
مسٹر پاٹرسن اپنی کتاب The Patterson Across the Bridges

میں جو جون لندن کی معاشرتی حالات پر ایک اعلیٰ تنقید ہے بیان کرتے ہیں کہ وہاں کے طلبہ
بھی باوجود کئی سال مدارس میں شریک رہنے کے جب مدرسہ چھوڑتے ہیں تو پہلے کی طرح جاہل ہی
رہ جاتے ہیں۔ جب یہ حالت ایسے بڑے شہر کی ہو تو ہم غور کر سکتے ہیں کہ ہندوستان
جو سب سے پیچھے ہے کیا حالت ہو سکتی ہے خوش قسمتی سے جن مقامات پر تعلیمی سہولتیں مہیا کی گئی
ہیں وہ بھی کما حقہ فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں اور وہ جماعتیں جو تعلیم کے فوائد سے ناآشنا ہیں
اپنے بچوں کو مدرسہ نہیں بھیجتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو تعلیم کی طرف کس طرح راغب کیا جائے تو اس کے
دو طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ ترغیب و تحریص کے ذریعہ ان کو تعلیم کی طرف راغب کیا جا سکتا ہے
دوسرا طریقہ جبراً ان کو تعلیم کی طرف بلایا جا سکتا ہے۔

بعض شہر اور اضلاع ایسے ہیں جہاں طلبا کی تعداد اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ بقیہ بیکار
طلبا کو جبر سے مدرسہ میں داخل کیا جا سکتا ہے لیکن ملک کا زیادہ تر حصہ تعلیم سے بے بہرہ ہے
اور صرف ترغیب ہی سے کام چل سکتا ہے اور مدارس میں ان ہی طریقوں سے طلبا کی تعداد کی
ترقی ہو سکتی ہے۔

دو عمدہ وجوہات کی بنا پر ہم کو دیکھنا ہے کہ آیا موجودہ نظام تعلیم ملک کی ضروریات کو
پورا کر رہا ہے یا نہیں۔

(۱) پہلا یہ کہ زر کثیر تعلیمی ترقی کے لئے صرف ہو رہا ہے۔ ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ رقم
واجبی طور سے صرف ہو رہی ہے اور اسی سے کما حقہ فائدہ حاصل کیا جا رہا ہے یا نہیں؟

(۲) دوسرا یہ کہ جو لوگ اپنے بچوں کو مدرسہ میں شریک نہیں کرتے ان پر جبر کیا جائے
یا ترغیب سے ان کو ہم خیال بنایا جائے۔

یہ دو مقاصد اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب ہم کو موجودہ طریقہ تعلیم کے صحیح ہونے
اطمینان کلی ہو۔

۱۹۱۵ء میں ایک پمفلٹ "دیہی تعلیم کے طریقہ" کے نام سے چھپا تھا اس پر سر فرمانٹل (Sir Mantle) نے ابتدائی تعلیم کے چند نقائص بیان کئے ہیں جو شمالی ہند کے صوبجات میں پائے گئے۔ ایک صریح نقص یا یا گیا جو اب بھی موجودہ ہے۔ وہ یہ کہ تعلیم صرف علم ادب کے حد تک ہوتی ہے اور عام زندگی سے کچھ اس کو واسطہ ہی نہیں ہوتا اور خصوصاً ایسی تعلیم کو زراعت سے کچھ تعلق ہی نہیں۔ دیہاتیوں کو علم زراعت کی سخت ضرورت ہے اور ان کا مقصد یہ ہے کہ ان کے بچے مدرسہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ زراعتی معلومات بھی حاصل کریں۔ جب لڑکا مدرسہ کی چار دیواری میں داخل ہوتا ہے تو سوائے کتب کاغذ اور اضی کے کسی شئے سے سروکار نہیں رکھتا اور مدرسہ کی زندگی اور گھر کی زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہو ہے۔ گویا کہ مدرسہ اور شئے ہے اور گھر اور شئے ہے ایسی حالت میں مدرسہ کی تعلیم کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ مدرسہ اور گھر کی تعلیم ایک سی ہونی چاہئے۔

بچے تخم ریزی کلچائی چرائی اور جانوروں کی پرداخت میں زیادہ منہمک نظر آتے ہیں اور انہی کاموں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں موجودہ نظام الاوقات میں زارعین کی سہولت کا کچھ خیال نہیں رکھا جاتا اور اسی طرح موسمی تعطیلات میں کہ جس وقت کسانوں کو ضرورت ہو تعطیل نہیں ہوتی۔ اکثر اساتذہ دیہاتی ہوتے ہیں اور ان پر دیہات کا رنگ چڑھا ہوتا ہے اور وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی نہیں ہوتے۔ ایسے حالات کے مدنظر والدین اپنے بچوں کو مدرسہ اس لئے بھیجتے ہیں کہ وہ کچھ پڑھ لکھ کر اس قابل ہو جائیں کہ وہ خاندان کی آمدنی میں اضافہ کریں جس سے کنبہ کی پرورش میں آسانی ہو اور وہ کبھی بھی اس خیال سے بچوں کو مدرسہ نہیں بھیجتے کہ وہ ہوشیار اور بہتر کاشتکار ہوں گے اور عمدہ اور قابل شہری بنیں گے۔ جب بچہ بہت کام کرتا ہے اور زراعتی اور دیگر امور میں والدین کا ہاتھ نہیں بٹا سکتا اور شرارت کرتا رہتا ہے تو والدین بیزار ہو کر اس کو مدرسہ روانہ کرتے ہیں تاکہ پانچ چھ گھنٹہ اس کی شرارت سے محفوظ رہیں اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ وہ ہوشیار ہو گیا ہے اور اس قابل ہے کہ ان کی مدد کر سکتا ہے تو وہ مدرسہ سے نکال لیتے ہیں اور

جو کچھ دیکھتا ہے بھول جاتا ہے۔ اگر اسی کا نام تعلیم ہے تو ایسی تعلیم بار آور نہیں ہو سکتی اور جو بھی تدابیر تعلیم کے پھیلانے میں سوچے جائیں سب رائگاں اور بیکار ہوں گے۔ اس کا علاج صرف یہ ہی ہے کہ دیہی مدارس میں زرعی ماحول پیدا کیا جائے۔ گھر اور مدرسہ کی زندگی میں کچھ فرق نہ ہو بلکہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہونا چاہیئے۔ یہ مقصد حسب ذیل تجاویز سے حاصل ہو سکتا ہے

(۱) تعلیم المعلمین۔ مدرس نارمل اور ان کے متعلقہ جماعتیں گنجان شہروں سے دور ہونے چاہئیں بلکہ اس قسم کے مدارس اور جماعتیں دیہاتوں میں یا ایسے شہروں میں قائم کئے جائیں جہاں زراعت کے لئے زمینات دستیاب ہو سکیں۔ ان مدارس سے ایک باغ بھی ملحق کیا جائے اور بشرط ممکن محکمہ زراعت کے رائے مشورہ سے نمائشی کھیت بھی مہیا کئے جائیں۔ نصاب تعلیمی میں سائنس کو ضرور شامل کیا جائے اور سائنس کے ابتدائی مسائل طلبہ کو بتلائے جائیں اگر ایک ذہین لڑکا علم نباتات یا علم کیمیا کے متعلق سوال کرے اور مدرس اس کا جواب دانہ کر سکے تو ایسا مدرس ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ وہ مدرس کہلا سکے۔ کسانوں کے بچوں کے لئے اس وقت تک مضامین دلچسپ نہیں ہو سکتے جب تک کہ مدرس علم سائنس اور علم زراعت کے حوالے نہ دیتا جائے ان ہر دو علوم کی مدد سے مضمون نہایت دلچسپ ہوگا اور طلبا گہری دلچسپی لینے لگیں گے مدارس نارمل کی تعداد ہندوستان میں غیر تشفی بخش ہے اور یہ ٹریننگ جماعتوں کو بغرض مشق معمولی مدارس میں بھیجنا جہاں ضروری اشیاء موجود نہ ہوں کچھ سود مند نہیں ہے اور اس طرح ٹرینڈ مدرسین کی تعداد میں اضافہ ہو بھی جائے تو عمدہ نتائج پیدا نہیں ہو سکتے بلکہ زیر تعلیم جماعتوں کو عمدہ مدارس میں بھیجنا چاہیئے اور عملی کام کی جانچ پڑتال ہونی چاہیئے تاکہ وہ اصلی فائدہ حاصل کریں اور صحیح معنوں میں ٹرینڈ مدرس کہلا سکیں۔

(۲) ہر مدرسہ میں ایک باغ ضرور ہونا چاہیئے۔

(الف) احاطہ مدرسہ میں ایک چھوٹا سا خوبصورت باغ بھی ہونا چاہیئے جس میں طرح طرح کے پھول ہوں۔ اور ایسے درخت لگائے جائیں جن سے عمارت مدرسہ کی زینت ہو سکے

اور دور سے عمدہ منظر دکھائی دے۔ اور ہر شخص کو مدرسہ کا باغ اپنی طرف کھینچ لے۔

(ب) مدرسہ میں ایک سایہ دار مقام کی بھی ضرورت ہے جہاں نہ صرف ورزش ہی ہو بلکہ کمی گنجایش کی صورت میں طلبار کو زیر سما صاف و ستھری ہوا میں تعلیم دی جائے اور بارش سے بچنے کے لئے ایک ٹین کا سائبان ڈال دیا جائے۔

(ج) بچوں کے لئے علیحدہ علیحدہ کیاریاں مقرر کئے جائیں (ہاں) ایک ایک دو دو بچے ملکر پھولوں کے درخت لگائیں اور ترکاریاں بوئیں۔

(د) مختلف قسم کے میووں کے درخت بھی لگائے جائیں۔

باغ کے لئے تقریباً ½ ایکڑ زمین کافی ہو جائے گی جس کو جانور اور چوروں سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک دیوار سے احاطہ کیا جائے اور باغ کو پانی دینے ایک کواں بھی کھودا جائے اب ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ ان باغوں سے مدارس کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے جس کا جواب حسب ذیل ہے۔

(۱) مدرسہ کے اطراف و اکناف کو خوبصورت بنانا۔

(۲) عمارات مدرسہ کے اخراجات کو محدود کرنا۔

(۳) مدرسہ میں زرعی ماحول پیدا کرنا۔

(۴) مدرسہ کے معاملات میں دلچسپی پیدا کرنا تا والدین، پبلک اور مدرسہ کی کمیٹی مدرسہ کے ہر کام میں توجہ کریں اور دل سے خیر خواہ ہوں۔

(۵) طلبار میں محنت سے محبت اور ابنائے ملک کی خدمت کرنے کا شوق اور مادہ پیدا کرنا۔

(۶) زراعت کی اہمیت طلبار کے ذہن نشین کرانا۔

(۷) جغرافیہ ریاضی پیمائش اور نیچر اسٹڈی کے لئے عمدہ عمدہ نمونہ جات تیار کرنا تا کہ طلبار میں دلچسپی پیدا ہو۔

(۸) باغوں کی پیداوار کی نمایش ہونی چاہئے تاکہ طلبا میں جدت اور زراعت سے دلچسپی پیدا ہو۔ ڈرائنگ اور سوزن کاری کے نمونے بھی بطور نمایش ایک مقام پر رکھے جائیں تاکہ ہوشیار طلبا کی ہمت افزائی ہو اور دوسروں کو ترغیب ہو سکے اس سے ایک امنگ پیدا ہوگی

(۳) طلبا کے لئے ریاضی اور دوسرے مفید کتب مقرر کئے جائیں۔ سوالات اور مسائل ایسے ہوں جن سے عام معلومات مثلاً کھیت، باغ اور گھر کے متعلق عملی معلومات کا اضافہ ہو حال ہی کا ذکر ہے کہ ہندوستان کے ایک صوبہ میں ایک ریاضی کی کتاب مقرر کی گئی جس میں شروع سے آخر تک مثالیں ایسی تھیں جن کا تعلق عام معلومات سے بالکل نہ تھا بلکہ اس میں مثالیں تجارتی زندگی سے تعلق رکھتی تھیں بہت بہتر ہوتا اگر اس میں مثالیں بیج، مویشی، کھاد اور دیگر معلومات کی ہوتیں تا طلبا کو فائدہ پہونچتا اور اس میں تجارتی مثالیں بھی ہندوستانی نہیں تھیں بلکہ یورپ کے ممالک کی جس سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا

(۴) مدرسہ کا وقت مزارعین کی سہولت کا لحاظ کرتے رکھا جائے اور موسمی تعطیلات اسی قانون کے تحت دئے جائیں۔ میعاد تعطیل لازمی ہو اور ان تعطیلات کے لئے بہترین موسم درو کا زمانہ ہے جب کہ فصل کٹتی ہے۔ مذہبی تعطیلات مقام اور مدرسہ کے ضروریات کا خیال کرکے دئے جائیں۔

آیا ابتدائی تعلیم عام مقبول اور کارآمد ہوگی یا نہیں بجائے پورے روز کی تعلیم کے نصف یوم کی تعلیم کا رواج دینا کچھ مفید ثابت ہوگا یا نہیں؟ یہ امور قابل غور ہیں پہلے تو کسانوں کے بچے مدرسہ میں کم شریک ہوتے ہیں بلکہ ان کی تعلیم اور مدرسہ سے کچھ واسطہ ہی نہیں ہوتا ولو فرضنا وہ مدرسہ میں شریک بھی ہوں تو وہ بہت ہی صغر سنی میں مدرسہ جاتے ہیں اگر نصاب میں تھوڑی سی تبدیلی کردی جائے تو طلبا مدرسہ حاضر ہو کر اس کی تکمیل کریں گے مثلاً صبح یا شام صرف تین گھنٹے ان کو تعلیم دی جائے تو والدین کو کوئی عذر نہ ہوگا بلکہ بارہ اور چودہ برس کے بچے بھی ایسے مدارس سے فائدہ حاصل کریں گے اور وہ تعلیم سے بے بہرہ نہ رہیں گے بلکہ ان کی نشوونما اچھی ہوگی اور وہ اپنے زراعتی کاروبار کے ماسوا زیور تعلیم سے بھی آراستہ

ہو جائیں گے۔ اس کا تجربہ الہ آباد میں کیا گیا اور یہ نہایت مفید ثابت ہوا۔ ایسے انتظام سے عمارات پر جو رقم صرف کی جاتی ہے۔ اس کی بچت بھی ظاہر ہے کیونکہ ایک وقت میں نصف تعداد طلبا کی حاضر مدرسہ ہوتی ہے اور عموماً دیہات میں بڑی آسانی سے ایک آدھ کمرہ مفت مل سکتا ہے اور ایسے کمرہ میں ۲۰ یا ۲۵ طلبا تعلیم پا سکتے ہیں اگر تعداد طلبا پچاس سے زاید ہو تو اس وقت ایک خاص عمارت کی ضرورت داعی ہوگی۔ درس تدریس کا کام بھی اچھی طرح انجام پا سکتا ہے کیونکہ معلم ہر طالب علم کی طرف انفرادی حیثیت سے تعلیم دے سکتا ہے اور پوری توجہ اس طرف منعطف کر سکتا ہے کمسن اور نازک بچے تین چار گھنٹے سے زائد پڑھ نہیں سکتے اگر وہ اس سے زاید وقت مدرسہ میں رہیں تو وہ وقت کو اچھی طرح صرف نہیں کر سکتے کیونکہ مدرسین میں نہ تو اتنی قابلیت ہوتی ہے اور نہ خواہش کہ وہ بچوں کو ایسے کاموں میں مصروف رکھیں کہ ان کی فرصت کا وقت اچھی طرح بہل جائے۔ جب تک عمدہ مدارس نہ تیار ہوں۔ قابل زندہ دل فرائض شناس مدرسین نہ پیدا ہوں بہتر ہوگا کہ طلبا اپنا فرصت کا وقت گھر ہی میں صرف کریں والدین کا ہاتھ بٹائیں عملی تجربہ حاصل کریں جو مدرسہ میں ناممکن ہے۔

(۵) اگر مدارس میں پورے دن کی تعلیم دی جاتی ہے تو طلبا کی زندگی کئی طریقوں سے خوش گوار بنائی جا سکتی ہے مثلاً ایسے کھیلوں کا بندوبست کیا جائے جن سے ان کے اعضا و جوارح نشو نما پا سکیں۔ فی زمانہ مدارس میں ڈرل اور جسمانی ورزش تک ہی اکتفا کی جاتی ہے قیام ضبط کے لئے ڈرل کا ہونا ضروری ہے لیکن اس قسم کی ڈرل بالکل سادہ طریقہ پر ہونی چاہئے تاکہ طلبا زیادہ بار نہ پڑے۔ جسمانی ورزش بڑے طلبا کے لئے زیادہ موزوں ہے وہ بھی زیادہ دیر تک نہ ہونی چاہئے۔ اکثر مدارس میں انگریزی کھیلوں کا رواج ہے جن کے اخراجات بہت ہوتے ہیں اس قسم کے قیمتی کھیل دیہات کے لئے ناموزوں ہیں۔ کئی ایسے دیسی کھیل ہیں جو بلا صرفہ کے ہو سکتے ہیں مدرسین کا فرض ہے کہ اس قسم کے کھیلوں کا اپنے مدرسہ میں رواج دیں۔ مثلاً گلی ڈنڈا آنکھ مچولی۔ لوں پاٹ وغیرہ وغیرہ۔

(۶) مقامی حکام اور عام لوگ اسی وقت مدرسہ کے کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں جب مدرسہ پبلک زندگی کا مرکز بن جاتا ہے۔ اور ہر شخص مدرسہ پر جان دینے تیار ہو جاتا ہے اور مثل پروانے کے اس پر قربان ہوتا ہے۔ جب یہ حالت ہو ایسے مدرسہ کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور کوئی اس کی شہرت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔

ایسی شہرت اسی وقت نصیب ہوگی جب مدرسہ میں زندہ دلی کی روح پھونکی جائے وہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ تعطیلات یوں ہی نہ گزر جائیں بلکہ ان کو اچھے طریقہ سے منایا جائے مثلاً طلباء اور مدرسین تعطیلات میں قریب کے کوئی تاریخی مقام یا باغ میں چلے جائیں اور تمام دن وہاں بسر کریں۔ کھیلوں کا عمدہ بندوبست کیا جائے طلباء اور مدرسین اس میں حصہ لیں کھیل انسانی کیرکٹر کے تشکیل دینے میں بہت کارآمد ہیں آپس میں ہمدردی محبت پیدا ہوتی ہے۔ کسی عید کے موقع پر مدرسہ میں چراغاں کئے جائیں۔ کتب خانے اور عجائب گھر سے عام لوگ اور طلباء فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور معلومات کا اضافہ کر کے شاہراہ ترقی پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ یہ ہی طریقے ہیں جن سے مدرسہ دن دونی رات چوگنی ترقی کر سکتا ہے۔ مدرسہ اور پبلک میں ایک خاص رابطہ محبت پیدا ہوتا ہے اس طرح ہر دو فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

(۷) مدرسین کی حوصلہ افزائی کرنا ضروری ہے۔ ان کے مشاہرہ میں اضافہ کی ضرورت ہے اس لئے کہ ان کی تنخواہ بمقابلہ ایک معمولی اہل حرفہ کے بہت کم اور قلیل ہے۔ جب ان کی حالت ایک گونہ سدھر جائے گی تو عام لوگوں اور طلباء پر ان کے اثرات قائم ہوں گے اور وہ اپنا وقار قائم کر سکیں گے۔ ان تدابیر کو عملی جامعہ پہننے ایک مدت درکار ہوگی۔ مدرسین کا سند یافتہ ہونا اور ان کے مشاہرہ میں اضافہ ہونے بھی وقت درکار ہوگا۔ موسمی تعطیلات میں خاص خاص مضامین کا بندوبست کیا جائے۔ یورپ کے ممالک میں اس قسم کے انتظامات کئے جاتے ہیں مثلاً نیچر اسٹڈی دیسی علم المعیشت، زراعتی مضامین، مثلاً تخم کا انتخاب، درختوں کی بیماری وغیرہ وغیرہ۔ مدرسین کی کانفرنس بھی منعقد کی جائے تاکہ تبادلہ خیالات ہو سکے اور مدرسین نئے نئے تجربات حاصل کریں

مدرس اپنے علم اور وجاہت کی بنا پر دہقانیوں کا رہبر بن سکتا ہے اور جب یہ حالت پیدا ہو جائے تو خوب سمجھ لیجئے کہ مدرسہ تمام دلچسپیوں کا مرکز ہے اور ہر شخص اس کی طرف کھنچا چلا آتا ہے۔

(۸) متذکرہ بالا تجاویز کے سلسلہ میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ملک میں ایسے افراد کی ضرورت ہے جو ابتدائی تعلیم کے حامی ہوں اور ان کی دلی تمنا اس کی ترقی ہو ابتدائی تعلیم کی طرف بالکل اعتنا نہیں اور اس کے اہم ہونے کی وجوہات بظاہر معلوم ہوتے ہیں کہ ارباب مقتدر تعلیم ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کو ترقی دینا چاہتے ہیں اور ابتدائی تعلیم کس مپرسی کے عالم میں ہے۔ ہندوستان کے بعض بعض حصص میں یہ تعلیم مفت اور جبری کر دی گئی ہے۔ چنانچہ حال ہی کا ذکر ہے کہ شہر بمبئی کے بعض حلقوں میں اس کو عام مفت اور جبری کر دیا گیا ہے رائے عامہ کی تعلیم اور تربیت اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ ایک انجمن کا انعقاد ہو اور اس کے اراکین تعلیمی نتائج پر غور و خوض کریں کہ آیا جس مقدار اور جس طریقہ پر تعلیم دی جا رہی ہے وہ اصول تعلیم کے موافق ہے یا نہیں؟ اور کہاں تک اطمینان بخش ہے ان کا فرض ہوگا کہ اصول تعلیم کا مطالعہ کریں اور دیگر ممالک میں جو روز افزوں ترقیاں ظہور پذیر ہو رہی ہیں ان کو غور سے دیکھیں اور فائدہ اٹھائیں۔ ہندوستان کے مختلف حالات سے واقف ہو کر مقامی حالات کے مدنظر ان کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں۔ دیہی مدارس کی حالت بالکل ناگفتہ بہ ہے اور بہت کچھ اصلاح کی ضرورت ہے تعلیم کو کامیاب بنانے کا راز دلچسپی میں مضمر ہے۔ دلچسپی ہی دلچسپی ہر طرف نظر آنا چاہئے۔ طلباء کام کو دلچسپی سے انجام دیں۔ مدرسین دلچسپی سے تعلیم دیں ماں باپ اور اہل دیہی مدرسہ کے امور میں دلچسپی لیں اور مقامی حکام تعلیم یافتہ حضرات اور پبلک کو بھی دلچسپی لینا چاہئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک اچھے نظام کے تحت اس کو پھلتا پھولتا دیکھیں۔ موجودہ نظام تعلیمی بالکل بیجان مصنوعی اور پھیکا ہے۔ طلباء غیر دلچسپ ادبی کتب سے جکڑ دیئے جاتے ہیں جس کا برا اثر مدرسین پر پڑتا ہے

والدین یہ دیکھتے ہیں کہ روزمرہ دیہاتی زندگی اور مدرسہ کی زندگی میں کس قدر بُعد اور مغائرت ہے۔ مقامی عہدہ دار، دورہ کنندہ افسر اور تعلیم یافتہ حضرات مدرسہ کو ایک آلہ تصور کرتے ہیں جہاں طلباء کو امتحان کے لئے تیار کیا جاتا ہے اور امتحان میں کامیابی حاصل ہوتی ہے کس قدر بیّن فرق نظر آنے لگے گا اگر طلباء مطالعہ فطرت کرنے لگیں اور فطرت کی پوشیدہ کرشموں سے آگاہ ہو جائیں۔ مدرسین صرف اسی قابل نہ ہوں کہ طلبہ کو ان اسرار سے واقف کریں بلکہ ان کا مطالعہ اتنا وسیع ہو نا بن جائے کہ وہ سربرآوردہ اشخاص سے دیہاتی کفایت شعاری اور دوسرے ضروری مسائل پر بخوبی بحث کر سکیں۔ اور ان کے فوائد ان کے ذہن نشین کر سکیں۔ اگر تعلیم یافتہ ہوشیار مقامی باشندوں کو خاص خاص اختیارات دیے جائیں تو وہ مدرسہ کے معاملات پر غور و خوض کر کے اس کو کامیاب بنا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ایسے حضرات مدرسہ کے معاملات میں دلچسپی لیں مدرسہ کے باغوں کے کام والدین اور اہل دیہی کو بتلائے جائیں تا وہ نئے نئے طریقوں کو دیکھ کر فائدہ اٹھا سکیں۔ اگر مقامی عہدہ دار اور دیگر سربرآوردہ حضرات۔ ان خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں تو وہ دن دور نہیں کہ ہر گوشہ ملک میں تعلیم ہی تعلیم نظر آنے لگے اور اس وقت جو جمود نظر آ رہا ہے وہ جاتا رہے گا مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ابھی تک حکام والا تبار اس طرف بہت کم توجہ کرتے اور دلچسپی لیتے ہیں۔ یہ ملک کی بدقسمتی ہے اور کچھ نہیں اس تحریک سے ہوشیار اور قابل شہری پیدا ہوں گے جن کی ملک کو بیحد ضرورت ہے۔ صرف تعلیم عام ہو جانے سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ ہم کو اس امر کی کوشش کرنی چاہئے کہ ملک میں ہوشیار اور قابل افراد پیدا ہوں۔ جب تک پبلک خود مقاصد اور نتائج تعلیم سے مطمئن نہ ہو اور پسند نہ کرے اس وقت تک جو مصنوعی طریقے تعلیم کے پھیلانے میں استعمال ہوتے ہیں بیکار ہیں۔ دوسرے یہ کہ دیہاتی زندگی میں مدرسہ ایک مرکز قرار دیا جائے اور ایسی کشش پیدا کی جائے کہ ہر فرد اس کی طرف کھنچے جیسا کہ مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔ اور یہی ترقی کا پہلا زینہ ہے اور یہی ایک ایسی مستقل بنیاد ہے جس پر معاشرتی عمارت تیار ہو سکتی ہیں۔

کس طرح پر تعلیم دینی چاہیئے

ہم کو کس طرح پر تعلیم دینی چاہیئے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کے کئی جواب ہو سکتے ہیں یعنے اتنے ہی جواب جتنے طبائع کے انسان ہیں۔ مثلاً۔ میں اپنی حد تک یہ ضرور جانتا ہوں۔ کہ میری تعلیم کسطرح سے ممکن ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ میرے ہم طبیعت اشخاص کو کیسی تعلیم دینی چاہیئے۔

میں قبل ازیں یہ کہہ چکا ہوں کہ میں جس نظام تعلیم کے بموجب دماغی ترقی کر سکتا ہوں وہ مجھ سے مختلف طبیعت کے لوگوں کے لئے قطعی ناموزوں ہوگا۔ میں درسی کتابوں۔ اور معنوی تعلیم سے بہت کچھ مستفید ہو سکتا ہوں کیونکہ میں فطرتاً علم کا محض۔ علم کی خاطر شائق ہوں۔ مجھے فلسفیانہ خیالات سے گہری دلچسپی ہے لیکن عملی کام سے رغبت نہیں۔ میرا حافظہ عمدہ ہے۔ اور میں مطالعہ کا دلدادہ ہوں۔ قدیم تعلیم گاہوں کے مروجہ نصاب سے مجھکو فطرتی لگاؤ ہے۔ اور اگر میرے اوستاد۔ جدید ترین اصول تعلیم کے مطابق مجھکو تعلیم دیتے تو آج میں ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص ہوتا۔ لیکن ایسے لوگ موجود ہیں جو تذکرہ تعلیم کو لاحاصل سمجھتے ہیں۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ۔ ایسے نوجوان جو اپنی خراب تعلیمی حالت کیوجہ سے۔ احمق خیال کئے جا سکتے تھے عملی دنیا میں اعلیٰ قابلیت ظاہر کرتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے منتظم ہی نہیں بلکہ بڑے صناع ثابت ہوتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کے لئے کتابی تعلیم محض تضیع اوقات ہے۔ انکی تعلیم بالکل عملی ہونی چاہیئے ان کو عام اصول مادی مثالوں سے بتلانا چاہیئے۔ اور ان کو عملی کام کے ساتھ ساتھ فلسفہ کی تعلیم دینی چاہیئے۔

مختصر یہ کہ انسانوں کی دو قسمیں ہیں جن کی تعلیم کے لئے دو مختلف طریقوں کی ضرورت ہے۔ نفسیاتی اصولوں کے بموجب اگر غور کیا جائے۔ تو ہم کو مختلف طبائع کے اشخاص نظر آئینگے بعض تو لفظی الٹ پھیر میں الجھے رہتے ہیں اور بعض دریائے تخیل میں غرق ہو جاتے ہیں۔

معاشرتی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ظاہر ہوگا۔ کہ بعض تو ذاتی سعی کو کام میں لاتے ہیں۔ اور بعض

دوسروں کی مدد بغیر ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتے۔

فطرتی خصوصیات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کوئی شخص تو ریاضی سے قدرتی لگاؤ رکھتا ہے اور کوئی چاہے وہ کیسا ہی ہوشیار ہو اقلیدس کا پہلا مقالہ سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا مختصر یہ کہ اس قسم کی بیسوں مثالیں ہیں۔

پھر تعلیم کیسے دیجائے؟ اسکا جواب آہر شخص اپنی طبیعت کی خصوصیت اور فطرتی لگاؤ کے مطابق دیگا۔ اس میں شک نہیں کہ سائنٹیفک حکومت اپنے بچوں کو اُن کی طبیعت کے فطرتی لگاؤ کے مطابق اور آئندہ زندگی کی ضروریات کے لحاظ سے تعلیم دیگی۔ لیکن اس وقت تمام عالم میں مشکل سے ایسے طرز کی حکومت موجود ہے۔

بڑی مشکل یہ ہے کہ علم نفسیات اب بھی نامکمل حالت میں ہے۔ ہم اس وقت تک قطعی طور پر یہ نہیں بتلا سکتے۔ کہ بچہ کا نشو نما کس طریقہ پر ہوگا۔ اور وہ بڑھ کر کس قسم کی استعداد اور قابلیت رکھیگا۔ دوسرے یہ کہ ہم ایک ایسے زمانہ میں ہیں جبکہ جمہوریت کا زور و شور ہے۔ ہر فرد قانونی حیثیت سے مساوی درجہ رکھتا ہے اس لئے یہ ضروری ہوگیا ہے کہ سب کو کم و بیش ایک ہی قسم کی تعلیم دیجائے۔ اور کوشش کیجائے کہ وہ سب تہذیب و شائستگی کے ایک معیار تک پہونچ جائیں علاوہ ازیں اقتصادی مشکلات نے ایک ہی طریقہ کی تعلیم دینے پر مجبور کردیا ہے۔ اس لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم ایک ہی قسم کی تعلیم کو کن طریقوں سے مختلف طبائع کے لڑکے اور لڑکیوں کے مناسب حال بنائیں تاکہ وہ سب فطرتی اختلافات کے باوجود اُس سے بدرجۂ اتم مستفید ہوسکیں۔

میرے خیال میں اس سوال کا جواب ڈالٹن پلان سے مل سکتا ہے۔ ڈالٹن پلان سے موجودہ طرز کے مدارس کی ایسی تنظیم مراد ہے کہ جس کے ذریعہ سے طلبار کو اکھٹا جماعت میں تعلیم دینے کے بجائے فرداً فرداً تعلیم دیجائے۔

موجودہ طریقۂ تعلیم کے نقائص محتاج بیان نہیں۔ موجودہ مدارس درجوں میں منقسم ہوتے ہیں ہر درجہ میں تیس چالیس اور کبھی اس سے بھی زیادہ طلبہ رہتے ہیں ان میں بعض غبی ہوتے ہیں اور بعض

ذہین۔ بعض تیز و بعض کاہل۔ چند کا میلان طبیعت ایک طرح کا ہوتا ہے اور چند کا دوسری طرح کا۔ مدرس ایک انداز پر ایک خاص رفتار پر فضا بہ تعلیم کی تکمیل کرتا ہے۔ مدرس کی تعلیم کی رفتار ذہین طلبہ کے لئے دھیمی ہوتی ہے لیکن جو غبی ہوتے ہیں ان کے لئے یہی تیز ثابت ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذہین غبی کی وجہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور غبی ذہین کی وجہ سے نامکمل حالت میں رہتا ہے استاد جتنا قابل ہوتا ہے اتنی ہی عمدگی سے وہ مطالب واضح کرتا ہے اور ہوشیاری سے مشکلات آسان کرتا ہے۔ لیکن یہ ذہین طلبہ کے حق میں مضر ہوتا ہے کیونکہ وہ مشکلات کے حل کرنے میں اپنی ذاتی سعی کو کام میں لانے سے محروم ہو جاتے ہیں اور استاد کے فراہم کردہ معلومات بھولنے لگتے ہیں۔ ڈالٹن پلان جماعت واری تعلیم کی غیر معمولی اہمیت کو کم کرتا ہے اور اسکو ان ہی مضامین تک محدود کر دیتا ہے جسکی ضرورت تجربہ کے بعد ظاہر ہوئی ہے۔ مدرسہ کے کمرے جماعت کے کمرے ہونے کے بجائے مضامین کے کمرے ہو جاتے ہیں جہاں طلبہ فرداً فرداً کام کرتے ہیں ہر طالب علم کو اس کا کام دیدیا جاتا ہے جسکی تقسیم ماہواری و ہفتہ واری ہوتی ہے یعنی تاریخ ریاضی وغیرہ کے اسباق بصراحت مدت معین کر دئے جاتے ہیں ہر طالب علم کا فرض ہوتا ہے کہ مقررہ کام وہ مقررہ وقت میں اپنی طبیعت کے مطابق ختم کرے اگر کسی روز اسکی طبیعت تاریخ پڑھنے چاہتی ہے تو تاریخ کے کمرہ میں چلا جائے جہاں نہ صرف ایک کتبخانہ ہوتا ہے بلکہ ایک مدرس بھی موجود رہتا ہے جو اسکی مشکلات کے حل کرنے میں مدد دیتا ہے۔ وہ اپنا کام اپنے آپ یا اپنے دوستوں کے مشورہ سے پورا کرتا ہے۔ جب اسکی طبیعت اکتا جاتی ہے یا اسکو کسی دوسرے مضمون کے مطالعہ کی خواہش ہوتی ہے تو وہ اپنے کام کی جانچ اس مضمون کے مدرس سے کرا لیتا ہے اور دوسرے مضمون کے کمرہ میں منتقل ہو جاتا ہے۔

بعض کا یہ خیال ہے کہ ڈالٹن پلان مدرسہ کے نظام کو تہ و بالا کر کے ایک ہنگامہ برپا کر دیگا اس کے بابت یہ کہنا کافی ہے کہ ڈالٹن پلان کے اصول پر جو مدارس کام کر رہے ہیں اُن کے معائنہ کے بعد یہ اندیشہ باقی نہ رہے۔ اور یہ ثابت ہو جائے کہ ڈالٹن پلان کے نفاذ سے کسی قسم کی بے ترتیبی نہیں ہوتی اور بدنظمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ طلبہ اپنے اپنے کاموں میں اپنی اپنی طبیعت کے مطابق ہمہ تن مشغول رہتے ہیں۔ نتائج بہت بہتر برآمد ہوتے ہیں کیونکہ ذہین طالب علم اپنا مقررہ کام

جلد ختم کرلیتا ہے۔ اگر اس نے ایک سال کا کام آٹھ ماہ میں ختم کرلیا ہے تو وہ اس کے بعد کا کام شروع کر دیتا ہے برخلاف اس کے اوسط درجہ کے تحتانیہ مدارس میں ذہین طالب علم کے بعض دفعہ دو دو سال اوپر ہی کے درجہ میں سبق دہراتے ہیں ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر اب لڑکا ڈالٹن پلان کے بموجب کام کرے تو وہ اپنی فطرتی ذہانت کی بدولت اپنی کم عمری کے باوجود وسطانیہ مدرسہ کے طالب علم کی قابلیت پیدا کر سکتا ہے

غبی طالب علم اپنی رفتار کے مطابق تحصیل علم کرتا ہے۔ اگر ایک سال کا مقررہ کام وہ ایک سال سے زیادہ مدت میں ختم کرتا ہے تب بھی آمر قابل اطمینان ہوتا ہے کہ اس نے جو کچھ بھی حاصل کیا وہ سمجھ بوجھ کر اسے ایسے طالب علم جن کے طبائع خاص قسم کے ہوتے ہیں یا جنکی دماغی حالت عام دماغی حالت سے مختلف ہوتی ہے انکی اصل حالت کے اظہار کی بہ آسانی اور بخوبی کوئی نہ کوئی صورت نکل آتی ہے میرے خیال میں ڈالٹن پلان اس سوال کا کہ ہم کو کس طرح پر تعلیم دینی چاہیئے تشفی بخش جواب ہے ہم کو اس پہلو پر بھی غور کر لینا چاہیئے کہ ہم کو آخر پڑھانا کیا چاہیئے۔ مدرسہ کا نصاب ایک حد تک درست و واجبی ہے۔ لیکن اس حد سے گذرنے کے بعد وہ ناکافی و ناموزون ہو جاتا ہے۔ عالم کائنات کا حقیقی مطالعہ خود انسان کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے لیکن مطالعہ انسان ہی ایک ایسی چیز ہے جسکو نصاب مدارس میں جگہ نہیں دیگئی ہے ختم تعلیم پر نوجوان کارزار دنیا میں روانہ کر دیے جاتے ہیں لیکن وہ نہ صرف انسانی طبائع سے ناواقف ہوتے ہیں بلکہ بعض ایسے بے بنیاد اور لغو خیالات رکھتے ہیں جو سخت تکلیف دہ اور تلخ تجربوں ہی کے بعد دور ہوتے ہیں فقط

عملی درس تدریس

المعلم کا ایک زبردست مقصد یہ بھی ہے کہ اس میں ایسے مضامین شائع کئے جائیں، جن سے اساتذہ کو اپنے روزمرہ درس تدریس کے کام میں مدد ملے، اس غرض کے حاصل ہونے کی بہترین صورت یہی ہو سکتی تھی کہ جو اصحاب تربیت یافتہ ہیں، اور اس وقت استادوں کو تربیت دے رہے ہیں، ان کے اسباق مختلف درسی مضامین پر حاصل کئے جائیں چنانچہ اس بارے میں مولوی محمد حفیظ اللہ صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی عثمانیہ ٹریننگ کالج کے قابل صدر صاحب سے بات چیت ہوئی، علاوہ قابلیت اور تنظیمی صلاحیت کے مولوی صاحب موصوف کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کو تعلیم کے ہر کام سے گہری اور مخلصانہ ہمدردی ہے۔ مولوی صاحب نے وعدہ فرمایا کہ وہ حسب منشاء اسباق اپنے کالج کے اساتذہ صاحبان سے قابل اشاعت صورت میں فراہم کرا دینگے۔

المعلم کی گزشتہ اشاعت میں مولوی محمد عبد الغفور صاحب کا تیار کردہ جغرافیہ پر سبق اور مسٹر بگ موہن لعل کا سبق قرضدار پودے پر شائع کیا گیا۔ مولوی عبد الغفور صاحب ہمارے سررشتہ کے ایک ہونہار استاد ہیں۔ اور مطالب کو طلبا کے ذہن نشین کرنے کی صلاحیت ماں کے پیٹ سے لائے ہیں۔ انہوں نے جغرافیہ پر جس دلچسپی اور سادگی سے سبق تیار کیا ہے، وہ داد کے قابل ہے۔

مسٹر بگ موہن لال بالکل نوجوان اور نہایت سنجیدہ استاد ہیں۔ ان کی سائنس کی واقفیت وسیع اور بیان بہت ہی سلجھا ہوا ہے۔ ان کا سبق بہت ہی سادہ اور آسانی سے ذہن نشین ہونے والا ہے۔

اس اشاعت میں ایک سبق مسٹر بستی لال بی۔ اے۔ بی ٹی کا درج کیا

جاتا ہے۔ مسٹر لیفٹی لال ٹھاکر سے ہاں کے آزمودہ کار اور عمدہ اساتذہ میں سے ہیں۔

دوسرا مضمون مولوی محمد عبدالغفور صاحب کا ہے

ہم مولوی حفیظ اللہ صاحب اور اُن کے رفقاء کے ان اساتذہ صاحبان کے رہین منت ہیں، اور ہمیں یقین ہے کہ اس قسم کے اسباق ٹریننگ کالج کے اساتذہ المعلم کے صفحات کے لئے تیار فرماتے رہینگے جس سے اس رسالہ مدت کے اساتذہ کا بڑا حصہ فائدہ اُٹھاتا رہیگا ۱۲ منشر پلیٹ مدیر

(۱) تعلیم اعداد و شمار

امر مرکس و ناکس پر بخوبی روشن ہے کہ ہر بچہ بیشتر اس کے کہ وہ مدرسہ کی چار دیواری میں داخل ہو کھیل کود میں مصروف رہتا ہے کھیل کود میں مختلف جاندار اور بے جان چیزیں اس کی نظر سے گذرتی رہتی ہیں ان کی حرکت رنگ شکل اور استعمال بچے کے واسطے مشغولیت کا سامان مہیا کرتے رہتے ہیں اُسے اپنے والدین اور کھلائی کی رہنمائی یا اپنے ذاتی تجربہ کی رہنمائی سے چھوٹے چھوٹے اغراض و مقاصد کی تکمیل میں اعداد سے سابقہ پڑتا ہے اسکو اس بات کے سمجھنے کی خواہش ہوتی ہے کہ میرے پاس دو کھلونے ہیں اور میرے بھائی کے پاس تین میلان ملکیت جو کہ بچے میں تقریباً دو سال کی عمر میں ظہور پذیر ہوتا ہے اسکو اس بات کی طرف راغب کرتا ہے کہ اس کے پاس سب سے زیادہ کھلونے ہوں اور یہی وجہ ہے کہ بچہ اعداد و شمار میں خود بخود دلچسپی ظاہر کرنے لگتا ہے۔ بچے کو اگر چند رنگ برنگ کی گولیاں دیجاویں تو وہ عموماً انہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور انہیں بہت حفاظت کے ساتھ اپنے بکس میں رکھ لیتا ہے اگر اس سے دریافت کیا جائے کہ تمہارے پاس کتنی گولیاں ہیں تو وہ عموماً ایک دو تین پانچ گنکر بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ بہت سی ہیں۔ اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مکان کی عورتیں یا کھلائی جبکہ بچے کی انگلیاں گنتی ہیں اور مکان کے مختلف لوگوں کے نام لیکر کہتی جاتی ہیں کہ یہ اسکی یہ اسکی تو بچہ بہت خوشی کا اظہار کرتا ہے اور اگر کوئی شخص نامزد ہونے سے چھوٹ جائے تو فوراً نام لے کر کہتا ہے کہ یہ انگلی فلاں کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بچے کو قدرتی طور پر اعداد و شمار کا شوق ہوتا ہے۔

مگر مدرس جو کہ فطرت اطفال سے بالکل ناواقف ہوتا ہے اپنے دل میں یہی سمجھتا ہے اور فرض کرلیتا ہے کہ بچے کو نہ تو اعداد و شمار جیسے پھیکے مضمون سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ مدرسہ سے عام طور پر مدرسین اس علم کو لوہے کے چنے یا ٹیڑھی کھیر سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس لئے طالب علم مضمون سے ہراساں اور مدرسے سے خائف ہوجاتا ہے لہذا مضمون اور مدرسہ دونوں کو دلچسپی خیرباد کہتی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ مدرس اصول سے واقف ہوتا اور بجائے خوف دلانے کے طلبا کے میلانات طبع سے کام لیتا یا یوں کہو کہ ان میلانات طبع کو محرک بناتا جو کہ بچے میں اس وقت موجود ہوتے ہیں عام طور پر کھیل کا رجحان ہر ایک بچے میں پایا جاتا ہے اور یہی کھیل اسکی نشوونما کا باعث ہوتا ہے لہذا مدرس کو چاہیئے کہ اعداد و شمار سکھلانے میں کھیل کے میلان طبع سے کام لیں اور بچوں کے مختلف مذاق کا بھی خیال رکھے ذیل میں چند مشاغل درج کئے جاتے ہیں جو کہ بچے کی فعلیت پر مبنی ہیں۔ مختلف مشاغل مع اس نصاب کے جو کہ کلیہ ہذا میں ترتیب دیا گیا ہے اور جس پر کہ تجربات ہو رہے ہیں جماعت صغیر کے واسطے کافی مواد بہم پہنچا سکتے ہیں۔

فعلیت	طریقہ و مضامین	تصور
گنیہ پھالنا۔	گنیہ کے گدوں کی تعداد و شمار کرنا۔	اعداد
رسی پر سے کودنا	یہ معلوم کرنا کہ کتنی دفعہ رسی کو پھلانگا اور کتنی دور۔	اعداد۔ زیادہ اور کم فاصلہ
جھولنا	جھونکوں کی تعداد شمار کرنا اور یہ معلوم کرنا کہ کس نے تیز جھونکا لیا	ست اور تیز۔
بچوں کا تقلیں کرنا	انگلیوں۔ آنکھوں اور کانوں کے متعلق قصے اور گیت۔	اعداد
سورج کو دیکھکر وقت معلوم کرنا۔	گڑی ہوئی لکڑی کے سایہ کا مشاہدہ کرنا۔	صبح دوپہر شام
	چھوٹے چھوٹے غالیچے بنانا (فیتہ سے) رول سے ناپنا تاکہ عرض وطول کا اندازہ ہوسکے۔	چھوٹا۔ بڑا عرض طول
طشتریاں تیار کرنا	کاغذ کے یا ابری کے مربع کاٹنا۔ موڑنا اور جوڑ کر مکمل مطلوبہ تیار کرنا	مربع چار حصے کرنا۔

پتنگ بنانا۔	لکڑیوں کی پتلی پتلی بدیاں کاٹ کر کاغذ پر لگانا۔ جوڑنا اور اس سے پتنگ تیار کرنا۔ ڈور کو ناپنا۔ (رول یا لکڑی کی مدد سے)	دو۔ چار۔ ناپ
تاش بنانا اور کھیلنا	مستطیل کل کے کارڈ بورڈ کے ٹکڑے کاٹنا۔ نشانات لگانا اور شمار کرنا۔	مستطیل۔ اعداد
دکان کا کھیل کھیلنا	اناج کو ریت سے تبدیل کرنا تیل کو پانی سے اور مٹھائیوں کو مٹی کے عولون سے۔	تول۔ ناپ۔ اعداد
مٹر کے دانوں سے کھیلنا۔	فرش پر مربع بنانا اور مربعوں میں گن کر مٹر کے دانے رکھنا۔ اُن کی تعداد کا اندراج۔	اعداد لکھنا جمع کے پہاڑے
چیزیں تقسیم کرنا۔	ہر ایک قطار سے کسی بچہ کا اپنی قطار کے لئے مختلف اشیاء لینا اور اپنے ساتھیوں میں تقسیم کرنا۔ ہر ایک بچہ کا ایک خاص تعداد کا غذ لینا موڑنا اور کاٹ کر کاپیاں بنانا۔	بحیثیت مجموعی تعداد معلوم کرنا۔ گنا حصوں میں تقسیم کرنا۔
مٹی کے منونے بنانا مٹی کے سکے وغیرہ بنانا اور ان سے کھیلنا	کسی چیز کی جسامت کا اندازہ لگا کر اس کے بنانے کے لئے مٹی لینا۔ پیالیاں طشتریاں وغیرہ بنانا۔ آنی۔ اور روپیوں اور پیسوں کو پہچاننا۔	زیادہ کم۔ بڑا چھوٹا ایک آنہ پیسوں کی تعداد معلوم کرنا۔

(۰)

سایہ

(دنوں کے چھوٹے اور بڑے ہونے سے متعلق سبق)

سایہ کس طرح وجود میں آتا ہے ایک بچہ کو جماعت کے وسطی حصہ میں کھڑا کیا جائے۔ نیچے ایک چراغ رکھا جائے (کمرہ تاریک ہو) بچوں کی توجہ اس پرتو کی طرف مبذول کرائی جائے جو بچہ کے پاؤں سے شروع ہو کر آگے کی طرف چلا گیا ہے بتلایا جائے کہ یہ پرتو بچہ سے ملتا جلتا ہے اسکی نسبت جواب اخذ کرایا جائے۔ دونوں پاؤں کے درمیانی حصہ سے جو روشنی پڑتی ہے اس کے طرف بچہ کی توجہ مبذول کرائی جائے سوال کیا جائے کہ یہ روشنی کہاں سے آئی۔ پاؤں کے درمیانی

بچہ سے کہا جائے کہ اب دونوں پاؤں ملا کر کھڑا رہے روشنی کے نسبت اب سوال کیا جائے کہ کیوں روشنی اب نہیں آتی اور سایہ کے طرف توجہ مبذول کرائی جائے جواب اخذ کرایا جائے بتلایا جائے کہ کثیف اشیاء میں سے روشنی نہیں گذرتی۔ چراغ کو بچہ کے آگے رکھا جائے سایہ پیچھے کے جانب پڑے گا۔ سایہ کے طرف بچوں کو متوجہ کیا جائے۔ پاؤں سے سایہ شروع ہو کر جہاں ختم ہوتا ہے وہاں چاک سے ایک نشان کر دیا جائے چراغ کو آہستہ اوپر کے جانب بلند کیا جائے جیسا چراغ بلند ہوگا سایہ چھوٹا ہوتا جائے گا۔ سایہ بڑا اور چھوٹا ہونے کے متعلق جواب اخذ کرایا جائے

آفتاب کی روشنی میں سایہ

چراغ کو گل کر دیا جائے۔ تاریکی دور کرنے کے لئے روشندانیاں کھول دی جائیں۔ سوال کیا جائے کہ گرمی میں مسافرین درخت کے سایہ میں کیوں پناہ لیتے ہیں کیوں زیر درخت دھوپ نہیں آتی کیوں درخت کا سایہ زمین پر پڑتا ہے۔ بتلایا جائے کہ وہاں نہ صرف سایہ ہے بلکہ حرارت میں بھی کمی ہے بتلایا جائے کہ آفتاب بھی مثل چراغ کے ہر کثیف چیز کا سایہ زمین پر ڈالتا ہے آفتاب کی روشنی میں سایہ کے متعلق جوابات اخذ کرائے جائیں۔

سایہ کبھی آگے ہوتا ہے کبھی پیچھے کبھی مدھم اور کبھی صاف مشاہدہ کے بنا پر صبح دوپہر شام کے سایہ کے نسبت جوابات اخذ کرائے جائیں۔ چراغ کا خیال دلا کر سوالات کئے جائیں جب چراغ نیچے تھا سایہ کتنا تھا اور جب چراغ اوپر کیا گیا سایہ پر کیا اثر پڑا۔ آفتاب کس وقت سر پر ہوتا ہے۔ سایہ کتنا پڑتا ہے سایہ کب لانبا پڑتا ہے کیوں لانبا پڑتا ہے۔

بچوں کو بتلایا جائے کہ موسم گرما میں سایہ بہ نسبت سرما کے بوقت نصف النہار چھوٹا ہوتا ہے۔

سایہ چھوٹا اور دن بڑے

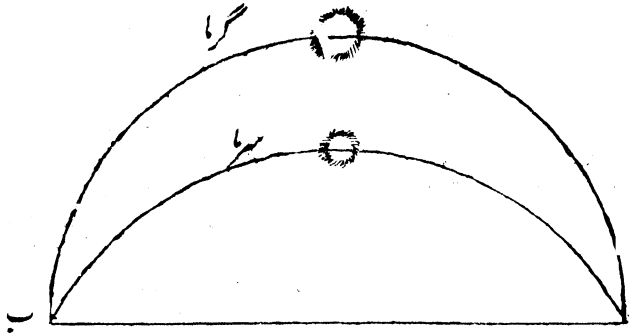

تختہ سیاہ پر ایک قوس کھینچی جائے۔ آفتاب کا مقام بوقت طلوع نصف النہار و غروب بتلایا جائے۔ قوس کے حوالہ سے بتلایا جائے کہ آفتاب طلوع ہو کر آسمان پر اس طرح راستہ طے کرتا ہے گویا یہ کمان اس کا راستہ بتلانے والی ٹھیری۔ یہ بتلایا جا چکا ہے کہ گرما میں آفتاب بوقت نصف النہار جس بلندی پر رہتا ہے اس بلندی پر سرما میں نہیں رہتا۔ قوس کے درمیانی حصہ میں بوقت نصف النہار آفتاب کا ہونا ظاہر کیا جائے چھوٹی قوس کھینچ کر اس کے درمیانی حصہ میں بوقت نصف النہار آفتاب کا ہونا ظاہر کیا جائے مشاہدہ سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ دونوں صورتوں میں آفتاب کمان کے درمیانی حصہ میں ہے۔ گرما میں بہ نسبت سرما کے زیادہ بلندی پر ہے۔ الف سے درمیانی حصہ تک ہر دو کمان کو ناپ لیا جائے۔ بالائی کمان بہ نسبت کمان زیرین کے بڑی ہوگی سوال کیا جائے کہ کس کمان پر آفتاب کو زیادہ فاصلہ طے کرنا ہوگا۔ اور کس کمان پر کم فاصلہ طے کرنا ہوگا

یہ امر ذہن نشین کر دیا جائے کہ خواہ گرما ہو یا سرما آفتاب بوقت نصف النہار کمان کے درمیانی حصہ میں ہوگا۔ آفتاب موسم گرما میں زیادہ فاصلہ طے کرتا ہے کب طلوع ہوگا؟ بہت سویرے بتلایا جائے کہ گرما میں بہ نسبت سرما کے بہت سویرے طلوع ہوتا ہے ہمارے بیدار ہونے کے قبل نکلتا ہے نصف حصہ طے کرنے کے بعد نصف حصہ باقی ہے اس کے طے کرنے کے لئے کتنا وقت درکار ہوگا۔

موسم گرما میں آفتاب کو طلوع ہو کر غروب ہونے تک جو عرصہ درکار ہوگا وہ بتلایا جائے تاکہ بچوں کو اندازہ ہو جائے کہ موسم گرما میں کتنے گھنٹوں کا دن ہوتا ہے۔

سایہ بڑا اور دن چھوٹے

چھوٹی قوس کے طرف توجہ منعطف کرائی جائے۔ یہ بتلایا جائے کہ یہ قوس سرما میں آفتاب کا راستہ بتلانے کے لئے کھینچی گئی ہے۔ قوس کے نصف حصہ تک آفتاب کو کم راستہ طے کرنا پڑتا ہے۔ سوال کیا جائے آفتاب کب نکلیگا۔ دیر سے۔ بتلایا جائے کہ آفتاب سرما میں دیر سے طلوع ہوتا ہے۔ سوال کیا جائے کہ باقی ماندہ فاصلہ طے کرنے کے لئے کتنی دیر ہوگی جواب اخذ کرایا جائے موسم سرما میں آفتاب کو طلوع سے غروب تک جو عرصہ درکار ہے بتلایا جائے تاکہ بچوں کو اندازہ ہو جائے کہ سرما میں دن کتنے گھنٹوں کا ہوتا ہے۔

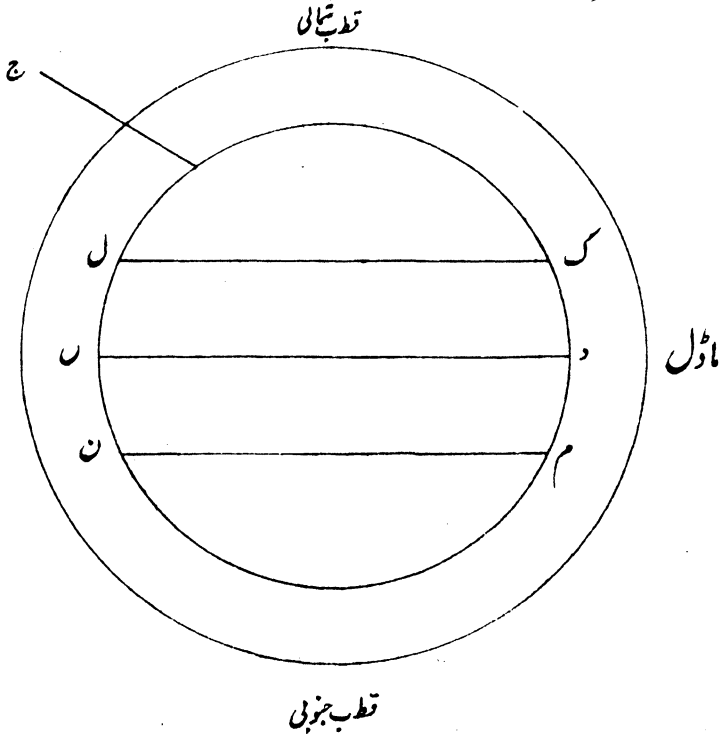

اس امر کو ذہن نشین کرنے کے لئے ماڈل پیش کیا جائے بچوں سے ماڈل بنوایا جائے۔

ماڈل بنانے کا طریقہ:-

ایک ۸ ور سفوے کا ٹکڑا لیا جائے اس ٹکڑے میں ایک ہم مرکز دائرہ ج کھینچا جائے مرکز میں سے گذرتا ہوا ایک سیدھا خط ، س کھینچا جائے دو خط ک ۔ ل ۔ و ۔ م ۔ ن ۔ و س کے متوازی شمالاً جنوباً ۲۴ ½ ڈگری کے فاصلہ پر کھینچے جائیں۔

دائرہ ج کے مساوی دو مدور ٹکڑے ف اور ق کاٹے جائیں۔ ک ۔ ل اور م ن کو چاقو کے ذریعہ شگاف دیا جائے۔ ف ٹکڑے کا ایک تہائی حصہ ک ل کے شگاف میں اتارا جائے اور ق ٹکڑے کا نصف سے زائد حصہ م ن کے شگاف میں اتارا جائے اب ف سے مراد گرما میں آفتاب کا راستہ ہے اور ق سے مراد سرما میں آفتاب کا راستہ ہے ف اور ق کے درمیانی سروں پر آفتاب کا مقام بوقت نصف النہار بتلایا جائے۔

عجائب نمبر ۵

(۱۱) سلسلۂ حسابی

فرض کرو کہ

۴ ۷ ۱۰ ۱۳

عددوں کا ایک سلسلہ ہے اس طرح کہ دو متصل اعداد کے درمیان ہمیشہ ایک ہی فرق رہے

۷ - ۴ = ۱۰ - ۷ = ۱۳ - ۱۰ = ۳

ایسے سلسلے کو حسابی سلسلہ کہتے ہیں:-

فرق چونکہ مستقل ہے اس مثال میں ۳ ہے، اس لئے وہ سلسلہ کا فرق مشترک کہلاتا ہے

اعداد ۴، ۷، ۱۰، ۱۳ سلسلہ کی رقمیں ہیں۔ یہاں ہم نے صرف ۴ رقمیں لکھیں لیکن ہم اس سے بھی زیادہ لکھ سکتے ہیں۔

واضح رہے کہ طبعی اعداد صحیح ۱، ۲، ۳، ..... ایک حسابی سلسلہ ہیں جس کا فرق مشترک ۱ ہے

اسی طرح طاق اعداد ۳، ۵، ۷، ..... ایک حسابی سلسلہ ہیں جس میں فرق مشترک ۲ ہے

اب ہم سلسلہ ۴، ۷، ۱۰، ۱۳ کو ایک شکل (شکل نمبر ۲) کے ذریعہ سے دکھانا چاہتے ہیں خانہ دار کاغذ پر پہلی پٹی پر ۴ خانے گن کر ہر ایک میں ایک کالی ٹکیہ رکھ دو۔ دوسری پٹی پر ۷ خانے گنو اور ہر ایک میں ایک کالی ٹکیہ رکھدو۔ اسی طرح تیسری اور چوتھی پٹیوں کو ۱۰ اور ۱۳ ٹکیوں سے بھر دو۔

شکل نمبر ۲:

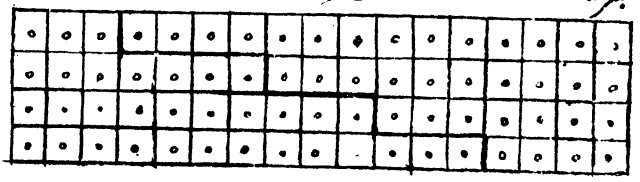

آخری پٹی میں ۴ خانے جوڑ دو اور مستطیل کو مکمل کر دو۔ تو معلوم ہوگا کہ اس مستطیل میں سلسلہ کی رقمیں ۲ مرتبہ آگئی ہیں جیسا کہ کالی اور سفید ٹکیوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

اب سلسلہ کی رقموں کا مجموعہ = مستطیل کے خانوں کی نصف تعداد

$$= \frac{۱۷ \times ۴}{۲}$$

پس اگر ا اور ب دو انتہائی رقمیں ہو اور ن رقموں کی تعداد ہو تو یہ مجموعہ

$$= \frac{(ا + ب)ن}{۲}$$

اگر ا = ۱، اور اگر فرق مشترک = ۱ تو ب = ن

اور مجموعہ $= \frac{ن (ن+۱)}{۲}$

اگر ا = ۱، اور فرق مشترک = ۲ تو ب = ۲ ن - ۱

اور مجموعہ = ن ۲

ایسے نتایج اس سے پیشتر بھی حاصل ہو چکے ہیں۔

اگر ر کسی حسابی سلسلہ کا فرق مشترک ہو تو یہ سلسلہ یوں لکھا جائے گا

ا، ا + ر، ا + ۲ ر، ا ..... ا + (ن - ۱) ر

---

(۱۲) سلسلۂ ہندسی:۔ اگر

۲، ۶، ۱۸، ۵۴، ۱۶۲

ایک ایسا سلسلہ اعداد ہو کہ ہر ایک کو اس کے ماقبل سے تقسیم کرنے پر ایک ہی خارج قسمت نکلے تو ایسے اعداد سلسلہ ہندسی کہلاتے ہیں۔ اس مستقل خارج قسمت کا نام نسبت مشترک ہے اوپر کی مثال میں نسبت مشترک ۳ ہے، پہلی رقم ۲ ہے اور رقموں کی تعداد ۵ ہے

عشری نظام میں اعداد ۱، ۱۰، ۱۰۰، ۱۰۰۰، ..... ایک سلسلہ ہندسی ہوتے ہیں جس میں نسبت مشترک ۱۰ ہے۔

نسبت مشترک کسر بھی ہو سکتی ہے اور عدد صحیح بھی۔ اگر نسبت اسے زیادہ ہو تو رقمیں برابر بڑھتی جائیں گی۔ ایسا سلسلہ صعودی کہلاتا ہے۔ اگر نسبت اسے کم ہو تو رقمیں برابر گھٹتی جائیں گی اور سلسلہ نزولی کہلائے گا۔

ہندسی سلسلہ کی رقموں کا مجموعہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہیں۔ پھر وہی اوپر کی مثال لو

۲، ۶ ۱۸ ۵۴ ۱۶۲

اگر کسی رقم کو نسبت مشترک ۳ سے ضرب دیں تو مابعد کی رقم حاصل ہو گی۔

اگر (۳ - ۱) یا ۲ سے ضرب دیں تو دو متقل رقموں کا فرق حاصل ہو گا۔

$$۲ (۳-۱) = ۶ - ۲$$

$$۶ (۳-۱) = ۱۸ - ۶$$

$$۱۸ (۳-۱) = ۵۴ - ۱۸$$

$$۵۴ (۳-۱) = ۱۶۲ - ۵۴$$

$$۱۶۲ (۳-۱) = ۴۸۶ - ۱۶۲$$

ان سب کو اگر جمع کریں تو

$$(۲ + ۶ + ۱۸ + ۵۴ + ۱۶۲)(۳-۱) = ۴۸۶ - ۲$$

کیونکہ باقی اعداد ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔

اب فرض کرو کہ رقموں کا مجموعہ س ہے یعنے۔

$$س = ۲ + ۶ + ۱۸ + ۵۴ + ۱۶۲$$

تو $$س (۳-۱) = ۴۸۶ - ۲$$

$$\therefore س = \frac{۴۸۶ - ۲}{۳ - ۱} = ۲۴۲$$

بالعموم اگر

ا ب س ۔ ۔ ۔ ک

ایک ہندسی سلسلہ ہو جس میں نسبت مشترک ر ہو اور اگر ایک رقم
ل = ر ک اور لے لیں تو۔

ا (ر - ا) = ب - ا

ب (ر - ا) = س - ب

. . . . . .

ک (ر - ا) = ل - ک

اس لئے جمع کرنے سے

س (ر - ا) = ل - ا

$$\therefore \quad س = \frac{ل - ا}{ر - ا}$$

اگر سلسلہ نزولی ہو تو۔

$$س = \frac{ا - ل}{ا - ر}$$

ہندسی سلسلوں کا شمار میں زبردست حصہ ہے۔ ان کا بکثرت استعمال ہوتا ہے
اگر نسبت مشترک اسے زیادہ بڑی نہ بھی ہوتا ہم اگر رقموں کی تعداد زیادہ ہو تو
مجموعہ بڑے بڑے اعداد پیدا کر دیتا ہے۔ یہ نتائج ہمیں متحیر کر دیتی ہیں۔ چنانچہ چند مثالیں
اس قسم کی درج کی جاتی ہیں۔

(باقی دارد)

مورنی

مورنی اس وقت بہت رنجیدہ اور غمگین بیٹھی تھی اور وہ حق بہ جانب بھی تھی۔ کیونکہ اس روز مور نے جلن کے مارے اس کے بہت سی چونچیں ماری تھیں اور اس کے خیال میں وہ اس کی مستحق نہ تھی۔ ایک مور کے پاس بہت سی مورنیاں ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہ مورنی اس کی عادی تھی اس لئے اپنی زیادتیوں کا عوض کرنے کے لئے ان سے کہنا شروع کیا "آؤ پیاری سیر کو چلیں سورج خوب چمک رہا ہے اور میں تمہارے لئے اپنی پروں کو پھیلاؤں گا" مورنی (بگڑ کے) "میں تو تمہاری دم دیکھتے دیکھتے تھک گئی۔ تمہیں کسی اور بات کا خیال ہی نہیں آتا"

مور (ذرا تیز ہو کے) کتنے مرتبہ میں تم سے کہوں کہ میری خوبصورت پر میری دم نہیں ہیں۔ جو کچھ میں کہتا ہوں ذرا اسے غور سے سنو۔ میری اصلی دم ان پروں کے نیچے ہے تاکہ جس وقت میں پروں کو پھیلاؤں تو یہ ان کو سنبھالے رہے۔ اچھا اب آؤ سیر کو چلیں۔ تم کچھ ہی کہو لیکن دل سے تم میری خوبصورتی کو پسند کرتی ہو۔ اور میں ہوں بھی دنیا بھر میں سب سے خوبصورت پرند"

مورنی:۔ تمہاری آواز بہت بھدی ہے اور ایسی ہی تمہاری ٹانگیں ہیں" کیا جہاں مور نے چونچیں ماری تھیں وہاں اب تک درد تھا۔ لیکن مور نے اس کا خیال نہ کیا اس نے اپنے پروں کو پھیلا دیا اور مٹک رہا تھا۔ پروں کو آہستہ آہستہ ہلاتا تھا چمکدار اور نکیلے سر کو فخر کے ساتھ اٹھائے ہوئے تھا گویا کہ یہ کہتا تھا "کیا اس سے بڑھکر کوئی خوبصورت چیز دیکھی ہے"

مورنی نے اس کی طرف دیکھا اور آن واحد میں اس کی بدمزاجی لمبی ٹانگیں کرخت آواز

سب کچھ بھول گئی۔ اور میرے خیال میں اس نے اس کو اسی وقت معاف کر دیا ہوتا۔ اگر اسے یہ یاد آتا کہ اسے ایک پوشیدہ جگہ انڈے دینا ہیں کیونکہ مور انہیں ضائع کر دیتا ہے

مور کہنے لگا:۔ میں خاندان ورن سے ہوں۔ میرے نتھنے چونچ پر بہت ہٹکے بنائے گئے ہیں۔ میرا وطن ہندوستان ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان کے جنگلوں میں مور بہت ہی خوبصورت معلوم ہوتا ہے"

مورنی (حسد سے):۔ جب تم جول بدلتے ہو تو ہرگز خوبصورت نہیں ہوتے کیونکہ اس وقت تمہارے بسے پر گر جاتے ہیں۔

مور:۔ لیکن وہ پھر نکل آتے ہیں اور ایک جول بدلنے کے بعد پہلے سے بھی زیادہ لمبے نکلتے ہیں۔ اچھا آؤ اب مل جاؤ اور سیر کو چلو۔ کچھ دانہ دُنکا تو مل ہی رہے گا۔ نہیں تو کوئی نہ کوئی کیڑا ملے گا"

مورنی پہلے لوٹ پوٹ ہوئی کیونکہ خاندان وراج میں پانی سے غسل نہیں کرتے پھر اس نے چلنے کا ارادہ کیا اور پھر دونوں یعنی سادی بے رونق مورنی اور خوبصورت با رونق مور مٹکتے ہوئے چلدئے اور پھر مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا اور مجھے یقین ہے کہ مور نے پھر مورنی کے چونچیں ماری ہوں گی کیونکہ اس کی بدمزاجی مشہور ہے۔

تبصرے

پروفیسر برٹرانڈ رسل نے ایک کتاب بچوں کی تعلیم کے متعلق حال ہی میں انگریزی میں لکھی ہے۔ اگرچیکہ یہ کتاب طلبا کے والدین اور اولیا کے لئے لکھی گئی ہے لیکن اس کا مطالعہ ہر مدرس اور ہر ایسے شخص کے لئے جو تعلیم اطفال اور خواص اطفال کے عام مسائل سے

دلچسپی رکھتا ہو مفید ہوگی۔

اس کتاب میں مختلف ممالک کے طرز اور طریقہ تعلیم سے بحث کی گئی ہے مثلاً یہ کہ ملک چین کی تعلیم کا بڑا اصول یہ رہا ہے کہ بچوں کو اسباق رٹائے جائیں اور پھر ان سے اعادہ کرایا جائے۔ جاپان کے نظام تعلیم کا اہم اصول یہ ہے کہ قومی عظمت اور شوکت طلبا کے ذہن نشین کرائی جائے اس طرح امریکہ کے نظام تعلیم سے بحث کی گئی ہے۔

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ تعلیم کا مقصد حسب ذیل ہونا چاہیئے۔

(۱) قوت جسمانی اور دماغی کی نشوونما۔

(۲) بہادری سکھانا۔

(۳) قوت احساس پیدا کرنا۔

پروفیسر صاحب نے اس کتاب میں یہ جدت کی ہے کہ تعلیمی مسائل پر صرف موجودہ اقتصادی اور سماجی حالات سے ہی بحث نہیں کی بلکہ زندگی کے اُن عظیم الشان پہلوؤں کو بھی بحث میں شامل کیا ہے جن پر انسانی زندگی کی فلاح و بہبود کا دارومدار ہے۔

کتاب جارج ایلن اینڈ انون کمپنی نے طبع کرائی ہے اس کی قیمت ۶ شلنگ ہے۔ ہندوستان کے کسی مشہور تاجر کتب کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے۔

میلاد النبیؐ | شمس العلما مولوی حافظ محب الحق صاحب رئیس پٹنہ عظیم آباد نے یہ عقیدت اور محبت کی کتاب لکھ کر ایک اچھی خدمت کی ہے۔ ضرورت تھی اس بات کی کہ نبی اعظم برحق کی برگزیدہ اور جامع صفات ستودہ ہستی کی بہشت با سعادت پر ایک ایسی کتاب لکھی جائے جس میں چھان بین کے ساتھ صحیح واقعات جمع کئے جائیں اور ساتھ ہی واقعات کو اکٹھا کرنے والا دل محبت عقیدت اور محبت کی بجلی ان میں اس طرح دوڑا دے کہ واقعات کے ساتھ ساتھ ذات اقدس کا وہ روحانی پہلو بھی دلوں میں گھر کر جائے جس کی برکتیں تیرہ سو برس سے اس دنیا میں توحید

اور صداقت کی کرنیں دور دور بکھیر رہی ہیں ۔ ہمارا خیال ہے کہ اس طرز میں مولانا محب الحق صاحب نے پہلے قدم رکھا ہے اور ان کو اس میں بڑی حد تک کامیابی ہوئی ہے ۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب یاران مکہ وال کے لئے صلائے عام کا کام دے گی اور اس رنگ کی اردو ادب کی کتابیں معرض وجود میں آئیں گی ۔ مولانا محب الحق صاحب کا ایک ایک لفظ تحقیق اور جانچ پڑتال پر مبنی ہے اور ساتھ ہی عقیدت اور عشق کے نور سے دمک رہا ہے ۔ وہ تحریر تحریر ہی نہیں جس میں لکھنے والے کے دلی جذبات حلول نہ کر جائیں ۔ مولانا صاحب ممدوح اس تصنیف پر مبارکباد کے مستحق ہیں ۔

ہمارے ہاں کے اساتذہ صاحبان اس کتاب سے بے انتہا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور طلبا بھی ایسی کتاب کے پڑھنے کے بعد یہ بات محسوس کرنے لگیں گے کہ اس عالم تغیر میں اس نبی صلعم برحق کی ذات پاک کس طرح آفتاب کی طرح روشن اور بلند ہے اور ساتھ ہی کس قدر اعلیٰ انسانیت اور بشریت میں رچی ہوئی ہے ۔ ۔

اس کتاب کی قیمت علاوہ محصول ڈاک (عہ) ہے ۔

آل انڈیا ٹیچرز فیڈریشن کی سالانہ رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں ہندوستان کی مختلف انجمن ہائے اساتذہ کے متعلق مفید معلومات درج ہیں اس رپورٹ کا مطالعہ مدرسین کے لئے بہت مفید ہوگا ۔ رپورٹ مسٹر دیوی پرشاد کٹھاری ہیڈ ماسٹر پریتھی ناتھ ہائی اسکول کانپور سے طلب کی جا سکتی ہے رپورٹ کی قیمت ایک روپیہ ہے ۔

ہندوستان کی سالانہ تعلیمی | ہندوستان کی سالانہ تعلیمی رپورٹ بابت ۱۹۲۴ء ۱۹۲۵ء شایع ہو چکی ہے ۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ برٹش انڈیا میں اس وقت جملہ تعلیم گاہوں کی تعداد ۲ لاکھ اٹھائیس ہزار ہے اور ان میں ۱۰ ملیون (ایک کروڑ) طلبا تعلیم پا رہے ہیں

اور یہ کہ گزشتہ ایک سال میں تعداد طلبا میں ۵ لاکھ کا اضافہ ہوا۔

رپورٹ میں بتلایا گیا ہے کہ اضافہ قابل اطمینان اور مسرت نہیں کیونکہ منجملہ ۵ لاکھ کے ۴ لاکھ کا اضافہ ابتدائی جماعت کے طلبا میں ہوا ہے جو تعلیم کو جاری نہیں رکھتے بلکہ سال دو سال میں مدرسہ چھوڑ دیتے ہیں مثلاً جماعت ابتدائی کی تعداد ۴ ملیون ہے تو جماعت اول میں ایک ملیون سے بہت زیادہ طلبا زیر تعلیم ہیں اسی طرح تعداد گھٹتے گھٹتے چہارم جماعت میں ۴ لاکھ ہو جاتی ہے یعنی یہ کہ اگر ۴ ملیون طلبا بھی تعلیم شروع کرتے ہیں تو صرف ۶ لاکھ اس کو ختم کرتے ہیں باقی پہلی یا دوسری یا زیادہ سے زیادہ تیسری جماعت تک پہنچ کر تعلیم کو خیرباد کہتے ہیں۔ یہ قابل افسوس ہے کیونکہ بچوں کا مدارس میں برائے نام سال دو سال کے لئے شریک رہنا تعلیم کے لئے کافی نہیں اور قوم کو تعلیم یافتہ نہیں بنا سکتا۔

شذرات

تحصیلدار صاحب تعلقہ بلگیر نے ۲۵ ربیع ۱۳۳۶ف کو مدرسہ تحمانیہ چندرگی ضلع گلبرگہ کا اچانک معائنہ فرمایا۔ معائنہ مدرسہ کے بعد سالگرہ مبارک کی تقریب میں طلبا مدرسہ کو شیرینی وغیرہ تقسیم کرنے کے لئے پانچ روپیہ عطا فرمائے۔

مسٹر ڈنشاجی نوشیرواں صاحب تحصیلدار تعلقہ کوڑنگل نے بمعین معائنہ مدرسہ تحتانیہ رنگڑی رائچور چند ایسے طلبا کا معائنہ کیا جو مٹی پر الف بے تے وغیرہ کی مشق کر رہے تھے جس کی وجہ تسمیہ دریافت فرمانے اور اصل حقیقت ناداری وغیرہ انکشاف کیا جانے پر ازراہ کرم و عملدوستی سولہ تختیاں (سلیٹ) اور چار پنسلوں کے ڈبے مدرسہ کو عطا فرمائے۔

جلسہ علیہ مدرسہ تحتانیہ ملہر ضلع گلبرگہ شریف بصدارت نواب میر خورشید علی خاں صاحب بہادر دوم تعلقدار ڈویژن شوراپور منایا گیا۔ مولوی محمد عبدالجبار صاحب سبحانی۔ بی اے۔ بی ٹی ناظر تعلیمات گلبرگہ نے تقریر فرماتے ہوئے چند دلپذیر نصائح بیان کیں۔ اس کے بعد انعامات تقسیم ہوئے بعد ازاں صدر صاحب کی فصیح و بلیغ تقریر ہوئی۔ صاحب ممدوح نے کتب خانہ عام گلبرگہ کے لئے پچاس روپیہ کا عطیہ عطا فرمایا۔ اس پر سے با حوصلہ اشخاص جلسہ مسٹر مانک راؤ تولورکر، مسٹر دتاتریہ راؤ پٹواری) مسٹر بھیم ریڈی مالی پٹیل و مسٹر راگھویندر راؤ پٹواری نے بالترتیب پچیس پچیس روپیہ اور مسٹر نسانے مبلغ دس روپیہ کا نقد چندہ دیا اور جلسہ بدعائے سلامتی حضرت اقدس اعلیٰ، شاہزادگاں بلند اقبال و شاہزادیان ہمایون فال ختم ہوا

فرانسیسی قصبہ عذول کے اطراف واکناف سے مٹی کے برتن اور اینٹیں برآمد ہوئی ہیں جن پر کچھ حروف اور علامات ہیں۔ ماہرین فن آثار قدیمہ کا یہ خیال ہے کہ یہ ۴ ہزار سال قبل مسیح کے حروف تہجی ہیں۔ فرانس کے بعض ماہرین فن آثار قدیمہ ان حروف کی تحقیق میں مشغول ہیں اور امید ہے کہ عنقریب ان کی تحقیقات کے نتائج سے دنیا واقف ہوسکیگی۔

سر جارج نیومن جو کہ انگلستان کے تعلیمی بورڈ کے میڈیکل افسر ہیں اپنی رپورٹ متعلقہ صحت اطفال میں تحریر فرماتے ہیں کہ جنگ عظیم کے بعد کے مدارس کے بچے بہ نسبت ان بچوں کے جو کہ ۱۹۱۳ء میں مدارس میں تھے زیادہ قوی الجثہ اور بلند قامت ہیں مثلاً۔

		۱۹۱۳ء	-	۱۹۲۴ء
اوسط قد انچوں میں	لڑکے	۴۰ - ۷	-	۴۰ - ۴
	لڑکیاں	۴۰ - ۲	-	۴۰ - ۸
وزن پونڈ میں	لڑکے	۴۸ - ۸	-	۳۹ - ۷
	لڑکیاں	۴۷ - ۸	-	۴۸

اور بقول سر جارج کے ایک چودہ سالہ لڑکا جو اب مدرسہ سے خارج ہوتا ہے تو بہ نسبت اس چودہ سالہ لڑکے کے جو ۲۰ سال قبل خارج ہوتا تھا جسمانی حالت کے نظر کرتے ہر طرح بہتر پایا جاتا ہے۔ اور سر جارج نے اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ اب اہل انگلستان کو کھیل ہوا کے فوائد بخوبی معلوم ہو گئے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔

مسٹر لارنس (عمر ۵۰ سال) تاجر نے ۲ لاکھ ۵۰ ہزار پونڈ حکومت کو اس غرض سے دیے ہیں کہ نیو یارک میں عورتوں کے لئے ایک کالج قائم کیا جائے اور اس میں عورتوں کو عورت سکھلایا جائے تاکہ وہ شادی بیاہ کے قابل ہوں اور آج کل جو عورتوں میں مردانہ پن اور بے باکی پیدا ہو گئی ہے اس کا انسداد ہو جائے۔ کالج میں حسب ضرورت فنون کی تعلیم دو سال کے لئے دی جائے گی اور نصاب ایسا ہو گا جو عورتوں کو اپنے آپ معاش پیدا کرنے کے قابل کر دے گا لیکن ساتھ ہی ان کے زن اور نزاکت وغیرہ کو برباد نہ کرے گا۔

لیمیڈی کے ٹھاکر صاحب نے بنارس یونیورسٹی کو انجینیرنگ کے تین سو طلبا کے لئے ایک علیحدہ دار الاقامہ تیار کرنے کی غرض سے ایک لاکھ روپیہ کا عطیہ دیا۔

بتاریخ ۵ جنوری پونہ میں خواتین ہند کی کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدر جناب مہارانی صاحبہ ریاست بڑودہ تھیں۔ انعقاد کانفرنس خواتین ایک مبارک فال ہے اس کے مباحث ہر حیثیت سے قابل غور ہیں۔ اس کی مجوزہ و منظورہ تحریکات قابل عمل ہیں۔

مہارانی صاحبہ کا خطبہ ایسا پر مغز ہے کہ ہم اس کو کلیتاً کسی آئندہ اشاعت میں شایع کریں گے۔ اس وقت ہم چند اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ امور پیش کردہ پر جس قدر بھی غور کیا جائے گا کم ہے۔ سب سے اول مہارانی صاحبہ نے نہایت پر زور الفاظ میں یہ فرمایا کہ

کم عمری کی شادی طبقہ اناث کی تنہ میں ان ... ور قوانین فطرت کے منشار کے خلاف ہے
اس لئے اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے آئندہ نسل پر مغرطاقتور اور باہمت ہو تو ہم کو یک لخت
اس کہنہ مرض ... اس رسم کو ترک کر دینا چاہیے۔ اس کے بعد ممدوحہ نے پردہ کو بھی بے
ضرورت اور نقصان رساں بتلا کر اس کے ترک کرنے کا مشورہ دیا۔ اور ترکی خواتین کی مثال
دیتے ہوئے جرأت سے کام لینے کی ہدایت فرمائی۔

خیالات بالا سے شاید یہ گمان ہو کہ مہارانی صاحبہ جو یورپ کا کئی مرتبہ
سفر فرما چکی ہیں مغربی رنگ میں رنگ گئی ہیں لیکن اس کی تردید ان کی اس تجویز سے ہوتی ہے
کہ مغرب کے عام رجحان کے خلاف وہ چاہتی ہیں کہ مرد و عورت کو علیحدہ علیحدہ تعلیم ان کی
خاص ضروریات زندگی کے مدنظر دی جائے۔

مہارانی صاحبہ نے لڑکیوں کی جبری تعلیم پر بہت زور دیا۔ انہوں نے بیان
فرمایا کہ اس اہم مسئلہ پر کافی غور نہ کرنے سے بہت قیمتی وقت ضایع ہو چکا ہے مزید تاخیر
نہایت نامناسب ہوگی ہر بہی خواہ کو چاہئے کہ جبری تعلیم کے فوائد کی تشہیر کرکے جبری
تعلیم کا جلد نفاذ کرانے کی جد و جہد کرے۔

ٹائی فائڈ کا بخار اکثر جانوں کو ہلاک کرتا ہے۔ لیکن اس وقت تک کوئی مجرب نسخہ
تیار نہیں ہوا تھا۔ پیرس کے ایک ڈاکٹر نے اعلان کیا ہے کہ اسی بخار کے مردہ جراثیم نگلنے سے
انسان اس مہلک بخار کے حملہ سے محفوظ ہو سکتا ہے ڈاکٹر صاحب کے اس نسخہ کا تجربہ بمقام ... کیا گیا تیس ہزار کی آبادی میں سے تقریباً بیس ہزار نے ٹائی فائڈ کے مردہ جراثیم نگل لئے
تاہم پچاس آدمی اس بخار سے متاثر ہوئے لیکن ان میں سے سینتالیس کو علاج کرانے تک کی
ضرورت نہیں ہوئی اس دوا کے استعمال سے قبل سینکڑوں آدمی ٹائی فائڈ سے ہلاک ہوتے تھے۔

ڈاکٹر مکارسین نے بیان کیا ہے کہ خراب یا ناکافی غذا اکثر امراض کا باعث ہے انہوں نے ہندوستان کے شفا خانوں میں نو کروڑ پچاس لاکھ مریضوں کے معائنہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان میں تیس لاکھ سے زیادہ مریض صرف خراب یا ناکافی غذا کی وجہ سے بیمار تھے۔ ان کی رائے ہے کہ ہندوستان میں عمدہ دودھ کے انتظام اور نسل چوپایہ کی ترقی کی سخت ضرورت ہے۔

اس سال بمبئی یونیورسٹی سے مس کامگا نے ایم ایس سی کی ڈگری بدرجہ اول حاصل کی یہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے ہندوستان میں یہ اعزاز حاصل کیا۔ آپ کو یونیورسٹی کی جانب سے اس کامیابی کے صلہ میں ایک تمغہ دیا گیا۔

ایک خبر ملی ہے کہ حکومت بنگال عنقریب چند وسطانیہ مدارس میں زراعتی تعلیم جاری کرے گی۔ ہر مدرسہ سے متعلق چند ایکڑ زمین کاشت کے لئے مخصوص کر دی جائے گی اور طالب علموں کو قطعات اراضی عملی کام سیکھنے کے لئے دئے جائیں گے مدرسین کو ڈھاکہ میں زراعت کی تعلیم دے کر ان مدارس کے لئے تیار کیا جائیگا

ہندوستان کے افلاس کے متعدد اسباب بیان کئے جاتے ہیں۔ اہل یورپ کا خیال ہے کہ ہندوستانی سست و کاہل اور غیر مہذب ہیں جدید ترین ایجادوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے اس لئے روز بروز وہ متمدن قوموں سے پیچھے ہوتے جاتے ہیں جس کے باعث ان کا افلاس بڑھتا جاتا ہے لیکن ہماری رائے میں ہندوستان کے افلاس کے اسباب ہندوستان ہی کے اہل دماغ سے دریافت کرنا زیادہ مناسب ہے۔

تاریخی و جغرافیائی اٹلس ممالک سرکار عالی

اس اٹلس میں ملک سرکار عالی اور اس کے جملہ اضلاع و نیز پائیگاہوں و مستانات اور ملک برار کے نقشہ جات نہایت صحت کیساتھ طبع ہوئے ہیں اور ہر نقشہ کے محاذی پورے صفحہ پر اسکے متعلقہ جغرافی معلومات بالتفصیل درج کئے گئے ہیں ناظرین اٹلس ہذا کو آیندہ ہر ایک حصہ ملک کے ضروری جغرافی حالات معلوم کرنیکے لئے کسی مزید جغرافیہ کے ملاحظہ کی ضرورت واقع نہ ہوگی یہ پہلا موقع ہے کہ اس اہتمام کیساتھ ہمارے ملک کا اٹلس طبع ہوکر پیش ناظرین ہوا ہے امید کہ ملک کے قدردان اصحاب اور مدارس کے طلباء و مدرسین اس نادر تحفہ کے طلب کرنے میں عجلت سے کام لیں گے تاکہ موجودہ نسخے ختم ہونے پر انہیں طبع ثانی کا انتظار نہ کرنا پڑے اس اٹلس کی قیمت صرف ایکروپیہ چار آنہ ہے اس اٹلس کو صدر مجلس انتخاب کتب صدر دفتر نظامت تعلیمات سرکار عالی منعقدہ ماہ آبان ۱۳۳۵ف نے کل مدارس سرکار عالی کے کتب خانوں کے لئے منظور فرمایا ہے۔

ملنے کا پتہ — سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر و مالک اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن

اردو نستعلیق ٹائپ میں

روح جاپان

نواب مسعود جنگ بہادر

کا

وہ معرکۃ الآرا لکچر جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے

اردو نستعلیق ٹائپ میں "چھپنا قابل دید ہے" نستعلیق ٹائپ بھی تک تیار نہیں ہوا تھا لحاظ طباعت روح جاپان ایک یادگار کتاب ہے اور ضرور سبھی جاپان کی روح کی تصویر ہے اس طرح یہ رسالہ آنکھ اور دماغ دونوں کی تبہر ضیافت ہے قیمت (۴؎) عہ محصول ڈاک

وفتر رسالہ المعلم بلگرامی مقیم حال حیدرآباد دکن سے طلب کیجیے

پہلوں کا عمدہ

مرتبہ سجاد مرزا ایم اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات صوبہ برار

(داخل نصاب سررشتۂ تعلیمات صوبۂ متوسط و برار)

(اقتباس از چند آرا)

ڈاکٹر سر محمد اقبال (اقبال) جہاں تک میں اندازہ کر سکا ہوں آپکا قاعدہ صحیح علمی اصول پر مبنی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپکا مجوزہ طریق بچوں کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا۔ میں بھی انشاء اللہ اپنے بچے پر اسکا تجربہ کرونگا

مولوی سید علی اکبر صاحب بی۔ اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات بلدہ آپکا قاعدہ دیدہ زیب ہے اور چھوٹے لڑکے لڑکیوں کا دل لبھاتا ہے میرا لڑکا جس کی عمر تقریباً پانچ برس کی ہے آپ ہی کا قاعدہ پڑھ رہا ہے اور اس قاعدہ کو اس قدر پسند کرتا ہے کہ اس کے خراب ہونے کے ڈر سے دوسرا کو چھونے تک نہیں دیتا۔ اگر بچوں آپکی ہدایات کے مطابق احتیاط سے عمل کریں تو بیشک آپ کا قاعدہ جماعت صغیر کے طلباء کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔

مسٹر اینگلر صاحب صدر مہتمم مدارس نسوان حیدرآباد دکن میں نے از خود آپ کا قاعدہ خرید لیا اور میرا ارادہ ہے کہ اس کو اپنے تمام مدارس میں رائج کردوں۔

مولوی فیروز الدین صاحب مراد پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ آپ کا قاعدہ بہت عمدہ اور دلچسپ ہے افتتاح یونیورسٹی پر میں اسکو یہاں کے مدرسہ میں رائج کرنے کی کوشش کروں گا۔

یہ قاعدہ جو اپنی آپ نظیر ہے اور صوبہ متوسط و برار میں داخل نصاب ہو چکا ہے ہمارے ڈپو سے بقیمت ۴ رنی نسخہ ملسکتا ہے۔ مدارس و تاجران کتب کو مناسب کمیشن دیا جاتا ہے۔ ہمارے بک ڈپو میں نہایت عمدہ انگریزی کتب و بچوں کی دلچسپی کے تعلیمی کھیل واسٹیشنری کا سامان عمدہ اور ارزاں موجود ہے سنہ ۱۹۲۶ء کے عجیب و غریب کیلنڈر دلکش و گلدار تصاویر و پوسٹ کارڈ کا بہترین ذخیرہ ہے

دی حیدرآباد بک ڈپو چادرگھاٹ حیدرآباد دکن

ج س ع ۲۱ ۷۰۶ رج ان گ ریم ۲۰۶

جلد سوم

المعلم

ماہ اردی بہشت سنہ ۱۳۳۶ ف

مدیر ..... محمد سجاد مرزا۔ یم۔ اے (کنٹب)

شریک مدیر محمد عظمت اللہ خاں۔ بی۔ اے

اعظم اسٹیم پریس چارمینار

حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہوں گے سیاسی اور مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوا کرے گا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہوں گے ان کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (بہ) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائے گی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ پانچ آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائے گا۔

(۷) جو بطلب امور کئے جائیں ان کا رڈ وصول ہونا چاہئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہیگی

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے رقم وصول ہونے پر اشتہار طبع کئے جائیں گے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	۵	۸ر ۲	۸ر ۱
سہ بار	۱۲	۸ر ۷	۸ر ۴
ششماہ	۲۰	۱۲ر ۸	۸ر ۷
سالانہ	۳۶	۲۰	۱۲ر ۸

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ موسومہ شریک مدیر پتہ ذیل پر ہونی چاہئے۔

محمد عظمت اللہ خاں بی۔ اے۔ شریک مدیر

دفتر رسالہ المعلم بلگرامی ہوز سانچہ توپ

حیدرآباد دکن

زیر سرپرستی ریاست
المعلم

فہرست مندرجات

(۱) انجمن ترقی اردو کا اہم فرض	از مولوی محمد عزیز مرزا صاحب مرحوم اے سابق معتمد امور عامہ سرکار عالی و وکیل صیغہ عدالت	(۱ تا ۱۰)
(۲) تقریر جلسہ سالگرہ مدرسہ نظامیہ بیدر	از مولوی محمد حسین صاحب ایم اے۔ بی ای ٹی صدر مدرس نظامیہ بیدر	(۱۰ تا ۱۶)
(۳) ترانگ گان کا زراعتی مدرسہ	از مولوی عبدالجبار صاحب خانصاحبانی بی اے بی ٹی ناظر مدارس گلبرگہ	(۱۶ تا ۱۹)
(۴) خطبہ صدارت کانفرنس تعلیمی پنجاب	از جناب سر جارج انڈرسن صاحب ناظم تعلیمات پنجاب	(۲۰ تا ۳۳)
(۵) مدارس سرکار عالی اور ورزش جسمانی	ایک مدرس	(۳۳ تا ۳۷)
(۶) تبصرہ	شریک مدیر	(۳۷ تا ۴۱)
(۷) شذرات		(۴۱ تا ۴۸)

جلد سوم | بابتہ ماہ اردی بہشت سنہ ۱۳۳۶ ف | نمبر ۹

انجمن ترقی اردو کا اہم فرض

میرے والد ماجد مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم و مغفور معتمد امور عامہ سرکار عالی نے جو زرین خیالات اردو زبان کی ترقی کے متعلق ایک ربع صدی قبل ظاہر فرمائے تھے وہ دور جدید کی جدوجہد کے مدنظر کچھ ایسے دلچسپ اہم اور سبق آموز ہو گئے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ ان کی اشاعت جس قدر المعلم کے لئے باعث عزت ہے اسی قدر ان کا مطالعہ ناظرین کے لئے مفید و سود مند ہوگا۔ مدیر

اردوئے معلّیٰ کے پہلے نمبر میں [illegible] سید الیچ علی صاحب [illegible] انجمن ترقی اردو کو اُس کے اُن فرائض کی طرف توجہ دلائی ہے جو زبان کے متعلق اس پر عاید ہوتے ہیں اگرچہ یہ فرائض بھی اہم فرائض ہیں لیکن تجارت کی ترقی کاروبار کی زیادتی خلوص کی محبت اور یکرنگی اور وسائل آمدورفت کی سہولت نے مختلف حصوں کے باشندوں میں میل جول کو اس قدر ترقی دی ہے کہ زبان کی خود بخود اصلاح ہوتی چلی جاتی ہے اور عنقریب وہ زمانہ آجائے گا کہ سب لوگوں کی زبان کم و بیش یکساں ہوجائے گی اور محاورہ اور تلفظ کے اختلافات باقی نہ رہیں گے اور اس مقصد کے حاصل ہونے میں اخبارات اور علمی رسالوں کی اشاعت اور ناولوں کی کثرت اور خاصکر شاعری کا عام رواج جو خواہ نخواہ درستی زبان کی طرف متوجہ کرتا ہے بڑا حصہ لے رہے ہیں۔ پس اتنی ضرورت بالفعل اس کی نہیں ہے کہ اصلاح زبان کی طرف توجہ کی جائے جتنی ضرورت اس امر کی ہے کہ اس مشرقی زبان کو اس مغربی علوم کی اشاعت کا آلہ بنایا جائے جنہوں نے یورپ کو یورپ بنا رکھا اگرچہ کثرت اشاعت تعلیم کی وجہ سے اب زبان اردو کی نسبت یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اس میں کسی قسم کا علمی سرمایہ موجود نہیں ہے بلکہ تقریباً کوئی فن ایسا باقی نہیں ہے جس پر بعض کتابیں تالیف یا ترجمہ نہ ہوچکی ہوں اور پھر بھی اس وقت تک کوئی مستقل اور باقاعدہ کوشش اس امر کی نہیں کی گئی ہے کہ مغربی علوم کو مشرقی لباس سے آراستہ کیا جائے اور اسی وجہ سے اس وقت تک ملک میں اس قسم کے علوم و فنون کا کوئی خاص مذاق پیدا نہیں ہوا ہے۔ اور ایک شخص بھی ایسا نہیں نکلا ہے جس نے ترجمہ سے گزر کر بطور خود ہی کوئی تصنیف کی ہو۔ اس کے اسباب زیادہ تر یہی معلوم ہوتے ہیں کہ ایک تو اس قسم کے ترجمے اس وقت تک شخصی مرضی پر منحصر رہے ہیں یعنے جس نے چاہا بلا لحاظ اس کے کہ اس میں صلاحیت ہے یا نہیں اس کام کو خواہ شہرت خواہ نفع ذاتی کے شوق میں انجام دیا۔ دوسرے چونکہ پہلے سے اصطلاحیں مقرر ہوچکی تھیں اس لئے جس نے جو الفاظ مناسب

سمجھے استعمال کئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترجمے عموماً خبط اور بے ربط ہو گئے اور ایک ناواقف شخص کے لئے ان کا سمجھنا دشوار ہو گیا۔ غرض کہ انہیں وجوہ سے ملک میں مغربی علوم و فنون کی اشاعت میں جس پر دنیوی ترقی کا دارومدار ہے مطلق کامیابی نہیں ہوئی ہے اور اب ان خرابیوں کا رفع کرنا اور ایسے وسائل کا بہم پہونچانا جو ہمیں راستہ کی دشواریوں سے محفوظ رکھکر ہماری رہنمائی منزل مقصود تک کر سکیں ضروری ہے سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ علوم و فنون جدیدہ کے متعلق اصطلاحات ابھی تک قائم نہیں ہوئے ہیں اور اسی وجہ سے اگر کوئی شخص ترجمہ یا تالیف کی طرف توجہ بھی کرتا ہے تو اس کی محنت رائگاں جاتی ہے پس اصطلاحات علمیہ کا قائم کرنا سب سے پہلا فرض ہے تاکہ وہ آیندہ ترجموں کے لئے کارنامہ ہدایت کا کام دے سکیں۔

اگر تاریخ تمدن اسلام کے ابتدائی صفحوں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب خلفائے عباسیہ کے عہد میں فلسفہ اور تمدنی ترقی کے ساتھ علمی ترقی کی طرف میلان ہوا تو ابو جعفر المنصور اور ہارون الرشید نے ایک محکمہ بنام دار الترجمہ قائم کیا اور اس کے ذریعہ سے علوم قدیمہ کی اعلیٰ کتابوں کا ترجمہ زبان عربی میں کر دیا گیا۔ اگرچہ یہ ممکن تھا کہ مختلف کتابوں کا ترجمہ مختلف اشخاص سے کرایا جاتا جیسا کہ بعض خلفائے بنی امیہ کے زمانہ میں ہوا تھا لیکن اس کام کے لئے ایک خاص محکمہ قائم کرنے سے یہی مقصود معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں فنون کی اصطلاحات کا قرار داد ہو جائے اور تمام ترجمے ایک ہی اصول پر ہوں ورنہ ظاہر ہے کہ ایک شخص کچھ اصطلاحات قرار دے اور دوسرا کچھ ایک مترجم ایک اصول پر ترجمہ کرے اور دوسرا دوسرے اصول پر اس قسم کے ترجمے ترقی معلومات و صحت خیالات کی بجائے پریشانی و ضیاع کا موجب ہوتے اس میں شک نہیں جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے اردو میں اس وقت بھی مختلف علمی کتابوں کے ترجمے موجود ہیں لیکن وہ چونکہ مختلف اشخاص نے اپنی رائے اور اپنے اپنے خیالات کے بموجب کئے ہیں اس لئے نہ صرف محض اردو داں

لوگوں کا سمجھنا دشوار ہے بلکہ اسی وجہ سے ان سے ملک کے عام ذخیرہ معلومات میں کوئی معتد بہ اضافہ نہ ہو سکا اور علمی طور پر ہم ابھی تک وہیں ہیں جہاں کہ پہلے تھے۔

فرانس کو جو تفوق کہ دوسرے اقوام پر بلحاظ ترقی علم و ادب حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے اور اس کے اسباب پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارویں صدی میں زبان کی درستی علم و ادب کی ترقی اور علوم و فنون کے صحیح اصول پر رواج دینے کے لئے شاہی فرمان کے ذریعہ ایک جماعت بنام رائل اکاڈمی مقرر ہوئی جس کے ارکان کی تعداد چالیس قرار پائی اور ابتداً ان میں انہیں لوگوں کا تقرر کیا گیا جو کسی نہ کسی فن میں کامل دستگاہ رکھنے کے لحاظ سے تمام ملک میں ممتاز تھے اور آیندہ کے لئے یہ قاعدہ قرار پایا کہ اگر کسی رکن کی جگہ کسی وجہ سے خالی ہو تو اس کے لئے دوسرے ارکان کی رائے سے انتخاب ہو۔ اس جماعت نے علمی مرحلوں کو ایسی آسانی سے طے کیا اور میدان ترقی میں ایسے صاف اور کشادہ راستے کھولدئے کہ بنائے قوم نے ہر قسم کے علمی مشغلوں میں مصروف ہو کر قوم کو چند ہی روز میں نصف النہار کمال پر پہونچا دیا اور اس کی رکنیت خلعت بقائے دوام سمجھی جانی لگی چنانچہ آج تک اس کے ارکان چالیس زندگان جاوید کہلاتے ہیں۔ اس جماعت کی بڑی کامیابی کا سبب یہی تھا کہ اس نے سب سے پہلے علمی اصول پر زبان کی ایک بسیط فرہنگ مرتب کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الفاظ کے معنے جو عام اذہان میں غیر معین اور مذبذب سے ہو رہے تھے اور گو عام طور پر لوگوں کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے مگر بہت کم لوگ ان کے صحیح معنے اور استعمال سے واقف تھے معین اور یقینی ہو گئے۔ اصطلاحات علمیہ محدود کی گئیں اور ملک کے مختلف حصوں میں جو زبان میں اختلافات تھے وہ مٹائے گئے اس طریقہ سے زبان کو اس قابل بنایا گیا کہ اس کو ذریعہ اشاعت علوم و فنون بنایا جا سکے اور اس کے ساتھ اکاڈمی کی طرف سے ہر علم میں ایک ضخیم کتاب بطور دائرۃ المعارف کے تیار کرائی گئی جس میں نہ صرف تمام عالم کی

تاریخ نہایت محققانہ طور پر لکھی گئی بلکہ اس میں تمام علوم قدیمہ و جدیدہ کو بھی جگہ دی گئی اور ہر علم و فن کو اسی حد تک پہونچا دیا گیا جہاں تک کہ اس میں تاریخ اشاعت تک ترقی ہوئی تھی اس ذریعے سے آیندہ کی بنیاد مستحکم طور پر پڑ گئی اور اس کا جیسا عمیق اثر تاریخ تمدن یورپ پر پڑا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ فرانس جس کے تمام قوائے روحانی و دماغی کو تقلید مذہبی اور شخصی حکومت کے دباو نے بالکل معطل کر دیا تھا اس کو علوم جدیدہ کی زہر شگاف آواز نے صدیوں کی گہری نیند سے بیدار کر کے اپنے پاؤں کے بل کھڑا کر دیا اور فرانس ایک ہی جھٹکہ میں ان مضبوط زنجیروں کو توڑ کر دنیوی ترقی میں قدم آگے بڑھانا شروع کیا۔ یا تو یہ کیفیت تھی کہ ہر شخص قوم کو خدا سمجھ کر اس کے ہر ایک اشارہ پر عمل کرتا تھا یا اب ان علوم جدیدہ کی بدولت۔

پس اگر ہی خواہان انجمن ترقی اردو کی خواہش ہے کہ ان کی انجمن بھی فرنچ اکاڈمی کے طور پر مفید ملک ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ ایسے ہی تدابیر اختیار کریں جن کا اثر اس قدر مفید عمیق اور دیرپا ہو اور اس کی صورت یہی ہے کہ زمانہ جو شور و واویلا ایک عرصہ دراز سے کر رہا ہے اس کی سنیں اور نہ صرف سنیں بلکہ اس پر عمل بھی کریں اگرچہ یہ کام بظاہر مشکل ہے کیونکہ ایک آدھ چیز ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے جو دراصل اس قسم کے تمام ترقیوں کے لئے خصوصاً ابتداء زمانہ میں لازمی ہے یعنے فوجی سلطنت جس کی ادنیٰ توجہ خشک ویرانوں کو لہلہاتے ہوئے سبزہ زار بنا دیتی ہے دوسرے اس وقت تک ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگوں نے قدیم مذاق کے بموجب علم و ادب و فلسفہ کے خوشگوار دلچسپیوں کے مقابلہ طبیعیات و ریاضیات کے سنگلاخ اور وقت طلب گھاٹیوں کو طے کرنے کی محنت نہیں کی ہے اور اس میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے جو علمی ترجموں کی دقتوں پر بآسانی غالب آسکتے ہیں۔ تیسرے علوم جدیدہ کا عہدگی سے ترجمہ کرنے کے لئے علوم قدیمہ سے واقف ہونا لوازمات سے ہے۔ کیونکہ بغیر اس کے

نہ انسان اصطلاحات علمیہ پر حاوی ہو سکتا ہے اور نہ کسی علمی مضمون کو آسانی وصحت کے ساتھ اپنی زبان میں ادا کر سکتا ہے اور گو ایسے لوگ کچھ ہیں بھی جو علوم جدیدہ سے کم وبیش واقفیت رکھتے ہیں مگر ایسے لوگ تقریباً معدوم ہیں جو علوم جدیدہ وقدیمہ دونوں کے ماہر ہوں۔ چوتھی دقت اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ گو تعلیم یافتہ لوگوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے لیکن وہ کسب معاش کے دقتوں اور تکالیف حیات کے مقابلہ میں ایسا مصروف ہے کہ اطمینان خاطر کے ساتھ اس کام کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ اور ملک کی جہالت پر نا قدردانی کا یہ عالم ہے کہ اگر اعلیٰ سے اعلیٰ قابلیت کا شخص بھی مشاغل علمی کو اپنا ذریعہ معاش بنانا چاہے تو چند ہی روز میں وہ اور اس کے عیال واطفال بغیر قحط کے فقر وفاقہ کے نذر ہو جائیں گے۔ لیکن جس طور پر یہ دقتیں اس کام کی دشواری کو ثابت کرتی ہیں اسی طور پر اس امر کی ضرورت بھی بتاتے ہیں کہ یہ کام کسی ایک شخص کے کرنے کا نہیں ہے بلکہ قوم کے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی متفقہ کوششوں کا مستحق ہے پس اگر انجمن ترقی جس کے ارکان میں اعلیٰ سے اعلیٰ قابلیت کے لوگ شریک ہیں اور ہوتے جاتے ہیں اس کام کا بیڑا اٹھائیں اور جیسا خلوص اور خوشی سے اس وقت تک کام کرتے رہے ہیں اسی طرح اس اہم کام کی طرف بھی متوجہ ہو تو گو اس میں شک نہیں کہ ابتدا میں سخت دقتیں پیش آئیں گی لیکن بالآخر کامیاب ہونے میں شک نہیں ہے۔

اب تھوڑی دیر کے لئے اس امر پر غور کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ اہم کام کیونکر انجام پا سکتا ہے بظاہر اس کے تین طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جملہ اصطلاحات کا ترجمہ اپنی زبان میں خواہ مترادف الفاظ موجود ہوں یا نہ ہوں کیا جائے۔ دوسرے جن الفاظ کا ترجمہ اپنی زبان میں بآسانی ممکن ہو ان کا ترجمہ کیا جائے اور جن الفاظ کا ترجمہ ایک لفظ میں نہ ہو سکے وہ اصل الفاظ خواہ اسی شکل سے یا شکل بدل کر لے لئے جائیں

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ تمام اصطلاحات بجنسہ اپنی زبان میں منتقل کرلیے جائیں۔ ان تینوں طریقوں پر علیحدہ علیحدہ بحث کرنے سے پیشتر اس امر کا بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کس قسم کے الفاظ کا بطور اصطلاح استعمال کرنا مناسب ہوتا ہے۔ سب سے پہلی شرط تو یہ ہے کہ وہ پورے طور پر اصطلاح کا مفہوم ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ دوسرے معنی میں مستعمل نہ ہوتے ہوں تیسرے عامیانہ یا بازاری نہ ہوں مگر اس کے ساتھ بالکل اجنبی اور غیر مانوس بھی نہ ہوں تیسرے عرف عام میں ان کے معنی کسر کا پہلو لیے ہوئے نہ ہوں۔ چوتھے بلحاظ تلفظ و موقع استعمال ایسے خاندار اور بازاری بھرکم ہوں کہ ان کا استعمال متانت علمی کے خلاف نہ ہو۔ اگرچہ ایک پانچویں شرط بھی قائم کی جاسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ کثیر الاستعمال نہ ہوں لیکن میرے خیال میں یہ شرط زائد از ضرورت ہے کیونکہ اگر کوئی لفظ کسی اصطلاح علمی کا صحیح تصور ادا کرنے کی قابلیت رکھتا ہو اور اس میں مندرجہ بالا عیوب بھی نہ ہوں تو اس کا کثیر الاستعمال ہونا مزید مقبولیت ہوگا نہ کہ اس کے خلاف۔ پس اگر اس معیار سے ترجمہ کے پہلے طریقہ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس طریقہ پر عمل آوری سخت دشوار بلکہ ناممکن ہے اور اگر ایسے کوشش کی جائے گی تو زبان میں عجیب عجیب پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔

دوسرا طریقہ وہی ہے جو قدیم دار الترجمہ بغداد میں اختیار کیا گیا تھا یعنے جس اصطلاح کا مفہوم اپنی زبان کے کسی لفظ میں ادا کرنا ممکن ہوا یا کسی قدیم مصدر سے بلحاظ قواعد اشتقاق کوئی نیا لفظ بنانا ممکن ہوا تو اسی کو استعمال کیا گیا مگر جس اصطلاح کا تصور اپنی زبان کے کسی ایک لفظ میں ادا نہ ہوا تو قدیم یونانی لفظ کو عربی قالب میں ڈھال کر شریک زبان کرلیا۔ تیسرا طریقہ وہ ہے جو حال کے زمانہ میں مصر اور قسطنطنیہ میں اختیار کیا گیا ہے کہ بلا لحاظ اس امر کے کہ کسی اصطلاح کا ترجمہ اپنی زبان میں ممکن ہے یا نہیں غیر زبانوں کے الفاظ بجنسہ عربی میں شریک کرلئے گئے ہیں

یہاں تک کہ تعریب کی بھی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ ہمارے خیال میں جس طرح کہ پہلے طریقے سے قابل مضحکہ پیچیدگیاں پیدا ہوں گے اسی طرح آخری طریقے سے ایسے ایسے اجنبی اور غیر مانوس الفاظ زبان میں شریک ہو جائیں گے کہ نہ صرف ان کے تلفظ میں عام لوگوں سے ہنسی کے قابل غلطیاں ہوں گی بلکہ ان کا یاد رکھنا بھی مشکل ہو گا اور اس لئے دوسرا طریقہ ہی سب سے بہتر ہے۔ اس میں بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ علوم قدیمہ میں جو اصطلاحات قائم ہو چکے ہیں وہ علوم جدیدہ کے ترجمہ میں جہاں تک کہ آسانی سے ممکن ہو بجنسہ استعمال ہو سکتے ہیں اور جہاں تک کہ قاعدہ اشتقاق مدد دے نئے الفاظ بھی تراشے جا سکتے ہیں البتہ جن اصطلاحات کا مفہوم ہماری زبان میں ادا نہ ہو سکے ان کے لئے غیر زبانوں کے الفاظ کا استعمال ہو سکتا ہے چنانچہ انگریزی میں بھی یہی طریقہ ہے کہ جب کسی نئی اصطلاح کے قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو یا تو کسی مروج لفظ کو محدود کر دیتے ہیں یا قدیم یونانی زبان سے بقاعدہ اشتقاق نیا لفظ گھڑ لیتے ہیں۔ زبان اردو عجیب معجون مرکب ہے اور عربی میں تو اجنبی الفاظ داخل کرنے تعریب کی بھی ضرورت نہیں مگر اردو میں یہ آسانی ہے کہ بے تکلف ہر زبان کے الفاظ بہئیت اصلی داخل ہو سکتے ہیں اب اگر اس معیار کے لحاظ سے دیکھا جائے جو ہم نے مصطلحات علمیہ کے لئے قائم کی ہے تو معلوم ہو گا کہ کیا بلحاظ ادائے مفہوم اور کیا بلحاظ قدرت و خصوصیت استعمال اور کیا بلحاظ متانت و شوکت و نیز کیا بلحاظ اس امر کے پہلے سے وہ اس کام میں آتے رہے ہیں عربی الفاظ ہی اصطلاح بننے کی سب سے زیادہ قابلیت رکھتے ہیں البتہ یہ ممکن ہے کہ زبان سنسکرت کے جو الفاظ زیادہ غیر مانوس اور اجنبی نہ ہوں یا ہندی میں شریک ہو کر بالکل ہی سوقیانہ نہ ہو گئے ہوں وہ بھی بوقت ضرورت لئے جائیں۔ عربی اور سنسکرت کے الفاظ میں بڑی خوبی یہ ہے کہ عام طور پر اس طرح زبان زد خاص و عام بھی نہیں ہیں کہ ان کے معنے کچھ سے کچھ ہو گئے ہوں یا

ناعوام کے اذہان میں ذم یا تضحیک کا پہلو لئے ہوئے ہوں برخلاف اس کے اگر خالص اردو یا فارسی یا ہندی الفاظ کا استعمال کیا جائے گا تو وہ اس نقص سے بری نہ ہوں گے کیونکہ برخلاف ان زبانوں کے عربی اور سنسکرت علمی زبانیں ہیں۔

اب ہم اس امر پر بھی کسی قدر توجہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرنا مناسب ہوگا۔ ہمارے خیال میں جس طرح پر کہ یونی ورسٹی کی جماعت انتظامی یا سنڈیکیٹ کے مختلف طبقے ہوا کرتے ہیں یعنے ایک طبقہ علم و ادب کے لئے مخصوص ہوتا ہے کوئی تاریخ کے لئے کوئی طب اور کوئی ریاضیات و فلسفہ کے لئے اسی طور پر انجمن ترقی اردو کے بھی مختلف طبقے ہونی چاہئے خاصکر ایک طبقہ علوم جدیدہ کے متعلق ہونا چاہئے جس میں وہ سب ارکان شریک ہوں جو ان علوم کے ماہر سمجھے جا سکتے ہیں یا ان میں خاص دلچسپی رکھ سکتے ہیں اس طبقہ میں بعض ایسے لوگ بھی شریک ہونے چاہئیں جو علوم قدیمہ میں کامل دستگاہ رکھتے ہوں۔ اس طبقہ کا کام ہوگا کہ خواہ اپنی جماعت سے خواہ دوسرے طور پر ہر فن کے لئے ترجموں کا انتخاب کرے اور ان مترجموں کا سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنے فن کے اصطلاحات کا ترجمہ کرکے پیش کریں اور اس ترجمہ پر ارکان طبقہ علمی کو دو پہلوؤں سے غور کرنا چاہئے اولاً یہ کہ آیا جو الفاظ بطور اصطلاح کے استعمال کئے ہیں وہ اس معیار کے لحاظ سے مناسب ہیں جو ایسے تراجم کے لئے ضروری ہیں اور جس کی مختصر سی توضیح ہم نے پہلے بھی کی ہے۔ دوسرے یہ کہ آیا علوم قدیمہ سے وہ اصطلاحیں اخذ کی گئی ہیں جن کا اخذ کرنا ممکن تھا اور جب ارکان طبقہ ان دونوں پہلوؤں سے غور کرلیں تو خود کتابوں کا ترجمہ شروع کیا جائے۔ ان کے آخر میں ایک فرہنگ لگا دی جائے جس میں اس فن کے تمام اصطلاحات سعہ ترجمہ کے درج ہوں تاکہ آیندہ مترجموں کے لئے چراغ ہدایت کا کام کریں۔ یہ بھی ممکن ہے

اس قسم کی فرہنگیں بطور علیحدہ مشتہر کی جائیں لیکن ملک کی عام نا قدر دانی اور بد مذاقی سے امید نہیں ہے کہ اس میں کامیابی ہو سکے۔

تقریر جلسۂ سالگرہ مدرسۂ فوقانیہ بیدر

مدرسہ فوقانیہ بیدر کے سالانہ جلسہ کے موقع پر مولوی محمد حسین صاحب صدر مدرس نے جو تقریر کی وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ مولوی صاحب کے کئی مضامین المعلم میں شائع ہوئے اور بڑی شوق سے پڑھے گئے یقین ہے کہ یہ تقریر بھی ناظرین کے لئے باعث دلچسپی ہوگی۔

شریک مدیر

یہ امر مسلمہ ہے کہ انسان مرکب ہے جسم۔ دماغ اور روح سے۔ ہماری زندگی اسی وقت مکمل کہلا سکتی ہے جب کہ یہ تینوں اجزا یعنی جسم۔ دماغ اور روح علی السویہ نمو یافتہ ہوں۔ اگر ان میں سے کوئی جز خام یا ناقص رہے گی تو ہماری زندگی بھی نامکمل اور ادھوری کہلائے گی کسی انسان کے ذہنی و دماغی قوی ترقی کے کتنے ہی اعلیٰ زینہ تک کیوں نہ پہنچ جائیں۔ وہ کتنا ہی بڑا عالم و فاضل کیوں نہ ہو لیکن اگر اس کی اخلاقی حالت گری ہوئی ہو۔ اگر وہ بداعمال و بدکردار ہو تو وہ انسان نہیں بلکہ شیطان ہے۔ اسی طرح جسمانی قوی کے لحاظ سے کوئی شخص کیسا ہی ہیل تن اور شیر افگن کیوں نہ ہو لیکن اگر اس کے اخلاق اچھے نہ ہوں۔ اگر اس نے سلامت روی اختیار نہ کی ہو تو وہ ایک قوی الجثہ دیو کہلا سکتا ہے لیکن وہ انسان کہلانے کا ہرگز مستحق نہیں ہے۔ اب ہمیں تیسری صورت پر غور کرنا چاہئے۔ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ اس شخص کا کیا درجہ ہے جو جسمانی و ذہنی ترقی سے تو بالکل غافل ہے لیکن جس کے سر میں اصلاح اخلاق و تزکیۂ نفس کا سودا سمایا ہوا ہے۔ معزز حضرات یہ ذرا پیچیدہ مسئلہ ہے۔ لیکن میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ جسمانی و ذہنی ترقی کے بغیر روحانی ترقی ممکن نہیں۔ ذہنی ترقی کے لئے اکتساب علم ضروری شے ہے

لیکن جو شخص علم حاصل کرنے سے جی چرائے، جو جاہل اور بے علم رہنا پسند کرے وہ کبھی خدا کو نہیں پہچان سکتا۔ اسے معرفت الٰہی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ حضرت سعدی شیرازی نے سچ کہا ہے "بے علم نتواں خدا را شناخت"۔ جب اس نے خدا ہی کو نہ پہچانا تو تزکیہ نفس کے متعلق اس کا تمام دعویٰ باطل ہے۔ اسی طرح بغیر جسمانی ترقی کے بھی اصلاح اخلاق غیر ممکن ہے جس شخص کے تمام اعضا و جوارح نحیف و لاغر ہوں۔ جس کی جسمانی صحت اچھی نہ ہو۔ جو تندرستی جیسی نعمت سے محروم ہو۔ جو ہمیشہ بیسیوں امراض کا شکار بنا رہتا ہو۔ وہ نہ تو اپنے دنیاوی فرائض بحسن و خوبی انجام دے سکتا ہے اور نہ وہ اپنے دینی فرائض سے بہ آئین شایستہ عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ نہ وہ ہمسایہ کے حقوق ادا کر سکتا ہے۔ نہ اپنے بھائی بندوں کے کام آ سکتا ہے۔ سوسائٹی و سماج کے لئے اس کا وجود اور عدم وجود دونوں برابر ہے۔ جب وہ بنی نوع انسان کی کچھ بھلائی نہیں کر سکتا تو اصلاح اخلاق کے متعلق اس کا دعویٰ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟ الغرض تکمیل انسانی کے لئے جسمانی۔ ذہنی و اخلاقی تینوں قویٰ کا ترقی یافتہ ہونا ضروری ہے۔

اسلام کے عروج کے زمانہ میں طلبار کے جسمانی۔ ذہنی اور اخلاقی تینوں قویٰ کی ترقی مدنظر تھی۔ اس کی بیسیوں مثالیں تاریخ اسلام سے دی جا سکتی ہیں۔ میں بخوف طوالت صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ وہ بھی مقامی مثال پر کیونکہ دوسرے ملکوں اور دوسرے جگہوں کی مثالیں اتنی موثر و کارگر نہیں ہوتیں جتنی مقامی مثال میں مثال کے طور پر اسی شہر بیدر کو پیش کرتا ہوں۔

اسلامیوں کے عروج کے زمانہ میں بیدر کے طلبار کی ذہنی و اخلاقی ترقی کے ساتھ ساتھ ان کی جسمانی تربیت کا بھی اعلیٰ پیمانہ پر اہتمام کیا گیا تھا۔ اگر ایک طرف مدرسہ محمود گاواں کی رفیع الشان عمارت مع اپنے فلک بوس کنگروں اور میناروں کے تشنہ کامان علم کی پیاس بجھا رہی تھی اور ان کی ذہنی و اخلاقی ترقی کی کفیل تھی تو دوسری طرف اسی شہر بیدر میں طلبار کی جسمانی ترقی و تربیت کے لئے ایک نہیں۔ دو نہیں بلکہ چار چار تعلیم خانے کھلے ہوئے تھے جہاں طلبار کو فن حرب و سپہ گری کی تعلیم دی جاتی تھی۔

ہماری سلطنت و حکومت کے زوال نے لوگوں کے خیالات بھی پست کر دئے تعلیم کا اصلی مقصد فوت ہوگیا۔ اب طلبار کے دماغ میں محض خارجی معلومات ٹھونس دینے کا نام "تعلیم" قرار پایا خواہ یہ معلومات ان کی ذہنی سمائی اور فہم و ادراک سے کتنا ہی بالاتر کیوں نہ ہوں اخلاقی تعلیم سے مراد صرف سلسلۂ دینیات کی کتابوں کا رٹا دینا ٹھہرا اور اس کی مطلق پروا نہ کی گئی کہ طلبار کو عملی طور پر مکارم اخلاق سے کچھ مس ہے یا نہیں لیکن سب سے بڑا غضب تو یہ ہوا کہ جسمانی تربیت کے تمام ذرائع اور وسائل محض لہو و لعب خیال کئے جانے لگے۔ چنانچہ آج اس جلسہ میں بھی بعض ایسے قدیم الخیال لوگ موجود ہیں جو کل کی بازی کی مختلف شرطوں اور اراکین طلیعہ (بائے اسکوٹس) کے مظاہروں کو بے کار لہو لعب سمجھتے ہیں۔ بعض روشن خیال اشخاص اگر انہیں لہو و لعب نہیں تو محض تفریح طبع و تفنن و تفرج کے سامان خیال کرتے ہیں لیکن یہ دونوں طبقہ غلطی پر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں تعلیم کے اہم اجزار ہیں ان کے بغیر تعلیم مکمل نہیں ہوسکتی۔ تعلیم کا مفہوم وسیع ہے۔ اور وہ طلبا کے جسمانی ذہنی و اخلاقی تینوں قوتوں کی ترقی پر حاوی ہے۔

میں نے ابھی تک صرف اسلامی نقطہ نظر سے جسمانی تربیت کی اہمیت بیان کی ہے اب میں آج سے تین ہزار سال قبل کے ہند کی تاریخ پر ایک نگاہ ڈالنا چاہتا ہوں۔ یہ زمانہ تاریخ ہند میں "ایپک ایج" یعنی دور رزمیہ کہلاتا ہے۔ اس زمانہ میں جسمانی صحت۔ جسمانی قوت اور شجاعانہ کارگزاریوں کی بڑی قدر تھی۔ چنانچہ رام چندر جی ارجن۔ بھیم۔ کرشن جی وغیرہ کو توان کی جسمانی قوت بیرپن اور سورمائی کی وجہ سے درجۂ انسانیت سے ترقی دے کر درجہ الوہیت تک پہنچا دیا گیا۔ وہ اپنے غیر معمولی شجاعانہ و مبارزانہ کارناموں کی بدولت دیوتا بن گئے اور ہر جگہ ان کی پرستش ہونے لگی۔ جس ملک میں بہادری کے کارناموں کی قدر و منزلت پرستش کی حد تک پہنچ جائے وہاں مابعد زمانہ میں جسمانی تربیت کے ذرائع و وسائل کو لہو و لعب خیال کرنا کس قدر حیرت کی بات ہے ع "بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است"

اگرچہ جاسوسی گری دفن حرب کے مقابلہ میں فٹ بال۔ ہاکی۔ کرکٹ وغیرہ کے کھیل اور مختلف اسپورٹ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اگرچہ اسلام کی اعلیٰ عملی اخلاقی تربیت کے آگے تحریک طلیعہ اطفال کی کوئی ہستی نہیں ہے تاہم ان کی عدم موجودگی میں یہی چیزیں ارسس غنیمت ہیں۔ معزز حضرات! اخلاقی تعلیم دو طرح کی ہے۔ ایک تو دینیات و اخلاقیات کی زبانی تعلیم جو مدرسہ کے کمروں میں دیجاتی ہے لیکن اس تعلیم کا گہرا اثر طلبار کے دلوں پر منقوش نہیں ہوتا اس تعلیم کی حیثیت ویسی ہی ہے جیسی محراب و منبر کے خطبوں کی ہے۔ ہم واعظوں کے وعظ سنتے ہیں لیکن ہمارے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ہم اس کان سے سنتے ہیں اور اُس کان سے اڑا دیتے ہیں یہی حال اخلاقیات کی زبانی تعلیم کا ہے۔ لڑکوں کو صرف زبانی طور پر نصیحت کرنا کہ سچ بولو۔ والدین کا حکم بجالاؤ۔ کفایت شعار بنو۔ استاد کی خدمت کرو وغیرہ زیادہ موثر نہیں ہوتا۔ ضرورت داعی ہے کہ طلبا کو عملاً مکارم اخلاق کا سرمایہ دار بنایا جائے اور ان میں نیک روی کی عادت پیدا کی جائے۔ لیکن عادت کو زبانی پند و نصیحت سے کوئی سروکار نہیں ہے بلکہ عادت کے لئے مداومت عمل ضروری ہے۔ طلبار کو عملاً نیک بنانے کے لئے تحریک طلیعۂ اطفال بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ کل آپ حضرات کو دو تین کرتبوں کے ذریعہ سے دکھا دیا گیا کہ اسکاؤٹ کس طرح دوسروں کی بھلائی کے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈالتا ہے آتش زدہ مکان کے چھت پر وہ کسطرح کمند کے ذریعہ چڑھ جاتا ہے اپنی جان خطرہ میں ڈالتا ہے لیکن صاحب خانہ کو آرام کے ساتھ نیچے اتار لاتا ہے۔ اسکاوٹ اپنے ذاتی مفاد کو قومی مفاد پر قربان کر دیتا ہے۔ جو کام پولیس تنخواہ لیکر بھی انجام نہیں دے سکتی اُسے اسکاوٹ محض نبی نوع انسان کی ہمدردی کی خاطر انجام دے سکتا ہے۔

تعلیم کا اصل مفہوم اور اس کے تین اہم شعبوں یعنی جسمانی۔ ذہنی اور اخلاقی تربیتوں کی اہمیت و ضرورت بیان کرنے کے بعد میں دکھانا چاہتا ہوں کہ نونہالان چمن کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داریاں اساتذہ کے علاوہ اور کن کن اشخاص پر عاید ہوتی ہیں اور وہ کس طرح ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔

ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے جب کہ علم وفن کسی خاص طبقہ کی میراث سمجھا جاتا تھا قدیم الایام میں براہمہ تمام علوم وفنون کے واحد اجارہ دار تھے چھتریوں کو سوائے لڑائی بھڑائی کے اور کوئی کام نہ تھا۔ ویشوں کی تگ ودو محض تجارت وزراعت تک محدود تھی۔ شودر تو صرف غلامی کے لئے پیدا ہی کئے گئے تھے۔ علم حاصل کرنا تو کجا علمی باتیں سننا بھی ان کے لئے ممنوع تھا چنانچہ اگر وید مقدس کی چند آیات کسی شودر کے کان میں پڑجائیں تو منو کے قانون کے مطابق اس کی سزا یہ تھی کہ سیسہ پگھلا کر اس کے کان میں پلا دیا جائے۔ لیکن اب یہ تمام تنگ خیالیاں دور ہوگئیں۔ ذات پات کی جکڑ بندیاں ڈھیلی ہوگئیں۔ اب ہر شخص اکتساب علم وفن کے لئے آزاد ہے۔ آج کل جمہوریت کا دور دورہ ہے۔ یہ [illegible] ترقی کا زمانہ ہے۔ اب زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں علم وفن کی ضرورت نہیں۔ آج کل ہر شخص کے لئے خواہ وہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ۔ امیر ہو یا غریب۔ دستکار ہو یا ملازم۔ تاجر ہو یا کاشتکار علم کی اشد ضرورت ہے۔ اب وہ زمانہ گیا جبکہ علم وہنر انسان کا زیور یا زیبائش کا سامان خیال کیا جاتا تھا۔ اب علم کا شمار ضروریات زندگی میں ہونے لگا ہے۔ مولانا حالی نے اسی مطلب کو ایک شعر میں اس طرح ادا کیا ہے

گئے وہ دن کہ تھا علم وہنر انسان کا اک زیور ہوئی ہے زندگی خود مختصر اب علم ودانش پر

لہٰذا موجودہ دور میں تعلیم کا مسئلہ ایک قومی مسئلہ ہے۔ ممالک متمدنہ میں ملک کے بہترین دل ودماغ تعلیمی مسائل کی گتھی سلجھانے میں مشغول ہیں۔ اب مسئلہ تعلیم سے صرف معلمین ہی کو سروکار نہیں ہے بلکہ قوم کے ہر فرد کو ہے کیونکہ آج ہر شخص کو اپنی اولاد کی تعلیم مرکوز خاطر ہے اس لئے نونہالان چمن کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری صرف اساتذہ ہی پر عاید نہیں ہوتی بلکہ قوم کے ہر فرد پر یکساں عاید ہوتی ہے۔

تمدن کے ابتدائی دور میں جب کہ ضروریات زندگی بہت کم اور سادہ تھیں ہر شخص اپنی اولاد کی تعلیم کا خود ضامن تھا۔ لیکن تہذیب وتمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ معاشرت بہت پیچیدہ ہوگئی اور ضروریات زندگی بہت بڑھ گئیں اس لئے تقسیم کار کی ضرورت پیش آئی

اب والدین کے پاس اتنا کافی وقت نہ رہا اور نہ والدین میں اتنی استعداد اور صلاحیت ہوتی تھی کہ وہ خود اپنے بچوں کی تعلیم دے سکیں۔ اس لئے تخصیص کار کے وقت لوگوں نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت اساتذہ کے تفویض کر دی جو اس فن کے ماہر تھے۔ معزز حضرات یہاں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس وقت طلبا بالکل گرد یا استاد کے حوالہ کر دئے جاتے تھے وہ انہی کے ساتھ ہر وقت رہا کرتے تھے۔ وہ گرد یا استاد کے گھر کے ایک رکن بن جاتے تھے اور جب تک وہ فارغ التحصیل نہ ہو لیتے ان کو اپنے والدین سے کوئی سروکار نہ ہوتا۔ لہذا اس زمانہ میں تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کلیتہً اساتذہ پر عاید ہوتی تھی۔ لیکن آج کل یہ صورت نہیں ہے۔ آج کل تو صرف چار یا پانچ ساعتوں کے لئے لڑکے مدرسہ بھیجے جاتے ہیں اور بقیہ انیس یا بیس گھنٹے وہ گھر پر والدین کے ساتھ بسر کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری صرف اساتذہ پر نہیں بلکہ اولیائے طلبا پر بھی عاید ہوتی ہے موجودہ طریقہ تعلیم کے مطابق جب تک اساتذہ و اولیائے طلبا میں باہمی تعاون اور اشتراک عمل نہ ہو لڑکوں کی تعلیم مکمل نہیں ہو سکتی۔

اولیائے طلبا کا یہ بھی فرض ہے کہ طلبا کو ٹھیک وقت پر مدرسہ بھیجیں۔ کسی خانگی کام کی وجہ سے انہیں گھنٹہ دو گھنٹہ روک نہ رکھیں۔ مدرسہ شروع ہونے کے پہلے ان کا کھانا وغیرہ تیار کرا دیں ورنہ اگر لڑکوں میں دیر رسی کی عادت پڑ جائے تو آئندہ زندگی میں انہیں بوجہ عدم پابندی وقت اکثر موقعوں پر ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ اولیائے طلبا کا ایک اہم فرض یہ بھی ہے کہ وہ لڑکوں کی حاضر باشی کا خیال رکھیں۔ انہیں کسی میرے یا خلیرے بھائی کی شادی میں شرکت کے لئے دو تین ہفتہ تک گاؤں نہ لے جا کریں۔ ہاں وہ اس قدر پوریاں پکوڑیاں چڑھا جائیں کہ مزید دو ہفتہ رجوع تناولہ ہونا پڑے۔ معزز حضرات یوں تو اولیائے طلبا کے فرائض مختلف النوع اور ان کی ذمہ داریاں پیچ در پیچ ہیں لیکن میں نے جو چند سیدھی اور سادی باتیں بیان کی ہیں اگر وہ انہی کا خیال

رکھیں تو اساتذہ کے تعلیمی کام میں بڑی سہولتیں واقع ہوں گی۔ الغرض جب تک اساتذہ و اولیائے طلبا دونوں اپنی اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہ کریں گے اور دونوں میں مضبوط تعاون اور اشتراک عمل پیدا نہ ہوگا اسوقت تک نونہالان چمن کی تعلیم و تربیت نامکمل رہے گی۔

نرائن گاؤں کا زراعتی مدرسہ

یہ مدرسہ چار حصوں میں منقسم ہے (۱) کارخانہ (۲) کمرہ جماعت (۳) قطعہ اراضی برائے زراعت جس میں باغیچہ بھی ہے (۴) عجائب خانہ۔

(۱) کارخانہ میں باری باری سے اوقات مقررہ پر طلبا لڑکی اور لڑکا کام کرتے ہیں۔ میرے سامنے بچوں نے کھپریا کنٹی جس سے کھیتوں کی مٹی برابر کرتے ہیں بنائی۔ بہت سی چیزیں بچوں کی بنائی ہوئی مدرسہ کے عجائب خانہ میں موجود تھیں جن میں اکثر چیزیں ایسی ہیں جن کی تفصیل بے ضرورت ہے۔ طلبا کی بنائی ہوئی متعدد چیزوں پر منجانب منتظمین نمائش پونا درجہ اوّل کے انعامات دیے گئے تھے۔

(۲) کمرہ جماعت میں درس کے بعد ان چیزوں کے مشاہدہ کے متعلق ہدایات دی جاتی ہیں جن کا مشاہدہ باہر جاکر کیا جاتا ہے۔ اور بعض تجربے بھی کرکے دکھائے جاتے ہیں مگر خاص بات جس سے ایک اجنبی متاثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر مضمون زراعت سے متعلق کرکے پڑھایا جاتا ہے، نوار بننا۔ رسی بٹنا رسی کے جال بنانا کی علاوہ اوقات مدرسہ کے طلبا کو کمرہ جماعت یا میدان مدرسہ میں سکھایا جاتا ہے۔ اس طرح تمام دن اور کچھ حصہ رات کا بھی بچے مدرسہ ہی میں صرف کرتے ہیں ایسی صورت میں کوئی تعجب کی

بات نہیں کہ بچوں کو گھر سے وابستگی ہو جاتی ہے۔

(۳) قطعہ اراضی برائے زراعت مدرسہ کا سب سے زیادہ اہم جزو ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں بچوں کو مشاہدہ قدرت کا شوق پیدا ہوتا ہے جہاں ان کی قوت [illegible] اور ذہن ترقی ہوتی ہے اور جہاں بچوں اور مدرسین کی محنت پھل لاتی ہے وہ [illegible] جگہ ان کی کوششیں عملی طور پر ظاہر ہوتی ہیں۔ اور اب تک جو کچھ وہ کارخانہ یا کمرہ جماعت میں کرتے رہے ہیں اس کا نتیجہ اسی قطعہ اراضی میں ظاہر ہوتا ہے سرسری معائنہ سے اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ یہی مدرسہ کے چھوٹے چھوٹے بچے اگر کاشت کریں تو کیسی فصل پیدا ہوگی۔ مگر پھر بھی موسم مارتے کھیت سینچتے اور فصل درست کرتے دیکھ کر تھوڑا بہت اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آگے چل کر یہ بچے اپنے کھیتوں میں کیا کام کریں گے۔

(۴) مدرسہ کا عجائب خانہ [illegible] مدرسہ کی تاریخ ہے جس سے بچوں کے کام کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کارخانہ میں بڑھئی یا لوہار کا جو کام کیا گیا اس کے نمونے مثلاً [illegible] ناگر۔ لکڑی اور لوہے کی مختلف چھوٹی بڑی چیزیں کھیتوں کی پیداوار یعنی جوار گیہوں وغیرہ ترکاریوں کے نمونے کدو۔ ترائی وغیرہ علاوہ بریں دوسرے اشیاء مثلاً گوبھن۔ چھکا۔ جتیا۔ نوار۔ رسی۔ مختلف قسم کی مٹی اور کھاد کے نمونے۔ آلات و کاشت اور نقشہ جات وغیرہ غرض کہ بچوں کی بنائی ہوئی ہر چیز موجود تھی جس سے کار دان بچوں کی دل افزائی اور نوسکھ بچوں کو ترغیب و تحریص کے علاوہ بچوں کے والدین اور سرپرستوں کی رہنمائی بھی مقصود تھی۔ کہ وہ اپنے بچوں کو ایسے مدرسوں میں بھیجیں۔ جہاں اُن کو یہ سب باتیں سکھائی جاتی ہیں۔ عجائب خانہ کا سب سے اہم حصہ وہ تھا جہاں [illegible] کی کالی مٹی۔ تلنگانے کی ریتلی مٹی اور دوسرے حصوں کی مٹی کا آپس میں مقابلہ کر کے بتایا گیا ہے کہ کس [illegible] کی مٹی کو کس قسم کے کھاد اور کس قدر پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کانچ کی چھوٹی چھوٹی نلیوں میں مختلف قسم کی مٹی بھر کر اُن کا سرا پانی میں ڈبو دیا گیا تھا

اور یہ بتلایا گیا تھا کہ ریتلی مٹی میں پانی بہت ... جڑھ جاتا ہے ... صاف لیس کے مرہٹواری کی کالی چکنی مٹی میں پانی مشکل سے پھیلتا ہے اسی قسم کے اور متعدد نمونے (models) تھے جن کو بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔

ان مدارس کے قیام کی وجہ اور زراعتی تعلیم کا مقصد ... جناب مسٹر لوری ... صوبہ بمبئی نے بیان فرمایا۔ یا دیگر ذرائع سے معلوم کیا جا سکا وہ مختصراً یہ ہے۔

کہ یہ بات عرصہ سے محسوس کی جا رہی تھی کہ دیہاتی مدارس دیہاتوں کی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہیں۔ مدارس میں تعلیم پانے کی بعد بچے زراعت جیسے محنت طلب کام کے لئے بہت زیادہ نازک ہو جاتے ہیں۔ ان کا خیال طبیعت کا رجحان اور مدرسہ کا طریق ہر ایک ان کو زراعت سے ہٹا کر سرکاری ملازمت کی طرف راغب کرتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ اچھی اچھی زمینات رفتہ رفتہ افتادہ ہونے لگیں کاشت کاروں کے بچے ملازمت کی لائن میں لگ گئے آخر کار سب سے پہلے حکومت پنجاب نے اس کی اصلاح کی جانب توجہ کی اور ... حکومت بمبئی نے دیہاتی مدارس میں تعلیم زراعت کا انتظام کیا دیہات کی قدیم روایات، دیہاتیوں کا طریق رہائش۔ طریق کاروبار۔ غرض ہر ایسی بات کے مدنظر نصاب میں ترمیم کی اور ایسے مدارس قائم و جاری کئے جن کا ڈھانچہ سطور بالا میں پیش کیا گیا ہے اس قسم کے دیہاتی مدارس جہاں زراعت کی تعلیم ہوتی ہے۔ صوبہ بمبئی میں فی الوقت ۴۳ ہیں۔ ایسے ہر مدرسہ کے واسطے ضروری ہے کہ

(۱) عمارت مدرسہ دیہات کے نزدیک ہی واقع ہو جس میں جماعت کے دو کمروں کے علاوہ ایک کمرہ مدرسہ کے عجائب خانہ کے واسطے اور دوسرا آلات کے واسطے مختص کئے ہونا چاہئے۔

(۲) مدرسہ کی عمارت میں یا اس سے الگ نزدیک ہی کارخانہ کا ہونا بھی ضروری ہے

(۲) زراعت کے [illegible] میں باولی بھی ہو۔ (۴) نگران سب سے زیادہ ضروری خاص طور پر تعلیم یافتہ مدرس ہے جو کسی زراعتی مدرسہ میں سال وار سال ٹریننگ حاصل کر چکا ہو جس میں اپنے کام سے دلچسپی اور جوش و ولولہ ہو محنت کا عادی ہو اور ساتھ ہی خوش مزاج اور ملنسار ہو۔

مختصر یہ کہ ان مدارس کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ کسانوں کے بچوں کو اپنی زندگی سے وہ الفت پیدا کرائی جائے کہ کاشت کرنے کو ہی وہ اپنی زندگی کا مقصد قرار دیں ہل چلانے اور بیج بونے ہی میں وہ اپنی نجات خیال کریں دولت پیدا کر کے خود اپنی حالت درست کریں کہ قومی وقار میں اضافہ ہو اور ذرائع آمدنی بڑھیں۔ اگر یہ مدارس کامیاب ثابت ہوئے تو [illegible] کا نمونہ دیکھ کر نہایت یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ضرور کامیاب ثابت ہوں گے [illegible] تحتانیہ مدارس اور ابتدائی تعلیم میں عظیم الشان انقلاب واقع ہوگا۔ قصبات و دیہات سمجھ دار و تہذیب یافتہ کسانوں سے بھرپور ہوں گے جو گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں اپنا پسینہ بہا کر مادر وطن کے پوشیدہ خزانوں کو حاصل کر کے ملک و قوم کی خدمت کریں گے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی خدمت اپنے ملک، اپنی قوم! اپنے مالک اپنے آقا کی ہو سکتی ہے۔

*

خطبۂ صدارت

کانفرنس تعلیمی پنجاب

جو عالی جناب سر جارج اینڈرسن صاحب کے ٹی۔ ایچ۔ آئی۔ ای۔ ایم۔ اے
ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب نے صوبہ پنجاب کی تعلیمی کانفرنس نمبر ۱۰ پر پڑھا۔

میرے لئے یہ بڑے فخر کا مقام ہے کہ آج صبح مجھے اپنا خطبۂ صدارت پڑھنے کی دعوت دی گئی ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میرے خطبہ میں آپ کو وہ تمام باتیں نہیں ملیں گی جن کی آپ اس وقت مجھ سے توقع رکھتے ہیں۔ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ میں شملہ سے واپس آیا ہوں برابر دورہ میں رہا ہوں۔ میں نے سرسہ سے ملتانوالی کے ریگستانی علاقوں کا چکر لگایا ہے اور صوبۂ سندھ کو عبور کیا ہے۔ میں نے سردار بہادر سردار بشن سنگھ کے ہمراہ پتوہیر سنگھ کی دیہاتی دلفریبیوں کا نظارہ کیا ہے۔ میں نے چودھری فتح الدین کی معیت میں ملتان ڈویژن کے دور افتادہ دلکش مقامات کی سیاحت کی ہے اور میں نے اپنے دوست مسٹر سینڈرسن کی رفاقت میں جن کے رخصت سے واپس آنے پر ہم سب لوگ ان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ پرازمصروفیت زندگی اور تجربہ کا ایک دن گھکڑ میں بسر کیا ہے۔ اور سال زکے بعد مجھے امید ہے کہ رائے بہادر کے ساتھ انبالہ ڈویژن کا معائنہ کروں گا۔ میں اس موقع پر دوبارہ ان کو اور خان بہادر شیخ نور الٰہی و خطابات ملنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ درحقیقت مجھے اتنا دورہ کرنا پڑا ہے کہ اگر ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم کی تعریف میں یہ کہا جائے کہ اُسے کام بہت کم کرنا پڑتا ہے اور سفر کے طویل گھنٹے کے درمیانی وقفہ میں بہت زیادہ بولنا پڑتا ہے تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔ میرے معائنوں سے جن حضرات کا تعلق رہا ہے میں ان سب کی عنایات اور زحمت کشی کا

ممنون ہوں۔ باوجود تکالیف سفر کے میں نے اپنے دورہ میں بڑی مسرت حاصل کی ہے کیونکہ جہاں کہیں بھی میں گیا ہوں میں نے اشاعت تعلیم کے لئے ترقی پذیر جوش پایا ہے علاوہ ازیں مجھے اس بات کی بھی تسلی رہی ہے کہ میری عدم موجودگی میں ہمارے لائق اور وفادار دوست، مسٹر رنیل نے سررشتہ کا کام اس خوبی و خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے کہ شاید میرے حاضر ہوتے ہوئے اس سے ایسا نہ ہوتا۔

ایک اور امر کے لئے بھی آپ صاحبان سے معافی چاہتا ہوں۔ آج صبح جو کچھ میں کہوں گا۔ اس میں کوئی بات نئی نہ ہوگی کیونکہ میں اسی پامال زمین پر چلوں گا۔ اور انہی خیالات کا اظہار کروں گا جن کو میں گزشتہ بہت سے موقعوں پر ظاہر کر چکا ہوں لیکن اورینٹل کانفرنس کے اجلاس میں جس کا افتتاح کل حضور گورنر بہادر پنجاب نے کیا تھا۔ ان تمام باتوں کے متعلق چند الفاظ کہنے ضروری ہیں۔ اس لئے میں اپنی طرف سے اور آپ کی طرف سے ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اسے کامیاب بنانے میں حصہ لیا ہے۔ جن حضرات نے ایسا کیا ہے ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے اور درحقیقت اتنا عظیم الشان کام اسی حالت میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ کہ اس بڑے صوبہ کے طول و عرض میں جو ہزاروں مدارس متفرق مقامات پر قائم ہیں۔ ان کے اساتذہ و شاگردوں کی عملی تائید و امداد اسے حاصل ہو۔ جو اصحاب اس کانفرنس و نمائش کے ذمہ دار ہیں۔ وہ اس بات میں مجھ سے متفق ہوں گے کہ انہیں یہ امداد ملی ہے۔ اس کام کی اور دوسرے تمام زندگی کے بڑے کاموں کی کامیابی میں جوش بہت بڑا کام کرتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اگر جوش کی دانشمندانہ رہنمائی نہ کی جائے۔ اور بطریق احسن اس پر قابو نہ پالیا جائے تو وہ ہمیں خطرناک راستوں پر لے جا سکتا ہے۔ اس موقعہ پر مجھے کوئی برس پہلے کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ اس وقت میں بمبئی کے ایک کالج میں پروفیسر تھا۔ میں نے فرسٹ ایر کے طلباء کو ایک مقالہ بعنوان جوش لکھنے کا حکم دیا طلباء نے

جو مقالے تحریر کئے ان میں سے ایک [illegible] ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے "ایک مرتبہ مجھے نوٹس بورڈ تک جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں میں نے پڑھا۔ کہ ایک علمی انجمن قائم ہونے والی ہے۔ اور اس غرض کے لئے ایک جلسہ منعقد ہوگا۔ نوٹس میں تمام جوان آدمیوں کو جلسہ میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی تھی۔ حالانکہ میں کسی طرح بھی جوان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ پھر بھی میں نے اس جلسہ میں شرکت کی۔ درحقیقت جلسہ جوش اور برانگیختگی کے آثار نمایاں تھے۔ جب پروفیسر انجاج کمرہ میں داخل ہوئے تو جوش اور بھی بڑھ گیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ یہ جلسہ نئی انجمن کے عہدہ داران کا انتخاب کرے گا۔ اب ایسا معلوم ہونے لگا کہ جوش کا درجہ حرارت ابلنے کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ لیکن جب عہدہ داران کا تقرر ہو گیا تو جوش بھی کافور ہو گیا۔ یہ جوش میرے نوجوان دوست نے جو کچھ کہا تھا اس میں بہت کچھ دنیاوی دانشمندی کا عنصر موجود ہے۔

اس لئے یہ بات بڑی خوش نصیبی کی ہے۔ کہ اس نمائش کے بارہ میں کی مرکزی کمیٹی نے کثیر التعداد افراد کے جوش کی دانشمندانہ رہبری کی ہے۔ اس لئے ہم مس سٹرٹیفورڈ، خان بہادر شیخ نور الٰہی جو بالخصوص نمائش کے ذمہ دار ہیں۔ مسٹر باکنسن اور ڈاکٹر وائٹ ہاؤس جو بالخصوص کانفرنس کے ذمہ دار ہیں۔ نیز خان بہادر سید مقبول شاہ کے جنہوں نے مجلس منتظمہ کے سکرٹری کے فرائض انجام دئے ہیں۔ ممنون ہیں۔

نمائش اور کانفرنس کی ایک اور صورت پر میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے باہر آپ پر یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسئلہ تعلیم سب سے زیادہ توجہ طلب ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ مشکل اور پیچیدہ بھی ہے۔ کیونکہ وہ ایسی طاقتوں سے ہمرشتہ اور پابند ہے۔ جن پر اس کا کوئی اختیار نہیں۔ ان طاقتوں میں بہت سے گھرانوں کا شدید افلاس بھی شامل ہے۔ اس لئے مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوتی ہے کہ یہاں ادارہ [illegible]

کا پریشن کا شعبہ بھی ہے۔ اور مسٹر سٹرکلینڈ اور دوسرے تجربہ کار افسر لوگوں کو قحط سے نجات دلانے اور کفایت شعار و با استطاعت طبقہ بنانے میں انجمن ہائے امداد باہمی کی اہمیت اور ان کے طریق کار کی توضیح کریں گے اس لئے ہمارے فرائض کا اہم ترین جزو یہ ہے کہ ہم اپنے مدرسین اور متعلمین میں انجمن ہائے امداد باہمی و انجمن ہائے کفایت شعاری کی اس طریق پر ہمت افزائی کریں کہ جس سے ان پر ان اصولوں کی قدر و قیمت واضح ہو۔ یہ اس لئے بھی مسرور ہوں کہ کانفرنس کے منتظمین نے مناسب طریق پر منضبط نظام تعلیم میں زراعت کو اہمیت دی ہے۔ دوسرا مسئلہ جس سے ہمیں دوچار ہونا پڑتا ہے خبر رسانی کے ناکافی ذرائع ہے۔ اس لئے یہ امر خاص طور پر مسرت بخش ہے کہ یہ لوگ یہاں مسٹر کنتھ مچل کا خیر مقدم کرنے کو تیار رہیں۔ جو اس اہم موضوع پر ایک مستند شخصیت ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض اوقات مسٹر مچل تعلیم کو ترقی یافتہ ذرائع معلومات کا رقیب خیال کریں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ انہیں اس بات کا احساس ہے کہ تعلیم اور معلومات دونوں کی ترقیاں آپس میں ایک دوسری سے ملی ہوئی ہیں اور ایک کی کامیابی دوسری کی کامیابی یا ناکامیابی کے لئے ذمہ دار ہے۔ ایک دوسرا مسئلہ بیماری بالخصوص موسمی بخار ہے۔ اس لئے ہم ان تمام حضرات کا خیر مقدم کرتے ہیں جو شعبہ حفظان صحت میں حصہ لے رہے ہیں۔ کیونکہ ہمارے اور ان کے مفاد مشترکہ ہیں تعلیم ترقی نہیں کر سکتی۔ اگر ہمارے طلبا کی اکثریت بیمار رہے۔ اور افسران متعلقہ حفظان صحت کی کوشش صرف اسی حالت میں کامیاب ہو سکتی ہیں کہ لوگوں کو بہتر حفظان صحت کے فائدہ سمجھنے کے قابل بنا دیا جائے۔ ہمیں اپنے درمیان ڈاکٹر بوس اور مس سائمن کو دیکھ کر بڑی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ کیوں کہ انہوں نے ہندوستانی مستورات میں صحت کو ترقی دینے کے لئے بڑا کام کیا ہے۔ اس کے بعد وہ حالات ہیں جو انسانی زندگی اور حیوانات کا نظم و نسق کرتے ہیں۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا نظام تعلیم موثر اور اس صوبہ کے ملباء اور ان کے والدین کے دلوں کو اپیل کرنے والا ہو۔ تو لازمی ہے کہ ہم زندگی کے ان حالات کا مطالعہ کریں۔ اور ایسے تدابیر اختیار کریں۔ کہ ہمارا طریقہ، ریس ان حالات سے مطابقت رکھ سکے۔ بالخصوص ان حالات سے جن میں دیہاتی علاقوں کے لکھو کہا افراد رہتے ہیں اس لئے اس کانفرنس کی ایک دلچسپ صورت یہ ہے کہ اس میں دیہاتی تعلیم اور بالغ العمر لوگوں کی تعلیم کے متعلق شعبے قائم کئے گئے ہیں۔ جن میں بہت سے تجربہ کار حضرات اپنی تحقیقات کے نتائج بیان کریں گے۔

اس اہم موضوع پر کچھ کہہ چکنے کے بعد میں آپ کو صفحات تاریخ سے ایک کہانی سناؤں گا۔ اور آپ سے ایک سوال پوچھوں گا۔ جس کا جواب دینے میں مجھے خود بھی دقت محسوس ہوتی ہے۔ میں بڑے اضطراب کی حالت میں ایسا کر رہا ہوں۔ نکتہ تاریخ کے معاملہ میں میں بہت کچا ہوں۔ اور اب تو میری معلومات کو بڑی مدت گزر چلی ہے۔ علاوہ ازیں میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ میرے دوست مسٹر گیرٹ کی تیز آنکھیں مجھے گھور رہی ہیں فرانس کے بادشاہ لوئی چہاردہم کی وفات کے بعد شہزادہ کے نابالغ ہونے کی وجہ ایک مدت تک ڈیوک آف آرلینز کو مدار المہام رہنا پڑا۔ مورخ اس کی سرشت و سیرت بیان کرنے سے بڑے گھبراتے رہے ہیں۔ اس کے حق میں تمام باتیں تھیں۔ وہ قدیم شاہی نسل سے تھا۔ اس کا جسم توانا اور خوبصورت تھا۔ اس کے پاس دولت تھی ذہانت تھی قوت تھی کیا نہیں تھا۔ ضعیف العمر بادشاہ کے کامیاب عہد حکومت میں فرانس اپنے اقتدار کے عروج پر پہنچ گیا تھا۔ تاہم آرلینز دنیا کی ناکام ترین ہستیوں میں شمار کیا جاتا رہا ہے۔ اگر وہ بدباطن و بدطینت ہوتا تو اس کی ناکامیابی کی وجوہ آسانی سے معلوم کی جاسکتی تھیں لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ ناکام رہا اور اس کی ناکامی کا واحد سبب یہ ہے اس کی شخصیت کوئی خاص اہمیت نہ رکھتی تھی۔ اس کی ناکامیابی کی داستان ایسی

بیان کی جاتی ہے۔ ہم عیسائیوں میں ایک رسم ہوتی ہے۔ جب شیر خوار بچہ کو مسیح کی کلیسا میں داخل کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ آپ لوگ توقع کریں گے اس تقریب پر بڑی خوشیاں منائی جاتی ہیں اور بچہ کے عزیز و اقارب تحفے تحائف لے کر آتے ہیں۔ آرلنیز کے بپتسمہ کی تقریب میں بھی بہت سے بڑے بڑے آدمی مہمان کے طور پر آئے۔ ایک شخص صحت کا تحفہ لایا۔ دوسرا دولت کا۔ تیسرا اختیار کا چوتھا علم کا اور اسی طرح دوسرے لوگ طاقت وغیرہ کے تحائف اپنے ساتھ لائے۔ سب لوگ آرلنیز کے والدین کو مبارکبادیاں دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تمہارا لڑکا کسی دن بہت بڑا آدمی ہوگا۔ اسی وقت اتفاق سے ایک بدصورت ضعیف عورت کمرہ میں داخل ہوئی۔ اس نے آتے ہی سوال کیا کہ تم نے مجھے ضیافت میں آنے کی دعوت کیوں نہیں دی۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ سہو ہو گیا ہے۔ اس پر بڑھیا نے کہا۔ اچھا تو میں اسے اپنی برکت نہیں دوں گی۔ جو ان تحائف کے استعمال کرنے کی برکت ہے۔

اور اب اس داستان سے میرا سوال شروع ہوتا ہے۔ یہ نمائش اور یہ کانفرنس بجائے خود مظہر ہیں کہ ہم اس صوبہ کے لڑکوں اور لڑکیوں پر بہت سی قسم کی برکتوں کی بارش کر رہے ہیں۔ لیکن کیا ہمیں اس بات کا بھی یقین ہے۔ کہ ہم انہیں ان برکات سے فائدہ اٹھانے کی برکت بھی دے رہے ہیں۔ کیا ہمیں اس امر کا یقین ہے کہ ہمارا نظام تعلیم ان حالات کے ہم آہنگ ہے۔ جن میں ہمارے طلبا اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ کیا ہمیں اس بات کا یقین ہے۔ کہ ہمارے پڑھائے ہوئے اسباق اور ہماری دی ہوئی تربیت طلبا کے دلوں پر ایک مستقل اثر چھوڑ رہی ہے۔ جو ان کے مدارس سے رخصت ہونے اور مختلف پیشوں میں داخل ہونے کے بعد بھی قائم رہیں گے مجھے تو تعلیم کا حقیقی معمہ یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور ہمیں اسے حل کرنے کی تیاری کرنی چاہئے۔ بعض اصحاب کی رائے ہے کہ وکیشنل تعلیم میں ہماری نجات کا راز مضمر ہے ہمیں اپنے

قلموں کا رخ ہوں اور آلات کاشتکاری کی طرف کر دینا چاہئے۔ اور عام تعلیم کے بعد پیشہ ورانہ تعلیم دی جانی چاہئے۔ ہمیں صنعتی و زراعتی مدارس قائم کرنے چاہئیں لیکن ہمارے نظام تعلیم میں ان کو مناسب درجہ اور منزلت ملنی چاہئے۔ اور ہماری عام تعلیم ایسی ہونی چاہئے۔ جس سے ہمارے طلبا عملی کام اور پیشوں سے دور نہ ہوں۔ بلکہ ان کے نزدیک تر ہوتے جائیں۔ اس لئے اس معمہ کو حل کرنے کے لئے میرا جواب یہ ہے۔ ہمارے نظام تعلیم کی بنیاد کمیونٹی ورک پر ہونی چاہئے۔ اسی کے ذریعہ سے تعلیم تمام کمیونٹی کی ترقی میں مناسب درجہ حاصل کرے گی۔ اس کے ذریعہ ہماری عام تربیت بھی خوب ہوگی۔ اور طلبا کی آنکھوں کے سامنے حقیقت کی جھلک نمایاں ہوگی۔ یقیناً یہ درست ہے کہ ہمارے لڑکوں کو امداد باہمی کے اصول کی قدر و قیمت حفظان صحت کے قوانین، زراعت کے معنی اور نظم و نسق حکومت اور شہریت کے مبادیات کے متعلق عملی طور پر اسباق ملنے چاہئیں۔ اور پھر ہم "پلے فار آل" "فوڈ فار آل" "میوزک فار آل" "گارڈنز فار آل" ان الفاظ کو الٹے کاموں میں کیوں لکھنے پر زور دیں۔ گویا یہ کوئی نئی بات ہے۔ ہمیں بغیر الٹے کاموں کے اور تحریر کرنے کے لفظ ورک فار آل کو کیوں نہ ان سب کی جگہ دینی چاہئے۔ اور یہ اعتراف کر لینا چاہئے کہ یہ تمام سرگرمیاں ہماری عام تربیت کی لازمی جزو ہیں اس کانفرنس کو اپنے مختلف و محرک دستور العمل کے باوجود اس باطنی روحانی توفیق کا خارجی اور ظاہری نشان بننا چاہئے جو میں امید کرتا ہوں ہم سب کے اندر ہے۔

بدقسمتی سے ہماری باطنی و روحانی توفیق اگرچہ بجائے خود بہت شاندار ہے تاہم کامیابی حاصل کرنے کے لائق نہیں۔ اگر ہم اپنے درس و تدریس میں عملی بننا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی تیاریوں میں بھی عملی و کاروباری حیثیت اختیار کرنی چاہئے۔ تو پھر ہم جدید علم کے پیغام کو کیونکر لوگوں تک پہنچائیں۔ بعض اصحاب ایسے بھی ہیں جو مجھ سے

ہتے ہیں کہ یہ کام بہت آسان ہے۔ اپنے نصاب تعلیم اور درسی کتب میں ترمیم کردو۔ نئی درسی کتابوں کو ریڈروں کے لئے اشاعت کے لئے پبلشنگ کارخانوں کو بڑے بڑے ٹھیکے دیدو۔ اور سب کام درست ہو جائے گا۔ میں اس پر اعتقاد نہیں رکھتا ہم نے ابھی حال ہی میں اپنے نصاب تعلیم کو آسان بنایا ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ انہیں بہتر بھی بنا دیا ہے۔ نیز میرے پبلشر اور علم دوست رفقا مجھے موقعہ بے موقعہ اکثر یہ اطلاع دیتے رہتے ہیں۔ کہ عمدہ کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ لازوال شہرت حاصل کرنے کے لئے ٹیکسٹ بک کمیٹی کی نگاہ التفات کا منتظر ہے۔ لیکن سوال یہ ہے ان ترمیم شدہ کورسوں اور درسی کتابوں کا کیا فائدہ جب تک مدرس اس روح سے ناآشنا ہو جو اس ترمیم میں کام کر رہی ہو؟ اس روح اور تدریس میں اس کے استعمال ہی سے بہت کچھ نفع نقصان یا تبدیلی ہو سکتی ہے ہمیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ کورس اور درسی کتابیں ہماری غلام ہیں آقا نہیں اس لئے میں اپنے دوست مسٹر سینڈرسن سے جنہوں نے اس بارہ میں بڑی مدت تک غور و خوض کیا ہے متفق الرائے ہوں۔ کہ ہمیں اپنا کام اُستاد سے شروع کرنا چاہیئے اور کتابوں پر ختم کر دینا چاہیئے۔ امریکن پریسبیٹرین مشن نے چند سال پہلے موگہ میں بہتر اور موزوں تر تربیت یافتہ استاد کا بیج بویا تھا۔ کہ جس کی تربیت کمیونٹی ورک پر مبنی تھی۔ اور اس لئے یہ نہایت خوشی کی بات ہے۔ کہ ہمارے دوست میسٹر ہاپر کو شعبۂ تعلیم دیہاتیاں کی صدارت کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ اور اب ہم نے اس بیج کی کونپلیں پھوٹتی دیکھ لی ہیں۔ کیونکہ ہماری تمام تربیت گاہوں سے کم و بیش مستقل کے استادوں کو مکمل تر اور عمدہ تر تربیت دینے کی کوشش کر رہی ہے ان میں سب سے پہلی اور بہترین تربیت گاہ سنٹرل ٹریننگ کالج ہے جو اپنی سرگرمیوں اور میدان عمل کو مسٹر پارکنسن اور ڈاکٹر وائٹ ہاؤس کی جوش انگیز رہنمائی میں روز بروز وسعت دے رہا ہے

اس کی سب سے زیادہ دلخوش کن اور پر از اُمید جدت یہ ہے کہ اس نے مسٹر ہاگ کی رہنمائی میں جسمانی تربیت کی خاص تعلیم حاصل کرنے کے لئے جماعت کھول دی ہے وزیگلر ٹریننگ ورسگاہوں میں تو یہ رواج سا ہو گیا ہے کہ گوڑگاؤں اور گلگھڑ کی تربیت گاہوں کو سب سے پہلے پیش کیا جاتا ہے۔ اس لئے ہمیں خوشی ہے کہ مسٹر برین اور لالہ ہردیال چوپڑہ گوڑگاؤں سے اور بابو اسوہن سنگھ گلگھڑ سے تشریف لائے ہیں لیکن میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ دوسری ایسی تربیت گاہیں بھی ہیں جو ترقی کے میدان میں جلد جلد قدم بڑھا رہی ہیں۔ اس موسم سرما میں مسٹر سینڈرسن ان تمام تربیت گاہوں کا معائنہ کریں گے اور ہم لوگ یقین کر سکتے ہیں کہ ان معائنوں کا نتیجہ بعض موثر تدابیر اختیار کئے جانے کی صورت میں ہوگا۔ تعلیم میں سب سے بڑا کام یہی کرنے کے لئے ہے اس بات کو اچھی طرح دیکھا جائے کہ جو بیج بویا گیا تھا۔ اس سے پہلے کلے پھوٹتے ہیں۔ پھر پودا اگتا ہے اور اس کے بعد بالیوں میں اناج کے دانے نکلنے پیدا ہوتے ہیں۔

اس موقعہ پر میں ریجنٹ آرلینیز کی افسوسناک داستان کے سلسلہ میں ایک اور سوال بھی پوچھنا چاہتا ہوں۔ حال کے چند برسوں میں حکومت پنجاب کی فیاضی و فراخدلی سے ہماری تعلیمی عمارات میں بڑی ترقیاں ہوئی ہیں۔ اور ہمارے مدارس اور کالجوں کے گرد و پیش خوبصورت بنائے جانے کے علاوہ سامان بھی بکثرت خریدا گیا ہے۔ اس لئے میں ان حضرات سے جو ہمارے مدارس اور کالجوں کے نگران کار ہیں دریافت کروں گا کہ کیا ان میں ان برکات سے ہمیشہ کامل طور پر فائدہ اُٹھانے کی اہلیت یا رجحانات بھی ہیں کامیاب ہیڈ ماسٹر بعض ہیڈ ماسٹروں کی مانند کبھی اس امر کی شکایت نہیں کرے گا کہ سامان نہ ہونے کی وجہ سے سائنس کی تدریس میں ہرج واقع ہوتا ہے۔ وہ اس تمام سامان کی قطعی پروانہ کرے گا جو نمایش گاہ کی الماریوں میں مقفل رکھا رہتا ہے۔ اور طلباء کو دیا جاتا ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اس شخص کا کیا حشر ہوتا ہے۔ جو اپنی خداداد

ت کو رومال میں باندھ لیتا ہے اور اسے زمین میں دفن کر دیتا ہے۔ ہمارا کامیاب ہیڈ ماسٹر یہ بھی دیکھے گا کہ سکول کا احاطہ صاف ستھرا ہے۔ اور اس میں درخت اور پودے اپنی بہار دکھا رہے ہیں" ٹریز اینڈ فلاورز آر آل" درحقیقت ہمارے تعلیمی نظام کا ایک حصہ ہونا چاہئے۔ اس بات میں تجویز کروں گا کہ ہر ایک مدرسہ سال بھر میں آربر ڈے کی مانند ایک دن حسن قدرت کی پرستش کے لئے مقرر کرے۔ اور لڑکوں کی اس دن پودوں کے لگانے اور پھولوں کو پیدا کرنے کے لئے ہمت بڑھائی جائے۔ تاکہ وہ سال کے بقیہ دنوں میں ان کی رکھوالی کر سکیں۔

میں اپنے وقت اور آپ کے تحمل کا پیمانہ لبریز کر چکا ہوں۔ لیکن ایک معاملہ ایسا اہم باقی رہ گیا ہے کہ میں اس پر اظہار خیال کئے بغیر اپنی تقریر کو ختم نہیں کر سکتا۔ میں اپنی تقریر کے دوران میں چند اعداد و شمار بیان کروں گا۔ لیکن ان سے کہیں زیادہ معلومات افزا وہ گراف ہیں جو لالہ سوہن لال صاحب پروفیسر سنٹرل ٹریننگ کالج نے تیار کئے ہیں اور نمائش میں رکھے ہیں۔ میں لالہ سوہن لال صاحب کی اس وقت طلب اور قابلانہ امداد کا سب سے زیادہ شکر گزار ہوں۔ اب میں توسیع و اشاعت کے متعلق چند الفاظ کہوں گا۔ گزشتہ پانچ سال کے عرصہ میں ہمارے طلباء کی تعداد پانچ لاکھ چھپن ہزار سے دس لاکھ باسٹھ ہزار تک پہنچ گئی ہے یا دوسرے الفاظ میں پانچ لاکھ چھ ہزار طلباء کا اضافہ ہوا ہے ۱۹۲۴-۲۵ء کی رپورٹ میں مسٹر رچی نے اندازہ لگایا ہے کہ اگر توسیع و اشاعت تعلیم کا کام اسی رفتار سے جاری رہا تو قابل تعلیم عمر رکھنے والے تمام لڑکوں کے لئے تعلیم کو قابل حصول بنانے میں چالیس سال لگیں گے۔ مسٹر رچی نے جس بنا پر اندازہ لگایا ہے اس کے مطابق مجھے یہ بیان کرنے میں مسرت ہوتی ہے کہ پنجاب کو یہ منزل طے کرنے میں صرف گیارہ سال کی مدت کافی ہوگی۔ اور قابل تعلیم و تعلم عمر رکھنے والے طلبہ کی صرف اسی فیصدی تعداد کے لئے تعلیم کو قابل حصول بنانے میں تو صرف چھ برس ہی لگیں گے اور اس سے

جہاں تک توسیع و اشاعتِ تعلیم کا تعلق ہے۔ پنجاب اپنے آپ کو خوش قسمت پاتا ہے ہمارے مدارس شبینہ میں بالغ العمر اشخاص کے تعلیم کے لئے تعداد اور حاضری میں اضافہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عوام میں تعلیم سے بے التفاتی دور ہوتی جاتی ہے حقیقی خطرہ یہ ہے کہ تعداد کی زیادتی سے مطمئن ہو کر کہیں ہم ہی بے توجہی کو کام میں نہ لے آئیں اس لئے ہماری ترقی کی آزمایش تعداد میں اضافہ ہونے کی بجائے جہالت کو کم سے کم کرنے میں ہونی چاہیئے۔

اس موقعہ پر لالہ ہری داس صاحب اپنے اعداد و شمار اور لالہ سوہن لال صاحب اپنے گراف سے ہمیں متنبہ کرتے ہیں۔ ہماری حالت کسی طرح تسلی بخش نہیں ہے۔ ماہ پاچ گزشتہ میں اول جماعت میں ایک لاکھ چالیس ہزار۔ تیسری میں ترانوے ہزار اور چوتھی میں صرف تہتر ہزار۔ اگر ہم میں سے کوئی شخص مطمئن ہونے کے گناہ میں پھنسنے والا ہو تو اسے ان اعداد کا معائنہ کرنا چاہیئے اور اس کے سوا تعلیم کے متعلق ایک نہایت زبردست کتاب جو میرے پرانے دوست اور ہم مکتب مسٹر مے ہیو نے لکھی ہے پڑھنا چاہیئے۔

اس مصنف نے ہماری تعلیم کا نتیجہ اتنا مایوس کن پایا ہے کہ اس نے کہا ہے کہ ہندوستان اتنا زیادہ مفلس ہے کہ محض رضامندی کے اصول پر دیسی تعلیم کی مزید اشاعت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اس لئے انہوں نے کہا ہے کہ اس کا واحد علاج یہی ہے کہ جبر کو باقاعدہ طریق پر جاری کیا جائے تاکہ اس کی اشاعت خوب خوب ہو سکے انہوں نے اندازہ لگایا ہے کہ رضامندی کے طریق پر ہندوستان کے فی خواندہ شخص پر دو سو چالیس روپیہ صرف ہوتے ہیں۔ لیکن جبریہ طریق کے ماتحت ساٹھ روپیہ فی کس اوسط پڑتا ہے کہ جب ہم ہندوستان کے لکھوکھا اشخاص کو حروف شناس بنانا چاہتے ہیں۔ تو مصارف کا فرق بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے۔

اگرچہ میں مسٹر مے ہیو کے اس خاص نتیجہ سے متفق ہوں کہ جبر سے بہت فائدہ

ہوسکتا ہے۔ تاہم میں محسوس کرتا ہوں کہ ان کی مایوسی کسی قدر ناواجب ہے۔ رضامندی طریقہ کی مختلف دستعد دخرابیوں کے باوجود ہم نے کچھ ترقی کی ہے۔ سب سے پہلے میں اس امر پر زبردست اظہار رائے کرنا چاہتا ہوں کہ ایک مدرس والا مدرسہ تقریباً بے کار ہے یہ امر تسلی بخش ہے کہ اب ایسے مدارس کی تعداد صرف پانسو ہے۔ جبکہ ۱۹۲۲ء میں ان کی تعداد تین ہزار تھی۔ اس کا کہیں زیادہ تسلی بخش نعم البدل برانچ سکول ہے۔ اس قسم کا مدرسہ کوئی جداگانہ ہستی نہیں رکھتا بلکہ یہ اسی مدرسہ کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ جو صرف تھوڑے سے فاصلہ پر ہوتا ہے۔ اس میں ننھے بچوں کے لئے صرف ایک یا دو جماعتیں ہوتی ہیں جب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جاتے ہیں تو انہیں مدرسہ میں جانا پڑتا ہے۔ اس طرح مدرس سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ بہ یک وقت چار جماعتوں کو پڑھا سکے گا۔

ہماری ترقی کی دوسری صورت یہ رہی ہے۔ کہ پرائمری سکولوں کو لوئر مڈل سکولوں کی شکل میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ لالہ سوہن لال کے گراف سے ظاہر ہوتا ہے کہ پرائمری سکولوں کی تعداد اور ان کے طلباء کی تعداد تقریباً چار برس کے عرصہ میں تقریباً ایک سی رہی ہے اس لئے یہ امر بھی تسلی بخش ہے۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرائمری سکولوں ہی میں ترقی یافتہ تعداد کم و بیش نہیں ہوتی ہے بلکہ پرائمری اور سکنڈری دونوں میں۔ اگر یہ مسلمہ ہے جیسا کہ میں سمجھتا ہوں کہ پرائمری سکول کی بہ نسبت سکنڈری سکولوں میں ترقی کا زیادہ موقعہ ہے تو یہ معلوم کرکے مسرت ہوتی ہے کہ گزشتہ دو برسوں میں ان مدارس کی تعداد ۶۱۵ سے ۱۰۸۱ تک پہنچ گئی ہے اور گزشتہ دو برسوں ہی میں ۱۰۸ پرائمری سکول لوئر مڈل بنا دئے گئے ہیں۔ ہم جلد جلد اس وقت تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں جب کہ چار جماعتوں کا مدرسہ زمانہ کی بات ہوگا۔ اور ہم مڈل سکولوں میں آٹھ جماعتوں اور پرائمری سکولوں میں چھ جماعتوں پر انحصار کریں گے۔ اور خالی جگہ بھرنے کے لئے برانچ سکول ہوں گے۔ اس لئے آپ کو میری یہ نصیحت ہے "ایک مدرس والے مدرسوں کی تعداد کم کرو۔ برانچ سکول قائم کرو لیکن انہیں پرانی

قسم کے ایک مدرس والے مدرسہ کی شکل نہ دو۔ لوئر مڈل سکولوں کی تعداد بڑھاؤ۔ اور اس پہلی چھ جماعتوں میں یکساں قابلیت کے طلبا رکھنے کی کوشش کرو۔"

تاہم میں مسٹر ہیوسے اس بات میں متفق الرائے ہوں کہ ترقی کا حقیقی ذریعہ جبر ہے اور اس لئے ہمیں اپنے دوست انسپکٹر صاحب تعلیم السنہ شرقیہ سے سن کر خوشی ہوتی ہے کہ اس وقت چوالیس میونسپلیٹیوں نے سات سو نو رقبوں میں جبر کا نفاذ کر دیا ہے لیکن قبل اس کے کہ ہم جبر جاری کرنے کا فیصلہ کریں ہمیں اپنے مقاصد کو بغور دیکھنا چاہئے۔ ہمارا خاص مقصد یہ نہیں ہے۔ جیسا کہ بہت سے لوگ خیال کرتے ہیں۔ کہ تعداد اور مصارف میں زیادتی کی جائے۔ جہاں تک تعداد کا تعلق ہے میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ ہم بہت تھوڑے عرصہ میں اسی فی صدی قابل تعلیم لڑکوں کو مدرسہ میں لے آئیں گے۔ میں پھر مسٹر ہیو کے اعداد و شمار کو ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔ کہ جبر کے ذریعہ فی کس خواندہ مصارف میں بہت کمی کی جا سکتی ہے۔ جبر کا حقیقی فائدہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ ایک کافی طویل مدت تک لڑکوں کو مدرسہ رکھا جائے۔ تاکہ وہ جہالت کے پنجہ سے اچھی طرح آزاد ہو سکیں۔ اور اس امر کی ضمانت ہو سکے کہ دیسی تعلیم پر جو روپیہ صرف ہو رہا ہے اس سے خاطر خواہ نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔ اگر اس طرح عمل کیا گیا۔ تو جبر مستقبل بعید کی بات نہ ہوگی بلکہ عملاً زمانہ حال یقیناً یہ امر واجب نہیں ہے کہ اگر ایک آدمی اپنے لڑکے کو مدرسہ بھیجتا ہے تو اسے اس امر کی ضمانت دینی چاہئے کہ لڑکا پرائمری کورس ختم کرنے تک مدرسہ میں رہے گا۔ اگر ہم اس روشنی میں جبر کو دیکھیں تو میں امید کرتا ہوں کہ اگلے سال اس وقت تک میرے دوست انسپکٹر صاحب ورناکولر ایجوکیشن اس قابل ہو سکیں گے کہ رقبات زیر جبر کی تعداد موجودہ سے دوگنی کا اعلان کر سکیں۔

اور اب میں اپنی تقریر کے اختتام پر پہنچ گیا ہوں اور آخری الفاظ کہنا چاہتا ہوں میرے دوستو۔ تم نے مجھ پر برکات کی بارش کی ہے۔ تم نے مجھے توجہ کی برکت دی ہے

تم نے مجھے وفادارانہ اور قابلانہ اشتراک عمل کی برکت دی ہے۔ تم نے مجھے مہربانی کی برکت دی ہے۔ تم نے مجھے رفاقت کی برکت دی ہے اور تم نے مجھے دوستی کی برکت دی ہے اس لئے میں دعا کرتا ہوں کہ وقت آنے پر مجھے وہ برکت ملے جس سے میں ان برکات سے فائدہ اٹھا سکوں۔

مدارس سرکاری اور ورزش جسمانی

مدارس کے طلباء کی جسمانی حالت جیسی کہ ہے وہ ظاہر ہے۔ ہر وہ شخص جو آنکھیں رکھتا ہے دیکھ سکتا ہے بیان کی ضرورت نہیں۔ مدارس تحتانیہ میں تو ورزش جسمانی کے لئے کوئی باضابطہ انتظام نہیں ہے اور نہ یہ ممکن تھا۔ البتہ مدارس فوقانیہ وسطانیہ میں ڈرل ماسٹر مامور ہیں۔ جب کہ ہر مدرسہ فوقانیہ اور وسطانیہ میں ڈرل ماسٹر ہیں اور انکا فرض ہے کہ طلباء کی جسمانی حالت کو درست کریں تو پھر کیوں مدارس کے طلبا تنومند اور ہشاش بشاش نظر نہیں آتے ہمارے خیال میں اس کے حسب ذیل موجود ہیں۔ جن کی اصلاح کے جانب ذمہ دار انسران کو فوراً توجہ کرنی چاہیے۔

(۱) ہمارے مدارس کے اکثر ڈرل ماسٹر فوج کے وظیفہ یاب لوگ ہیں جو مدرسہ کی ڈرل سے واقف نہیں بلکہ قدیم طریقہ کی فوجی ڈرل جانتے ہیں اور اس قسم کی ڈرل طلبا کے لئے باعث دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ چند ہی روز میں طلباء ڈرل سے اکتا جاتے اور ڈرل کے نام سے بھاگنے لگتے ہیں۔ ڈرل ماسٹروں کے طریقہ تعلیم میں یکسانیت نہیں پائی جاتی۔ راقم کو کئی مدارس کے معائنہ کا موقع ملا اور راقم نے

دیکھا کہ ہر مدرسہ میں ایک جدا طریقہ سے ڈرل کرائی جاتی ہے۔

(۲) اکثر ڈرل ماسٹر خود ایسے نحیف اور لاغر ہوتے ہیں کہ ڈرل لینا انہیں مشکل ہو جاتا ہے اور ایک دو جماعتوں کو ڈرل کرانے کے بعد خستہ اور بدحال ہو جاتے ہیں اور ان کو اپنے کام میں دلچسپی باقی نہیں رہتی۔ جو جماعت آتی ہے اس کو بطور خود کھیل میں مشغول ہو جانے کی ہدایت دے کر خود کسی گوشہ میں یا درخت تلے سگریٹ یا بیڑی کھینچتے بیٹھے رہتے ہیں۔

(۳) بعض ڈرل ماسٹر سخت کلام اور بد اخلاق ہوتے ہیں اور ڈرل کراتے وقت فحش کلامی یا بیجا درشتی سے کام لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام خود دار طلبا اُن کو ذلیل سمجھنے لگتے اور ڈرل سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ اور اس کی وجہ ڈرل ماسٹروں کی جہالت ہے۔ بہت کم ڈرل ماسٹر پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔ ڈرل ماسٹروں کی یہ حالت یہ رنگ لاتی ہے کہ طالبائے مدارس ڈرل کے گھنٹوں میں غائب ہونے لگتے ہیں۔ اور اکثر صدر مدرس کے تشدد سے شریک بھی ہوتے ہیں تو شوق اور توجہ سے ڈرل نہیں کرتے بلکہ وقت ٹالنا مقصود ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ورزش اور ڈرل سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور ان کے جسم بننے نہیں پاتے۔ ورزش میں بڑی چیز توجہ ہے۔

ان موجودہ اسقام کے انسداد کے لئے حسب ذیل تحریکات پیش کی جاتی ہیں

(۱) ڈرل ماسٹر ایسے منتخب کئے جائیں جو حتی الامکان پڑھے لکھے ہوں اور جن کے عادات و اطوار کے متعلق اطمینان کر لیا گیا ہو کہ اچھے ہیں۔

(۲) مریض اور لاغر نہ ہوں بلکہ اوسط درجہ کے آدمی سے ان کے قوائے جسمانی بہتر ہوں۔

(۳) مدرسہ کی ڈرل سے واقف ہوں۔ فوجی ڈرل مدارس کے لئے مفید ثابت نہیں ہوئی

(۴) حسب سلدر آمد حالیہ وظیفہ یاب فوجی بطور ڈرل ماسٹر مامور نہ کئے جائیں بلکہ سرشتہ تعلیمات چند نوجوانوں یا ایسے مدرسین کا انتخاب کرے جنہیں بوجہ ناکامیابی امتحان ترقی کی امید نہ ہو اور کم از کم ایک سال ان کو زیر ٹریننگ رکھے اور بعد کامیابی مامور کرے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں مدراس میں زیر نگرانی اور اہتمام۔ والی۔ ایم۔ سی۔ اے ایک مدرسہ بنام نیاشے نل وائی۔ ایم۔ سی۔ اے قائم کیا گیا۔ اس مدرسہ کے قیام کا یہی مقصد تھا کہ نوجوانوں کو صحت جسمانی کی تعلیم سائنٹفک طریقوں سے دی جائے تاریخ قیام سے اس وقت تک مدرسہ بہت کچھ ترقی کر گیا ہے۔ اور اس وقت تقریباً (۵۰) نوجوان زیر تعلیم ہیں۔ اور اُن میں اکثر وہ ڈرل ماسٹر ہیں جو۔ مختلف ممالک سے ٹریننگ کے لئے بطور سرکاری بھیجے گئے ہیں۔ مثلاً پنجاب۔ بنگال۔ برما۔ سیلون میسور۔ بڑودہ وغیرہ۔ اس تعلیم گاہ میں تین مختلف کورس کی تعلیم دیجاتی ہے جس میں ایک کورس ایک سال کا ہے۔ دوسرا چھ مہینے اور تیسرا آٹھ ہفتہ کا ہے۔

(۱) ایک سالہ کورس میں صرف گرائجویٹس شریک کئے جاتے ہیں جن کو کامیابی کے بعد ڈپلوما دیا جاتا اور فزیکل ڈائرکٹر کا خطاب ملتا ہے۔

داخلہ کے شرائط حسب ذیل ہیں

(۱) امیدوار گرائجویٹ ہو یا کالج کی تعلیم پائی ہو۔

(۲) اخلاقی حالت اچھی ہو اور طلبا کے عادات اور اطوار درست کرانے کی صلاحیت رکھتا ہو

(۳) صحیح اور تندرست اور قوی ہو۔ ظاہری وجاہت بھی رکھتا ہو۔

(۴) ورزش جسمانی سے بالطبع رغبت رکھتا ہو اور دوسرے میں ورزش کا شوق پیدا کر سکتا ہو اور ایثار سے کام لے سکتا ہو۔

(۵) تربیت جسمانی کے لئے اپنی زندگی وقف کر سکتا ہو۔

(۶) چھ مہینے کا کورس مدراس گورنمنٹ کا مسلمہ ہے اور وہ لوگ اس میں شریک

کئے جاتے ہیں جو تربیت جسمانی کی سرٹیفکٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں شرکت کے لئے ہائی سکول لیونگ کا میاب کو ترجیح دیجاتی ہے۔ اگرچہ لوئر تھ فارم کامیاب طلبا بھی لئے جاتے ہیں۔

نصاب کے مضامین حسب ذیل ہیں

(الف) تعلیم و عمل فزیکل پراکٹس۔

(ب) فزیکل ٹریننگ کے طریقے۔

(ج) فزی یالوجی۔

(د) حفظان صحت۔

(۱) آٹھ ہفتوں کا کورس ان ڈرل ماسٹروں کے لئے مخصوص ہے جو سرکاری مدارس میں ملازم ہیں اور ڈرل کے جدید طریقوں سے واقف ہونا چاہتے ہیں اگرچہ یہ مختصر کورس زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتا تاہم ایک شوقین اور محنتی ڈرل ماسٹر اس سے بہت کچھ سیکھ سکتا اور فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ہمارے ملک میں سررشتہ تعلیمات کے تحت سررشتہ ورزش جسمانی قائم ہے اور ایک مستقل صدر مہتمم ورزش جسمانی کا تقرر عمل میں آچکا ہے۔ پس اب ہمارے ملک کے لئے وہ وقت آنا چاہئے کہ طلبا کی جسمانی حالت [illegible] اور اس کے لئے سررشتہ تعلیمات بمشورہ سررشتہ ورزش جسمانی وہ تدابیر اختیار کرے کہ جلد موجودہ اسقام کی اصلاح ہو سکے ہماری رائے میں اس ملک میں بھی مثل مدراس کے ڈرل ماسٹروں کی ٹریننگ کے لئے ایک مدرسہ قائم کر دیا جائے تو مفید ثابت ہوگا یہاں سے جو ڈرل ماسٹر تربیت پاکر مدارس پر واپس ہوں گے وہ یقیناً مدارس کے لئے کارآمد ثابت ہوں گے۔

تبصرہ

خیابان مولوی شہنشاہ حسن صاحب رضوی نے لکھنؤ سے یہ رسالہ نکالا ہے، اس کے مقاصد حسب ذیل ہیں۔

(۱) اردو زبان و ادب کی تحقیق و تدقیق اور اصلاح (۲) اردو میں علوم مغربیہ و مشرقیہ کی ترویج (۳) سلف صالحین کے علمی کارناموں کا احیاء (۴) باقیات الصالحات کے علمی تحقیقات کی اشاعت (۵) دوسری زبانوں کے علمی تراجم، اقتباسات (۶) مطبوعات جدیدہ پر تنقید و تبصرہ۔

ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ یہ چھ مقاصد نہایت اعلیٰ ہیں، بلکہ جب ہم ان منصوبوں کی بلندی پر غور کرتے ہیں تو ایک دفعہ ہم ناچیز آدمیوں کا دماغ چکرا جاتا ہے۔ پہلے ہی مقصد کو لیجئے، اردو زبان و ادب کی تحقیق یہ اس مقصد کا پہلا جز ہے اور ہمارا خیال ہے کہ اس مقصد کو ہی صرف "خیابان" کما حقہ پورا کردے تو کم از کم ایک صدی کا گراں آ کام ہوگا۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ بلند حوصلہ مدیر نے اس پہلے مقصد کا دوسرا جزو اردو زبان کی اصلاح قرار دینے یا اصلاح ایک نہایت ہی مبہم لفظ ہے اور اسکے دو معنے ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ "خیابان" زبان کا ایک معیار قرار دے کر ان تمام اردو ادب کے رجحانات کو جو "خیابان" کے معیار کے مطابق نہ ہوں برا بھلا کہے اور ان کے خلاف اصلاحی آواز بلند کرے۔ دوسرے معنے اصلاح کے یہ ہو سکتے ہیں، کہ اردو ادب اور زبان میں کچھ جدتیں پیدا کی جائیں اور ان کو "خیابان" کے زریں صفحات کے ذریعہ رواج دینے کی کوشش کی جائے۔ پہلے معنوں میں اصلاح اس لئے ناکامیاب رہے گی کہ اردو ادب کے فطری رجحانات سے ٹکرائے گی۔ اور دوسری صورت میں ہمیں مجبوراً یہ عرض کرنا پڑتا ہے کہ جدت جان بوجھ کر کوئی مدیروں کا گروہ نہیں کر سکتا خواہ اس میں

کتنی ہی لانبی لانبی ڈگریوں والے نام شامل ہوں۔ جدت کا رجحان ایک ایسے قانون کے تحت ہے۔ جس کا راز اب تک نہیں کھلا ہے۔ اور بدقسمتی سے دنیا کی جامعات کی سب میں بڑی ڈگریاں اور ان جامعات کے عموماً جدت سے خالی بڑے بڑے پروفیسر بھی جدت کا راستہ نہیں دکھا سکتے اور جن دماغوں میں یہ بجلی فطرت نے ودیعت نہ کی ہو ان میں اس کو پیدا نہیں کر سکتے۔ ہم پھر یہ عرض کرتے ہیں "خیابان" کے آسمان سے باتیں کرنے والے مقاصد نے ہمیں بالکل چکرا دیا ہے۔ اس کا پہلا ہی مقصد اس قدر زبردست ہے کہ اگر اس کا عشر عشیر حصہ بھی "خیابان" کی گلفشانیوں سے پورا ہو جائے، تو اردو پر "خیابان" کا ابدالاباد تک ایک بڑا احسان ہوگا۔ اس کے بعد دوسرے مقصد کو ہم دیکھتے ہیں، تو "خیابان" کے ارباب حل وعقد کی بلند ہمتی پر شک آتا ہے۔ اس لئے کہ علوم مشرقیہ اور مغربیہ جو بلا مبالغہ ذخار سمندر ہیں ان کو اردو میں بند کر کے ان کا گھر گھر رواج دینا کسی ایک زبردست جامعہ کا بھی کام نہیں ہے ہمارے خیال میں صرف اس دوسرے مقصد کی تکمیل کے لئے ہی اگر خلوص دل سے کوشش کی جائے، تو "خیابان" ایک ماہوار انسائیکلوپیڈیا بن جائے گا۔ اور ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ بچارے "خیابان" کو مختلف علوم پر کہنے والے ماہرین کا بحار موجو فراہم کرنا دشوار ہی نہیں بلکہ محال ہوگا۔ غرض اسی طرح اب تیسرے مقصد پر نظر ڈالئے۔ ہمارے خیال میں یہ مقصد کچھ انگشت ششم کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے کہ علوم مشرقیہ میں کوئی جدید کارنامہ ہے ہی نہیں۔ جب "خیابان" کا دوسرا مقصد علوم مشرقیہ کی ترویج ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ ان علوم میں اگلے وقتوں کے جو کارنامے ہیں، ان کی ترویج کی جائے، اور اگرچہ کہ احیا کا لفظ بہت ہی پرتمکین اور باوقار ہے، لیکن اس کے معنے خواہ کسی پہلو سے دیکھا جائے، ترویج کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ چوتھا مقصد کچھ واضح نہیں ہے۔ غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ جو پرانی

دماغ کے صاحب علم آج کل اکا دکا بچ رہے ہیں ان کی علمی تحقیقات "خیابان" کے ذریعہ اردو دان دنیا کے سامنے پیش کی جائے۔ آج کل تحقیق کا لفظ اتنا سستا ہو گیا ہے کہ ہر کس و ناکس کے قلم سے بیدھڑک نکل جاتا ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ باقیات صالحات کے نہ تو قدامت پسندی کی وجہ سے دماغ اس قابل کہ وہ کسی قسم کی جدت کا خیال بھی کر سکیں، اور دوسرے یہ کہ واقعی ان لوگوں میں سے اگر کسی نے کوئی نئی بات پیدا کی تو وہ پردہ خفا میں نہیں رہی ہے۔ ایسے حضرات جنہوں نے واقعی تحقیقات کی ہو، اور اپنی تحقیقات کے روشنی میں آنے کے لئے "خیابان" کے جاری ہونے کے منتظر ہوں بہت ہی کم بلکہ نہیں ہوں گے۔ علاوہ اس کے باقیات الصالحات ان علوم سے ہی کھیل سکتے ہیں، جو علوم مشرقیہ کہلاتے ہیں، اور وہاں نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اب لفظی کھلونوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہا ہے۔ بہرحال اس استدلال کو تسلیم نہ بھی کیا جائے تو بھی صرف یہی ایک مقصد بے گنتی رسالوں کے لئے کافی ہے، کیونکہ علوم مشرقیہ بھی دو ایک تو ہیں نہیں، طرح طرح کے علوم ان میں شامل ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک رسالہ باقیات الصالحات کی گوناگوں تحقیقاتوں کی اشاعت اپنے دیگر بلند تریں مقاصد کے ساتھ کر سکے گا۔ اس کے بعد پانچواں مقصد دوسری زبانوں کے علمی تراجم کا ہے۔

اقتباسات کو جانے دیجئے، کیونکہ وہ بھی تراجم میں آ ہی جاتے ہیں۔ یہ مقصد بھی اپنی علمی شان اور وسعت میں جامعہ عثمانیہ سے ٹکراتا ہے جہاں باوجود ایک سلطنت کی تائید اور قابل لوگوں کے اجتماع اور روپے کو پانی کی طرح بہا دینے کے باوجود ابھی درسی کتابوں کی حد تک صرف ایک زبان انگریزی سے تراجم نہیں ہو سکے۔ ایسے پھر "خیابان" کی غیر محدود ہمت پر رشک آتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک زبان بلکہ مختلف زبانوں کے علمی تراجم کو اپنا نصب العین بناتا ہے۔ جاری دلی استدعا ہے کہ

"خیابان" اپنے اور تمام ستاروں کی طرح بلند اور چمکیلے منصوبوں کو پس پشت ڈال کر دوسری زبانوں کے علمی تراجم سے اردو کو مالا مال کر دے۔ ہم پھر عرض کرتے ہیں کہ "خیابان" کا یہی ایک کارنامہ اس کے مصنوں نگاروں کے لئے کم از کم ایک صدی تک نہایت کافی مشغلہ ہوگا، اور اگر اس کام کا ایک بٹا کڑوڑواں حصہ بھی پورا ہو گیا تو اردو ہمیشہ کے لئے "خیابان" کے گرانبار احسان کے نیچے دب جائے گی، اور ہم "خیابان" کے اسٹنگوں والے کارپردازوں کو بادب یقین دلاتے ہیں کہ ہماری دعائیں دن اور رات ان کے محض اس ایک مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے بارگاہ ایزدی میں نہایت عجز و الحاح کے ساتھ پیش کی جائینگی

ان مقاصد کو پیش نظر رکھکر جلد اول نمبر ایک کے مضامین کو دیکھا جائے تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس رسالہ میں جو مضامین درج ہیں وہ علمی اور قابل قدر مضامین ہیں بدقسمتی سے ہمارے بان کے رسالے بلحاظ مضامین ایک پر لطف کھچڑی ہو جاتے ہیں، نظم و نثر، ادب، تاریخ، سائنس، معاشیات غرض طرح طرح کی چیزیں گھلی ملی پائی جاتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس طرح کی علمی کھچڑی بلحاظ تنوع مزہ دے جاتی ہے۔ لیکن یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ ہمارے ہاں کے رسالے یکسوئی پیدا کریں۔ اور اپنے لئے ایک خاص میدان معین کرکے اسی میں اپنی جولانیاں دکھائیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اردو صحافت جب تک اس اصول پر کاربند نہ ہوگی ان کی تحریریں پبلک کو علمی فائدہ اس حد تک نہیں پہونچا سکیں گی جس کی توقع ان سے کی جانی چاہیئے۔ اور یہی خیال اسی بات کا محرک ہوا کہ ہم "خیابان" کے مقاصد پر تنقیدی نظر ڈالیں، ہم نے جو کچھ اس بارے میں اوپر لکھا ہے۔ اس پر ذرا سے غور کے بعد ناظرین اس نتیجہ پر پہونچ سکیں گے کہ ہمارے اردو رسالوں کو یکسوئی کی سخت ضرورت ہے۔

"ہ" کا ہر مضمون پڑھنے کے قابل ہے اور ان مضامین سے قابل مضمون نگاروں کی رست نگار علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ "خیابان" کے آیندہ نمبر بھی اسی بلکہ اس سے بلند تر پائہ کے ہوں گے۔

تمام کتب محروسہ سرکار عالی کے اساتذہ اس رسالہ سے علمی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ مدارس ثانویہ میں اس رسالہ کو خریدا جائے گا۔ چندہ سالانہ پانچ روپیہ اور دارالاشاعت دکٹوریہ اسٹریٹ لکھنو سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

شذرات

معتمد صاحب انجمن اتحاد نظام کالج نے انجمن کے سالانہ جلسہ کی رُوداد روانہ کی جو بجنسہ درج ذیل کی جاتی ہے۔

انجمن اتحاد نظام کالج کا سالانہ جلسہ بتاریخ ۲۵ فروری ۲۷ء روز جمعہ شام کے پانچ بجے منعقد ہوا تھا جس کا پروگرام حسب ذیل تھا۔

(۱) نظم خوانی۔ از جناب سلیمان معزالدین صاحب

(۲) تقریر جناب پکھتال صاحب بعنوان عربوں کے مروجہ حکایات

(۳) تقریر جناب صدر نشین صاحب۔ مسٹر اسپیٹ پروفیسر عثمانیہ کالج و نظام کالج صدر جلسہ قرار دئے گئے تھے۔

(۴) رپورٹ نائب صدر۔

(۵) تقسیم انعامات۔

(۶) اٹ ہوم۔

جلسہ ٹھیک پانچ سے شروع ہوا جس کی افتتاح میں جناب سلیمان صاحب
سنر سروجنی نائیڈو کی مشہور نظم Queen Gulnar (شہزادی گلنار) پڑھی۔ اس کے بعد
صدر صاحب نے لکچرار صاحب کا تعارف حاضرین سے کرایا اس موقع پر انہوں نے ایک چھوٹی
مگر پر لطف تقریر کی جس میں بکھتال صاحب کی قابلیت اور ذکاوت کا اظہار کیا۔
اس کے بعد بکھتال صاحب نے اپنی تقریر شروع کی جو تقریباً ایک گھنٹہ تک ہوتی رہی۔
تقریر میں زیادہ تر انہوں نے ان مضمون اور افسانوں کا ذکر کیا جو عرب میں عام طور پر مشہور
ہیں۔ ان قصوں کا اثر وہاں کے لوگوں پر ایسا ہی ہے جیسے کہ آج کل کے افسانوں کا
یورپ کے عوام پر ہے قصے اور کہانیاں نہایت ہی پر لطف تھے اور اس پر بکھتال صاحب کے
انداز بیان نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ ختم تقریر پر صدر صاحب نے بکھتال صاحب کا
شکریہ از جانب انجمن ادا کیا اور نائب صدر صاحب نے انہیں پھول کے ہار پہنائے
اس کے بعد نائب صدر انجمن نے اپنی سالانہ رپورٹ پڑھی جس میں اس
سال ان کے زیر ادارت جو کچھ کام انجمن نے کیا اس کا تفصیلاً حال بیان کیا۔
پھر انعامات تقسیم ہونے شروع ہوئے۔ یہ انعامات انجمن کی جانب سے
ان طلبا کو دیئے گئے جنہوں نے تقریری اور مضمون نگاری کے مقابلہ میں اور طالب علموں
پر فوقیت حاصل کی تھی۔ تقسیم انعامات کے بعد مہمان اور طلبا شریک اٹ ہوم ہوئے
جو انجمن کی جانب سے دیا گیا تھا۔ اس کے بعد اکثر مہمان چلے گئے اور صرف طالب علم
ہی ٹھیرے رہے جن کی تفریح طبع کے لئے کالج کے چند لڑکوں نے شیکسپیر کے ڈراموں سے
کچھ حصے ایکٹ کئے۔ اور عثمانیہ کالج کے ایک طالب علم نے جن کے ہم بے حد مشکور ہیں
چند حیرت انگیز شعبدے کے تماشے دکھلائے اور ناظرین کو محو حیرت کیا۔ معتمد انجمن نے
انجمن کی جانب سے ان کا شکریہ ادا کیا اور ایک تمغہ انہیں عطا کیا۔
جلسہ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے ختم ہوا۔

یورپ و ہندوستان کے اکثر کالجوں میں سال کے اختتام پر ایسے جلسے ہوتے ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ کالج کے تمام طلبا ایک جگہ جمع ہوں آپس میں ان کا اختلاط اور میل جول بڑھے۔ تمام سال کے کام کے بعد ایسے پُرلطف جلسے کالج کے لڑکوں کے لئے تفریح طبع کا کام دیتے ہیں۔ ان موقعوں پر اگر دیگر معزز اصحاب مدعو کئے جائیں تو کالج کے طلبا کو اس بات کا موقع ملتا ہے کہ وہ اپنا دائرہ ملاقات وسیع کریں اور معزز سوسائٹی سے واقف ہو جائیں۔ اگر قابل لوگوں کی تقریریں مقرر کی جائیں تو ان سے لڑکوں کے معلومات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ جلسے خاص طالب علموں کی جانب سے مقرر کئے جاتے ہیں۔ آکسفورڈ اور کیمبرج میں ایسے جلسے نہایت ہی اہتمام کے ساتھ کئے جاتے ہیں جن میں ملک کے تمام معزز لوگ بلائے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں جہاں کے اکثر طالب علم سوائے کتابوں کے کیڑے بنے رہنے اور دیگر مصروفیات میں حصہ نہیں لیتے ایسے جلسے مقرر کرنا گویا طالب علموں کی خشک زندگیوں کو پُرلطف بنانا ہے۔ اور انہیں یہ محسوس کرانا ہے کہ طالب علموں کے لئے نہ صرف یہی لازم ہے کہ وہ اپنی زندگی کتاب پر ہی صرف کریں بلکہ انہیں چاہئے کہ وہ اور سوشیل مصروفیات میں بھی حصہ میں، کھیل کود میں شریک ہونا بھی ان کا فرض ہے۔

مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ کا سالانہ جلسہ بتواریخ ۹ و ۱۰ فروری ۱۹۰۰ء زیر صدارت عالیجناب مولوی سید محی الدین صاحب مددگار ناظم تعلیمات منعقد ہوا حسب سابق مدرسہ کے مستعد صدر مدرس مولوی عبدالستار صاحب سبحانی کی ہر دلعزیزی اور انتظامات جلسہ کے باعث حاضرین کی تعداد کئی سو تک پہنچ گئی تھی اور اگر جگہ ہوتی اور روک ٹوک نہ کی جاتی تو شاید تمام گلبرگہ کے باشندے جمع ہو جاتے۔

جلسہ کا پروگرام بہ نسبت سالگزشتہ مختصر اور دلچسپ تھا۔ نمایش تعلیمی اعلیٰ پیمانہ پر تھی

اور مدرسہ کے اس حصہ میں کی گئی تھی جو گلزار بنا دیا گیا تھا ۔ نمایش مذکور میں بعض ر
قابل دید تھیں لیکن ان سب کو ایسے طریقہ پر آراستہ کیا گیا تھا کہ قدیم
کے تمیز کرنے میں دشواری ہوتی تھی اور اس امر کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا
بمقابلہ سال گزشتہ کس حد تک ترقی کی گئی ہے ۔

حمد و نظم کے بعد مہمانوں کی تفریح طبع کے لئے ڈرامے بھی کئے گئے اور اثر دلپذیر
اشخاص نے لڑکوں کی ایکٹنگ کو پسند کیا ۔

مولوی سید محی الدین صاحب صدر جلسہ سالانہ کی تقریر صدارت ایسی پر مغز
و معنی خیز تھی کہ جی چاہتا تھا کہ اس کو قلمبند کر لیا جائے ۔ اس کا لب لباب یہ تھا کہ ہر شخص کی
تعلیم کے تین مدارج ہوتے ہیں ۔ ایک درجہ وہ ہے جب کہ وہ آغوش مادر میں رہتا ہے
دوسرا جب کہ وہ مدرسہ میں شریک کیا جاتا ہے اور کارپردازان سررشتہ تعلیمات
کے سپرد کر دیا جاتا ہے ۔ تیسرا جب کہ وہ سن شعور کو پہنچنے کے بعد اپنی ذاتی سعی سے
تحصیل علم کرتا ہے ۔ سررشتہ تعلیمات اس طرح صرف چند سال کے لئے عمر کے
ایک حصہ کی حد تک تعلیم و تربیت کا ذمہ دار ہے پس کسی تعلیم یافتہ کے طرز عمل و عادات
کی پوری ذمہ داری سررشتہ مذکور پر عاید کرنا ہرگز درست نہیں ہو سکتا ۔ صاحب
ممدوح نے اس خیال کی بھی تردید کی کہ جدید تعلیم سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا
انہوں نے نہایت جوش کے ساتھ فرمایا کہ جدید تعلیم کو جاری ہوئے بہت مشکل سے نصف
صدی گزری ہے کسی قوم کی حالت معلوم کرنے کے لئے نصف صدی تو کیا ایک
صدی بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی کیونکہ قوم کی زندگی میں نصف یا ایک صدی کو وہی
نسبت ہے جو ایک خطرہ کو تالاب سے ہے آخر میں صاحب ممدوح نے مولوی
عبدالستار صاحب سبحانی کو ان کے مدرسہ کے عمدہ نتائج امتحانات پر مبارکباد
دی ۔ واقعی نتائج نہایت بہتر رہے ہیں ۔ متعدد لڑکوں نے عثمانیہ کالج میں وظائف

کئے ہیں۔ ہم بھی مولوی عبدالستار صاحب سبحانی اور ان کے اسٹاف کو
جلسہ سالانہ کی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں۔

اختلاط او
سال کی خاموشی کے بعد اس مرتبہ ہائی اسکول گلبرگہ کا سالانہ جلسہ بتواریخ ۲۹ر
کے لئے
و ۳۰ر مئی و یکم جون بال سپرنٹنڈنٹ صاحب صدر مدرس اور اسٹاف مدرسہ مذکور کی کوشش کے
باعث تزک و احتشام کے ساتھ مولوی میر عالم علی خاں صاحب سشن جج گلبرگہ کی
صدارت میں منعقد ہوا۔ صحن مدرسہ کا وہ حصہ جس پر خاک اڑتی تھی چمن بندی سے ایسا خوشنما
ہوگیا تھا کہ آنکھوں میں طراوت آتی تھی۔ نمایش تعلیمی عمارت مدرسہ میں کی گئی تھی سامان
عمدگی سے آراستہ کیا گیا تھا اور ایک خصوصیت یہ بھی رکھی گئی تھی کہ مختلف لڑکوں کو
ناظرین اپنا اپنا کام کرتے دیکھتے تھے۔

پروگرام میں ایک جدت یہ تھی کہ آغاز جلسہ سے قبل ایک اردو و انگریزی
کا مناظرہ رکھا گیا تھا اور جلسہ کے پہلے روز انجمن اساتذہ مدرسہ کا جلسہ مقرر کیا گیا تھا
جس کی سالانہ رپورٹ اس کے معتمد مولوی قادر حسین صاحب نے سنائی اور اس کی
مطبوعہ کاپیاں تقسیم بھی کی گئیں۔ اس کے بعد جناب صدر مہتمم صاحب تعلیمات صوبہ گلبرگہ
نے پینتالیس منٹ تک جلسہ سالانہ کی اہمیت پر دلچسپ تقریر کی۔ ڈرامے کئے گئے
اور دوسرے روز شام کے وقت دوسرے اجلاس کا آغاز ہوا۔ "واعظ و شاعر"
کا مکالمہ بہت پرلطف رہا صدر مدرس صاحب نے مدرسہ کی رپورٹ سنائی اس کے بعد
انعامات تقسیم کئے گئے جو نہ صرف سرکاری بلکہ بہی خواہان مدرسہ و خوش باش اشخاص
گلبرگہ کے معطیہ بھی تھے۔ بعض لڑکوں نے ایسا عمدہ ایکٹنگ کیا تھا کہ صدر صاحب
ممدوح نے ان کو اپنی جانب سے متعدد انعامات عنایت فرمائے۔ یہ جلسہ مولوی
میر عالم علی خاں صاحب کی صدارت میں بہت کامیاب ثابت ہوا حاضرین کی تعداد کثیر تھی

ہم صدر مدرس صاحب اور ان کے اسٹاف و طلبہ کو تہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں

بتاریخ ۱۰ فروری ۱۳۳۶ف مدرسہ فوقانیہ نانڈیڑ کا جلسہ اسپورٹس
مولوی میر ہاشم علی خاں صاحب ناظم عدالت منعقد ہوا۔ جس میں اکثر سرکاری معززین و مدرسین مدارس و طلبا شریک تھے۔
چند انعامات منجانب مدرسہ دیے گئے اور چند نقروی میڈل جناب مولوی غلام محمد خاں صاحب صدر مہتمم بندوبست ضلع نانڈیڑ نے عطا فرمائے۔

بتاریخ ۹ فروری ۱۳۳۶ف روز جمعہ ۴ بجے شام مدرسہ فوقانیہ کی بازگاہ پر صدارت عالی جناب نواب میر یار جنگ بہادر میر مجلس عدالت العالیہ (جو حسن اتفاق سے اسی روز بتقریب دورہ مستقر پر تشریف لائے تھے) منعقد ہوا جملہ عہدہ داران مقامی شریک جلسہ تھے۔ اور ڈیڑھ دو ہزار کا مجمع تھا نماز مغرب تک طلبا کے اسپورٹس اور بوائز اسکوٹ کے کرتبوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اذان کے بعد جناب صدر اور حاضرین نے نماز مغرب ادا کیا بعد طلبا مدرسہ نے قرأت کے بعد حمد و نعت پڑھی۔
رودادِ سند و طلبا نے پڑھی گئی۔ اور دو کمسن طالب علموں نے مکالمہ کیا۔ مکالمہ میں سرکاری تعلیم کی اہمیت اور خانگی تعلیم پر مکالمہ کیا گیا تھا۔ جو بہت ہی دلچسپ تھا
مکالمہ کے بعد مولوی احمد عبدالعزیز صاحب (مولوی فاضل و منشی فاضل) صدر مدرسہ نے مدرسہ کی مفصل رپورٹ پڑھی اور مولوی فخرالدین احمد بی۔ اے اول مددگار مدرسہ نے تقریر کی۔ اس کے بعد جناب صدر جلسہ نے طلبہ کو مخاطب کر کے مختصر و جامع تقریر فرمائی۔ اثنائے تقریر میں بیان فرمایا کہ "جس وقت تم میرے سامنے مارچ کر رہے تھے تو میرے دل میں خیال آیا کہ جس طرح تم ہمارے سامنے مارچ کر رہے

ہم بھی خدا کی طرف اپیل کر رہے ہیں ایک دن وہ آئے گا کہ تم ہمارے جانشین ہمارا وقت موجود نہ ہوں گے۔ مجھے امید ہے کہ تم ہم سے بہتر طریقہ پر دنیا کے لئے" بعدہٗ اساتذہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "اگرچہ آپ لوگوں کی تنخواہیں کم ہیں لیکن یہ خاص اہمیت اور احترام رکھتا ہے آپ کو اپنی تنخواہوں کا سوال نہیں کرنا چاہئے بلکہ اپنے پیشہ کی اہمیت اور احترام کا احساس کرنا ضروری ہے" اس کے بعد اسناد و کتب کی تقسیم عمل میں آئی اور اسکوٹ بوائز کو نقرئی تمغے اور اسپورٹس میں اول آنے والے طلبا کو انعامات دئے گئے۔ آخر میں اسکوٹ بوائز نے مشق ڈرل دکھائی۔

بتاریخ ۱۶ اسفندار ۱۳۳۲ف مدرسہ تحتانیہ جیورگی ضلع گلبرگہ کا سالانہ جلسہ زیر صدارت مولوی فرید احمد صاحب تحصیلدار منعقد ہوا۔ صدر مدرس صاحب نے رپورٹ مدرسہ پڑھی اور بعض مقامی حضرات نے تقریریں فرمائیں جس میں رعایا کو تعلیم کی طرف ترغیب و تحریص دلائی گئی اور سفری کتبخانے کے فوائد و قواعد بتلائے گئے۔

مولوی شیخ ابوالحسن صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ٹی مہتمم تعلیمات ضلع سیدک نے بتاریخہائے ۳۰ ہردے و یکم بہمن ۱۳۳۶ف مدرسہ تحتانیہ قصبہ مرودشی کا معائنہ فرمایا بعد ختم معائنہ مدرسہ مذکور میں بتاریخ ۳ بہمن ۱۳۳۶ف یوم سہ شنبہ وقت صبح قبل از آغاز مدرسہ۔ بصدارت صاحب ممدوح الصدر سرسری جلسہ تقسیم کتب انعامی منعقد ہوا صدر نشین صاحب نے اکتالیس منتخب طلبا کو کتب انعامی تقسیم فرمائے۔

مدرسہ تحتانیہ آئینہ پور تعلقہ چرپال ضلع نلگنڈہ کا پہلا سالانہ جلسہ ۱۷ اسفندار ۱۳۳۶ف

شب کے ۷ بجے مسٹر آر بنڈے راؤ صاحب پٹواری کی صدارت سے مدرسہ
شرکار کی تھا۔ ساڑھے چار سو سے زیادہ تھی۔ جلسہ کا آغاز حمد و نعت سے کیا گیا
بعد صدر صاحب نے علم پر ایک مدلل تقریر کی ازاں بعد صدر مدرس نے تربیت اطفال
متعلق پرزور تقریر کی اور ساتھ ہی ساتھ ضروری اغراض مثل نٹ بال اسپنج بال
وغیرہ کے لئے چندہ کی تحریک پیش کی اس کے بعد محمد عثمان شریف صاحب مددگار نے
پبلک کی عدم توجہی علم کے متعلق تقریر کی جس کو رگھوراؤ ساستری نے بزبان تلنگی
واضح طور پر سامعین کو آگاہ کیا۔ ازاں بعد صدر صاحب نے نہایت ہمدردی کے
لہجہ میں رامریڈی صاحب ڈیسکہ کو فرنیچر کے لئے توجہ دلائی صاحب موصوف نے
اس کلام سے متاثر ہوکر چار بنچ کا چوبینہ عطا کیا۔ اور خود صدر صاحب نے ۱۰۰
روپیہ کا ایک فٹ بال پیش کیا اور رام چندر راؤ صاحب مقطعہ دار و ساہوکاران سو
گھڑیال و نیز ضروری اشیاء کے لئے ۵۰ روپیہ چندہ دیئے بعد دعائے سلامتی
حضرت اقدس اعلیٰ مع شاہزادگان والاتبار عطر و پان و شیرنی تقسیم کرکے جلسہ ۱۱ بجے
شب کو برخاست کیا گیا۔

انگلستان میں بطور آزمایش ایک پبلک اسکول قائم کیا جا رہا ہے جس کا نام
امپایر پبلک اسکول ہوگا۔ اس مدرسہ میں سمندپار ممالک کے نوجوانوں کو شریک کیا جائے گا
اور انگریزی پبلک اسکولس مثلاً ایٹن اور ہیارو کے روایات کے مطابق تعلیم دی جائے گی۔
اس اسکیم میں انگلستان کے مشاہیر گہری دلچسپی لے رہے ہیں اور ایک امیر کا مکان مدرسہ
کے لئے خرید اجا رہا ہے۔ اس مدرسہ میں کینڈا آسٹریلیا اور دیگر ایسے ممالک تحت
برٹش امپائر کے نوجوان لئے جائیں گے جو گورا رنگ رکھتے ہوں۔ افسوس ہندوستانیوں کے لئے
اس مدرسہ میں بھی جگہ نہیں۔ ہندوستانی نوجوان شریک نہ کئے جائیں گے۔

تاریخی و جغرافیکل اٹلس دولت آصفیہ سرکار عالی

اس اٹلس میں ملک سرکار عالی اور اس کے جملہ اضلاع و نیز پائیگاہوں و دستانات و دیگر ملک سرکار کے نقشہ جات نہایت صحت کیساتھ طبع ہوئے ہیں اور ہر نقشہ کے محاذی پورے صفحہ پر مکمل تاریخی و جغرافی معلومات بالتفصیل درج کئے گئے ہیں ناظرین اٹلس ہذا آئندہ ہر ایک حصہ ملک کے ضروری جغرافی حالات معلوم کرنیکے لئے کسی مزید جغرافیہ کے ملاحظہ کی ضرورت داعی ہوگی یہ پہلا موقع ہے کہ اس اہتمام کیساتھ ہمارے ملک کا اٹلس طبع ہوکر پیش ناظرین ہو رہا ہے امید کہ ملک کے قدردان اصحاب اور مدارس کے طلباء مدرسین اس نادر تحفہ کے طلب کرنے میں عجلت سے کام لیں گے تاکہ موجودہ نسخے ختم ہونے پر انہیں طبع ثانی کا انتظار نہ کرنا پڑے اس اٹلس کی قیمت صرف ایکروپیہ چار آنہ ہے ۔ ن اٹلس کو صدر مجلس انتخاب کتب صدر دفتر نظامت تعلیمات سرکار عالی منعقدہ ماہ آبان ۱۳۳۵ف نے کل مدارس سرکار عالی کے کتب خانوں کے لئے منظور فرمایا ہے۔

ملنے کا پتہ سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر مالک اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

اردو نستعلیق ٹائپ میں

روح جاپان

نواب مسعود جنگ بہادر

کا

وہ معرکۃ الآرا لکچر جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے اور

اسکا اردو نستعلیق ٹائپ میں چھپنا قابل دید ہے ایسا نستعلیق ٹائپ ابھی تک تیار نہیں ہوا تھا لحاظ طباعت روح جاپان ایک یادگار کتاب ہے لحاظ مضمون بھی جاپان کی روح کی تصویر ہے اس طرح یہ رسالہ لکھا اور دماغ دونوں کی بہترین ضیافت ہے قیمت (۱۰) علاوہ محصول ڈاک

دفتر رسالہ المعلم بگبرامی ہوسا پنچہ توحید آباد دکن سے طلب کیجئے

بچوں کا قاعدہ

ے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات صاحب گلبرگہ

(داخل نصاب سررشتہ تعلیمات صوبہ متوسط وبرار)

(اقتباس از چند آرا)

ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب اقبال جہاں تک میں اندازہ کر رہا ہوں آپکا قاعدہ صحیح علمی اصول پر مبنی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپکا مجوزہ طریق بچوں کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا میں بھی انشاء اللہ اپنے بچے پر اسکا تجربہ کرونگا

مولوی سید علی اکبر صاحب بی اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات بلدہ لکا قاعدہ دیدہ زیب ہے اور چھوٹے لڑکے لڑکیوں کا دل لبھاتا ہے میرا لڑکا جس کی عمر تقریباً پانچ برس کی ہے۔ پ ہی کا قاعدہ پڑھ رہا ہے اور اس قاعدہ اس قدر پسند کرتا ہے کہ اس کے خراب ہونے کے ڈر سے دوسروں کو چھونے تک نہیں دیتا۔ اگر مدرسین آپکی ہدایات مطابق احتیاط سے عمل کریں تو بیشک آپ کا قاعدہ جماعت صغیر کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔

مسٹر انیگر صاحب صدر مہتمم مدارس نسوان حیدرآباد دکن میں نے از خود آپ کا قاعدہ خرید لیا اور میرا ارادہ ہے کہ اس کو اپنے تمام مدارس میں رائج کردوں۔

مولوی فیروز الدین صاحب مراد پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ آپ کا قاعدہ بہت عمدہ اور دلچسپ ہے افتتاح یونیورسٹی پر میں اس کو یہاں کے مدرسہ میں رائج کرانے کی کوشش کروں گا۔

یہ قاعدہ جو اپنی آپ نظیر ہے اور صوبہ متوسط وبرار میں داخل نصاب ہو چکا ہے ہمارے ڈپو سے بقیمت ۴ مرفی نسخہ ملسکتا ہے۔ مدارس و تاجران کتب کو مناسب کمیشن دیا جاتا ہے ہمارے بک ڈپو میں نہایت عمدہ انگریزی کتب و بچوں کی دلچسپی کے تعلیمی کھیل و اسٹیشنری کا سامان عمدہ اور ارزاں موجود ہے سنہ ۱۹۲۴ء کے عجیب و غریب کیلنڈر و دلکش و دلگداز تصاویر و پوسٹ کارڈ کا بہترین ذخیرہ ہے

دی حیدرآباد بک ڈپو چادر گھاٹ حیدرآباد دکن

رجسٹرڈ نمبر ۳۰۶

نمبر ۱ و ۱۱

المعلم

ع

ماہ خورداد و تیر سنہ ۱۳۳۶ ف

محمد سجاد مرزا۔ ایم۔ اے۔ (کنٹب)

شریک مدیر محمد عظمت اللہ خاں۔ بی۔ اے

اعظم اسٹیم پریس چارمینار

حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ محض علمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہونگے سیاسی اور مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائینگے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شایع ہوا کریگا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار احیان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہونگے ان کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت [illegible] ہے جو پیشگی لی جائیگی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ پانچ آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائیگا۔

(۷) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہیے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہیگی۔

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے رقم وصول ہونے پر اشتہار طبع کئے جائینگے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	[illegible]	[illegible]	[illegible]
سہ بار	[illegible]	[illegible]	[illegible]
ششماہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]
سالانہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ موسومۂ شریک مدیر پتہ ذیل پر ہونی چاہیئے۔

محمد عظمت اللہ خاں بی۔ اے۔ شریک مدیر

دفتر رسالۂ العلم بلگرمی ہوز سانچہ توپ

حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مندرجات
المعلم

(۱) خطبہ صدارت مہارانی صاحبہ بڑودہ	مترجمہ مولوی محمد عثمان صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی۔ڈی (انگلینڈ) ایڈیٹر اصدیہ عثمانیہ ٹریننگ کالج لمبدہ	(۱ تا ۱۶)
(۲) بسنت لوزی کے مزار پر دو پھول	مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔اے (آکسن) نائب ناظم تعلیمات وکار عالی	(۱۶ تا ۲۲)
(۳) امتحان۔	مدیر	(۲۲ تا ۲۸)
(۴) انگریزی کا پڑھانا۔	ڈی۔ان۔ایچ مترجمہ شریک مدیر	(۲۹ تا ۳۸)
(۵) موضعات کی صفائی کے متعلق چند مدعی سادی ہدایتیں۔	مترجمہ ڈاکٹر سید بی۔سورتی ایف۔آر۔سی۔ایس۔سیول سرجن گلبرگہ	(۳۸ تا ۴۸)
(۶) مدرسہ گھڑی سازی		(۴۹ تا ۵۰)
(۷) ہندوستان میں ابتدائی (پرائمری) تعلیم۔	مولوی احمد عبداللہ صاحب۔الدرسی متعلم بی۔اے عثمانیہ کالج	(۵۱ تا ۶۰)
(۸) جڑوں کا پانی جذب کرنا۔	مسٹر بنگ موسبز۔ان بی۔ایس۔سی۔ایل۔ٹی	(۶۱ تا ۶۴)
(۹) حسابی اسباق پر چند اشارات۔	مسٹر ڈی۔ایس۔ہوگلے بی۔اے۔بی۔ٹی ٹیچر گورنمنٹ کالج ٹریننگ اسکول اورنگ آباد	(۶۵ تا ۷۰)
(۱۰) دھاب کے انجن پر ایک عام مہم سبق	مترجمہ شریک مدیر	(۷۰ تا ۷۳)
(۱۱) پنجاب میں جبری تعلیم کی توسیع	ماخوذہ رفیق التعلیم	(۷۳ تا ۷۴)
(۱۲) ڈوالسٹنی تجویز	مترجمہ شریک مدیر	(۷۴ تا ۷۸)
(۱۳) تبصرے۔ (۱) مجلہ عثمانیہ (۲) سالنامہ صحیفہ (۳) رسالہ تجلی۔ (۴) روئداد اجلاس سوم صدر انجمن اساتذہ ہوبلی گلبرگہ	شریک مدیر	(۷۸ تا ۸۳)
(۱۴) شذرات۔		(۸۴ تا ۹۶)

جلد سوم | بابتہ ماہ خورداد و تیر سنہ ۱۳۳۶ف | نمبر ۱۰ و ۱۱

خطبہ صدارت مہارانی صاحبہ بڑودہ

ریاست بڑودہ کی مہارانی صاحبہ کے خطبہ کا ترجمہ ناظرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کی پہلی ستوراتی کانفرنس کے موقع پر یہ خطبہ دیا گیا تھا۔ اس خطبہ میں ہندوستانی بیویوں کی تعلیم اور ترقی پر ایسے خیالات ملینگے جن کے بغیر ہندوستان کی ترقی قریب قریب ناممکن ہے۔

اس گروہ کو عام طور پر تعلیم یافتہ اصحاب سمجھ چکے ہیں کہ جب تک ہماری گھر والیاں شائستہ نہ ہونگی اور ہماری زندگی میں ہر پہلو سے اپنی بساط بھر شریک ہو کر حصہ نہ لینگی۔ ہندوستان کی تمدنی ترقی صحیح معنوں میں اس وقت تک نہ ہوگی۔ جو کچھ

کوشش ہندوستانی بیویوں کی تعلیم کے لئے کی جارہی ہے وہ بہت ہی ناکافی ہے بلکہ اصولاً یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر فی الحال مردوں کی تعلیم روک بھی دی جائے تو تمام جدوجہد نسوانی تعلیم کے لئے وقف کردی جائے تو آخر میں چل کر ہندوستان کو اس ترکیب سے جو فائدہ ہوگا وہ موجودہ مردانہ تعلیم سے بدرجہا قیمتی ہوگا۔

جو بیویاں پردہ نشین ہیں ان کی تعلیم میں ایک اور دیوار حائل ہے جس کو مصلح صاحبان پہلے توڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ نہایت غلط طریقہ ہے تحصیل علم کے لئے اگر مفلسی جیسی خطرناک مصیبت رکاوٹ نہیں ہوسکتی تو پردہ بیچارہ کیا حائل ہوسکتا ہے۔ کیونکہ پردہ نشین ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ بیویاں ان انمول علمی جواہرات سے مزین نہ ہوں جس طرح وہ اپنے آپ کو طرح طرح کے نفیس اور قیمتی زیوروں سے سنوارتی ہیں۔ پر لطف بات یہ ہے کہ پردہ میں بیٹھ کر کیسا ہی سنگار کیا جائے اس سے کیا حاصل۔ اس سنگار کو دیکھنے اور اس کی تعریف کرنے والے سوائے اپنے بے پردہ عزیز و اقرباء کے اور کون ہوسکتا ہے اور ایسے رشتہ داروں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ باوجود اس کے ہماری پردہ نشین بیویاں قیمتی زیور پہنتی ہیں اور خوش ہوتی ہیں۔ اسی طرح یہی بیویاں اپنے آپ کو علم اور ہنر کے زیور سے بھی آراستہ و پیراستہ کرسکتی ہیں۔ اور اس زیور سے ان کو وہ مسرت حاصل ہوگی جس سے گھر گھر بنتا ہے۔

رہے یہ سوالات کہ پردہ فی نفسہ مفید ہے یا مضر اور یہ کہ کم از کم مسلمانوں میں جو پردہ رائج ہے وہ شرع شریف کے کہاں تک مطابق ہے۔ یہ اور ان کے اور ضمنی سوالات سب اس وقت حل ہوسکتے ہیں جب کہ ہماری نسوانی دنیا میں تعلیم اچھی طرح رواج پاجائے اور ان بحثوں میں پردہ نشین صنف بھی سمجھ داری اور سنجیدگی سے حصہ لے سکے۔

غرض ہمارے استدلال کے بموجب پردہ نسوانی تعلیم کا مانع نہیں ہے البتہ کچھ مشکلات کا اضافہ پردہ سے ضرور ہوجاتا ہے مگر وہ مشکلیں ایسی نہیں ہیں جو آسانی سے مل جل کر اور معاملہ فہمی کے ساتھ دور نہ ہوسکیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے قارئین مہارانی صاحبہ کے خطبہ کو غور سے پڑھینگے اور تعلیم نسواں کے ضروری مسئلہ پر عملی توجہ کرینگے کیونکہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ پردہ کی وجہ سے نہیں بلکہ جہالت کی وجہ سے ہماری آدھی سے زیادہ آبادی نکمی اور مفلوج ہے اور بجائے اس کے کہ ہماری ترقی میں اہم معاونت کرے خطرناک روڑے اٹکاتی ہے۔ ہمیں مہارانی صاحبہ کے کل خیالات سے اتفاق نہیں ہے لیکن ان کا خطبہ ہماری غور و فکر میں ایک رہنما چراغ کا کام دے سکتا ہے۔

ہم شکر گزار ہیں کہ ہمارے لائق دوست مولوی محمد عثمان صاحب بی۔ اے۔ ٹی ڈی انگلینڈ نائب صدر عثمانیہ ٹریننگ کالج بلدہ نے اس خطبہ کا سلیس اور مدلل ترجمہ عنایت فرمایا ہے۔ جس کے سمجھنے میں ہمارے بھائی اساتذہ صاحبان اور ہماری بہنیں اُستانی صاحبان کو کوئی دقت نہ ہوگی۔

(شریک مدیر)

بہنو اور بھائی آل انڈیا زنانہ کانفرنس کی نمایندو!

ہمیں ایک شریف کام میں حصہ لینے کے لئے طلب کئے جانیکی عزت حاصل ہوئی ہے اگر ہم اس موقع کو اس کی ذمہ داریوں کے احساس کے ساتھ اور اس کے وسیع امکانات کو مدنظر رکھکر استعمال کرینگے تو اس سے تاریخ ترتیب پائیگی۔ ہم یہاں ہندوستانی شائستگی کی احیاء کی اٹھتی ہوئی موج کے ساتھ اور اس چیز کی آغاز پر جس کو صحیح طور پر ہندوستانی نشأت ثانیہ کہا جاسکتا ہے۔ اب مسئلہ پر بحث کرنے جمع ہوئے ہیں جو دیگر مسائل سے زیادہ ایک بڑی قوم کی دوبارہ زندگی کی بیخ و بنیاد سے وابستہ ہیں۔ ہم اُن مسائل پر بحث کرنے مجتمع ہوئے ہیں جو اس نسل کی آئندہ ماؤں کی تعلیم اور عام فلاح و بہبود کے لئے ضروری ہیں۔

دوستو! یہاں اور جہاں کہیں بھی ہندوستان میں اس موتمر کی خبر پہنچی ہمیں اس کا فوراً اظہار کرنا چاہیئے کہ اس آل انڈیا موتمر نسوان کا واقعہ جو اپنی نوعیت کی پہلی ہے، علامت ہے اس امر کی کہ عورتوں نے قومی احساس کے مظاہرہ کی قوت حاصل کرلی ہے۔ ہمیں اس کو ایک ایسی تحریک کی ابتداء بنانا چاہیئے جو ہر اُس شخص کی امداد و تائید کی طالب اور مستحق ہو جس نے اپنی ماں کا ہمیشہ احترام کیا ہو اور ہر اُس عورت کی جس میں سمجھنے کی صلاحیت ہے۔ اس نوعیت کی موتمر کو اُن نصب العین کے حصول کے ذرائع کے مشکل مسائل کو حل کرنے میں بہت کچھ کرنا چاہیئے جو ہمارے روبرو ہیں۔ اس قسم کی موتمر عمل کے لئے صلائے عام ہے۔ اُن لوگوں کے لئے ایک چانچ ہے جو ہمیں روکنا چاہتے ہیں اور جہالت و غلامی پر آزادی اور روشن خیالی کی فتح میں اشتراک عمل کی ملہم ہے۔

میں اس موقع کی عظمت اور اس تحریک کی زبردست اہمیت سے جس میں حصہ لینے کی ہمیں دعوت دی گئی ہے واقف ہوں اور اس سے زیادہ میں محسوس کر رہی ہوں کہ میں اس موقع پر آپ کے خیالات کی رہنمائی اور آپ کے مباحث کی صدارت کرنے کے ناقابل ہوں تاہم ہندوستانی خواتین کے مسائل پر کئی سال غور کرنے کے بعد میں آپ کی دعوت سے جس کی عزت آپ نے مجھے دی ہے انکار نہیں کرسکتی تھی۔ اس کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے میں اس کام کو ایک فریضہ کی حیثیت سے جسکے تفویض کئے جانے پر ہر عورت کو فخر کرنا چاہیئے قبول کرتی ہوں۔ میں دعا کرتی ہوں کہ میں اپنے آپ کو اس فرض کے بہت نااہل ثابت نہ کروں۔

مجھے شہر پونہ کو اور خصوصاً اُن حضرات کو جو پونہ میں تعلیم نسوان کے مقصد کے علمبردار رہے ہیں مبارکباد دینے کی اجازت دیجئے کہ یہ کانفرنس پہلے پہل اس شہر میں منعقد ہوئی مجھے یقین ہے کہ ہماری موتمر اس مقام کے گذشتہ روایات اور جدید تہذیب اور ذہنی پاکیزگی سے قیمتی الہام حاصل کریگی۔ میں یاد کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ مہاراشترا اور تنہا مہاراشترا ہی نہیں شیواجی کی مرد انگی کی کس قدر منت کش ہے۔ میں یہ یاد کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ انسانوں کے اس قائد کی سیرت

کس حد تک اس کی تعلیم اور تربیت پر منحصر تھی جو اس نے اپنی ماں کی محبت آلود نگرانی میں پائی تھی جو باوجود تنہا چھوڑ دئے جانے کے اپنے اعلیٰ ترین فرض سے بخوبی واقف تھی۔ شیواجی کی ولادت کے بعد وہ اس کی شخصیت کی اصلاح اور سنوار کے طویل عمل میں مشغول و منہمک ہو گئی۔ اس امر سے ہمیں محسوس کر لینا چاہیئے کہ عورت کو صرف صحیح جسم بلکہ صحیح روح بھی پیدا کرنے کے قابل ہونا چاہیئے۔ ہمیں محسوس کر لینا چاہیئے کہ اس کے لئے۔ اپنے لئے اور عام مسرت و خوشحالی کے لئے عورت میں وہ سب کچھ ہونا چاہیئے جو اس مشہور فقرہ صحیح جسم اور صحت عقل کا مفہوم ہے۔

صحیح عقل اور صحیح جسم صرف صحت بخش سوسائٹی ہی میں ممکن ہیں جو لوگ ہندوستانی خواتین کی فلاح و بہبود کے مقصد کو اپنے دل سے لگائے ہوئے ہیں یہ دیکھے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اہم مسائل میں سے کئی ایک کا تعلق عورتوں کی سماجی مرتبت اور اس رسم و رواج سے ہے جو اس مرتبہ کے غلط نظریہ کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں۔ اس امر کو تفصیل سے بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہندو دھرم میں عورت کا رتبہ و تخیل اتنا ہی بلند ہے جتنا کہ کسی اور ملک اور قوم میں ہے یا رہا ہے اور نہ میں اُن تاریخی وجوہ کے تجزیہ کا بار آپ پر ڈالونگی جنکی وجہ سے اس تخیل کی ایسی خطرناک خلاف ورزی کی گئی۔ ہم یہاں ماضی پر بحث کرنے جمع نہیں ہوئے ہیں بلکہ ہم یہاں آزادی کا علم بلند کرنے اور اصلاح کا کام شروع کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں۔

ہمیں چند سماجی و (اجتماعی) رسم و رواج پر جو فوری اصلاح و تبدیل کے متقاضی ہیں۔ مختصراً غور کرنا چاہیئے۔ ان کی نوعیت ایسی ہے کہ ہمارے صلائے عام کے جواب میں ہر طرف سے لبیک کے سوا اور کوئی جواب نہیں مل سکتا۔ اس مسئلہ میں ہم عورتوں کو ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے اور مرد ہماری پیشقدمی کے منتظر ہیں۔ ہمیں مطالبہ کرنا چاہیئے کہ مزمن خرابیوں کا مقابلہ بیخ کن علاج سے کیا جائے۔ چند ہی دہ سالگیوں نے دیکھ لیا کہ ستی کی بلا ہمارے ملک سے ناپید ہو گئی۔ اسی طرح کے عزم صمیم سے ہم ان سماجی خرابیوں پر غالب آسکتے ہیں۔

اولاً بچپن کی شادی کی رسم ہے۔ یہ ایسی رسم ہے جو دوسری ساری رسموں سے زیادہ

عام تعلیم نسوان کی ترقی کی منافی ہے۔ قبل اس کے کہ لڑکی کا جسم حقیقی پختگی کو پہنچے قبل اس کے کہ وہ اس امر سے آگاہ ہو کہ اس کی اپنی ایک روح بھی ہے وہ کسی بچہ کا جسکے ساتھ بھی اسی کی طرح ظلم کیا گیا ہے یا کسی آدمی کا کھلونہ بن جاتی ہے جو نہ اس کا احترام کرسکتا ہے اور نہ اس کے احترام کو پیدا کرسکتا ہے۔ زمانہ طفولیت کے ختم ہوتے ہی اس کو جننے پر مجبور کیا جاتا ہے وہ ان بچوں کو نہ تو صحیح یا تندرست جسم دینے کے اور نہ ان کے دماغوں کی ایسی تربیت کرنے کے قابل ہے کہ وہ شریف آدمی محبتی اور محبت کے قابل عورتیں بن سکیں۔ اپنے بچپن اور شباب سے محروم ہو کر وہ ایک مہذب زندگی کی کئی سرتوں سے تقریباً بے خبر رہتی ہے۔ اس کو بچپن اور ماتا پن۔ ماتا پن اور بچپن کے سوا اور کچھ نہیں معلوم۔ اس میں ایسی بہت سی چیزوں کا فقدان ہے جو اس کی خوش حالی اور اس کے بچوں کی تعلیم کے لئے ضروری ہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے لڑکے اور لڑکیاں مضبوط اور طاقتور ہوں تو ہماری مائیں اچھی نشو ونما پائی ہوئی ہونی چاہئیں اس کے لئے لڑکی کے پوری نشو ونما پانے تک شادی کو ملتوی کر دینا چاہیئے۔ یہ نشو ونما شاذ و نادر ۱۸ سال سے قبل مکمل ہو سکتی ہے۔ اگر ہم بچپن کی شادی کی خرابیوں پر غور کریں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ ستی کے بہ نسبت قانون کے ذریعہ اس کے امتناع کی زیادہ وجوہ ہیں۔ ستی سخت اذیت و تکلیف کی ایک مختصر مدت ہوتی تھی۔ مگر اول الذکر کے معنی عمر بھر کی ناقابل بیان مصیبت ہو سکتے ہیں۔ قانوناً رضامندی کی عمر کم از کم ۱۲ سال قرار دی جانی چاہیئے کئی نمائندہ مؤتمروں نے اس مسئلہ کو اپنے مباحث میں صحیح طور پر سب سے پہلی جگہ دی ہے اب اس کا بھی علم ہو چکا ہے کہ سر ہری سنگھ گور جن کی قیمتی خدمات کی ہندوستانی خواتین بیحد ممنون و متشکر ہیں آئندہ مجلس مقننہ میں شادی کی رضامندی کی عمر کو بڑھا دینے کا مسئلہ پیش کرنے والے ہیں۔ ہمارا صرف یہی کام نہیں ہے کہ ہم ایک قرارداد منظور کریں جس میں سر ہری سنگھ کے مجوزہ قرارداد کی پوری تائید کیجائے بلکہ ہمیں ملک کے طول و عرض میں اس قرارداد کی تائید میں پروپاغنڈا کی ایک باقاعدہ مہم کا انتظام کرنا چاہیئے تاکہ حکومت ہند اور مجلس مقننہ اس کو قبول کرلیں۔ میرے پاس اتنے طاقتور الفاظ نہیں ہیں کہ میں آپ پر زور دیسکوں کہ آپ اُن سارے ذرائع کو کام میں لائیں جو

آپ کے حیطۂ اقتدار میں ہیں، افراد کو ترغیب دلاکر، ان صوبہ جات میں جہاں سے آپ آئے ہیں عام جلسے منعقد کرکے، ایسی انجمنیں قایم کرکے جو اس اور اسی قسم کی دوسری متعلقہ اصلاحات کی مقصد کی حمایت کا بیڑا اٹھالی ہوئی ہیں۔ اور کونسلوں میں اپنے نمایندوں پر زور دیکر کہ وہ اس مسئلہ کے متعلق ۱۹ ضروری تدابیر اختیار کریں، اس قرارداد کی تائید کریں تاکہ وہ مناسب حفاظتی تدابیر کے ساتھ ایسا قانون عالم وجود میں لائیں کہ اس کی پابندی لابدی ہو۔ میں یاد کرتی ہوں کہ ہماری شادی کی رسم کی اصلاح پر ہمارے تعلیمی پروگرام کی کامیابی اور ناکامیابی کا انحصار ہے اور اس لئے میری یہ سفارش ہے کہ سوتمر اپنے مباحث میں اس کو ایک اہم مسئلہ قرار دے لے۔

ہم کو پردہ کی رسم کی موقوفی پھر بھی اصرار کرنا چاہیئے (ہماری رائے میں مہارانی صاحبہ نے اس مسئلہ کے اطراف وجوانب کے متعلق زیادہ غور وتعمق سے کام نہیں لیا)۔ ابتداءً اس کو عورتوں کی حفاظت کی خاطر اختیار کیا گیا تھا لیکن اب نہ صرف یہ کہ ان خطرات کے ناپید ہو جانیکی وجہ سے اس کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے بلکہ اس نے خود صحت اور خوشحالی کے لئے ایک خطرہ کی صورت اختیار کرلی ہے۔ لیکن اس رسم کی متعدد خرابیوں کی تفصیل میں جن میں جسم کی کمزوری اور دماغ کی فاقہ کشی بھی شامل ہیں جانیکی یقینی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر عورتوں کو سماجی زندگی کی حالت کو بلند کرنے میں حصہ لینا ہے اور اگر انھیں ان فرائض اور ذمہ داریوں کو سمجھنا ہے جن کے لئے ان کے لڑکوں کی تربیت ہونی چاہیئے تو پردہ کی رسم کو خیرباد کہدینا چاہیئے۔ اگر عورتوں کو وہ دماغی آزادی حاصل کرنی ہے اگر انھیں وہ گوناگوں مذاق حاصل کرنے ہیں جن کے بغیر کوئی مسرت خیز زندگی میسر نہیں آسکتی تو پردہ کو بالائے طاق رکھدینا چاہیئے۔ پردہ نشین عورت کی حالت بالکل اُس پرندہ کی سی ہے جو قفس میں بند ہو اور اس کو ایک پالتو جانور کی طرح ترقی اور نشوونما پانے کی اجازت دیجاتی ہے۔ روشنی اور روشن خیالی کی کوئی شعاع پردہ نشین عورت تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس کی اپنی مرضی کے بغیر شادی کردی جاتی ہے۔ ایک مشہور مثل میں لڑکی کو گائے کے مماثل بتایا گیا ہے۔ بدقسمت گائے کی طرح وہ بھی قصاب کے اس ہاتھ کو چاہتی ہے جو اس کے ذبح کرنے کے لئے اٹھتا ہے۔ اسی دیرینہ ظلمت

میں سے ہماری عورتوں کو نکالنا ہے۔ ہمارے معزز مجان وطن سیاسی آزادی کے لئے بیحد کوشاں ہیں۔ انہوں نے سماجی اصلاح کو عقبی زمین میں ڈالدیا ہے انہیں دردناک طریقہ پر شاعر شلے کے شبہ کو یاد دلانا پڑتا ہے "اگر عورت باندی بنی رہے تو کیا مرد آزاد رہ سکتا ہے؟" عورت کی ترقی کے بغیر مرد کی ترقی سیاسی سماجی بلکہ اقتصادی حیثیت سے بھی غیر مکمل اور غیر محفوظ ہی رہیگی۔

کیا ہم ہمیشہ کے لئے اس کا خاتمہ نہیں کر سکتے؟ کیا ہم اپنی بہنوں کو اس افراتفری سے نہیں نکال سکتے اور کیا ہم ان کو پردہ سے نکالکر تہذیب کی روشنی میں نہیں لاسکتے۔ اس موتمر کا فرض ہے کہ وہ اس سوال کا قطعی جواب دے کہ یہ کام کس طرح انجام پائے۔ ترکی کی عورتوں نے ان بندشوں کو توڑ دیا۔ ہم بھی اسی طرح کر سکتے ہیں۔ نوجوان نسل ہمیں بلا رہی ہے کہ ہم ان جکڑبندیوں کو نکال پھینکنے اور اس متروک و مضرت بخش رواج سے انہیں نجات دلانے میں ان کی مدد کریں۔ اگر ہم اپنی ضروریات کا علم کرا سکیں اگر ہم ہندوستانی خواتین ایک زبان ہو سکیں تو حکومت ہند اور دیسی ریاستوں کی حکومتیں ہماری مدد کو آئینگی یہ کام ہمارا ہے کہ ہم ایک ایسی رائے عامہ اور ایسی تائید عامہ پیدا کریں کہ وہ چند نفوس جو ہماری مخالفت کرنے والے ہیں مغلوب ہو جائیں۔

ملک کے طول و عرض میں عورتوں کی نجات و آزادی اور ترقی کے مقصد کے متعلق عوام کے دل و دماغ میں دلچسپی کی عام بیداری کے آثار و علایم دیکھکر مسرت ہوتی ہے۔ گذشتہ دو ایک سال میں عورتوں نے مختلف شعبوں میں بہت تیز ترقی کی ہے۔ انہوں نے نہ صرف مجلس بلدی میں حق رائے دہی حاصل کر لیا ہے۔ بلکہ اب انہیں مجالس وضع قوانین میں بھی رائے دینے کا حق مل گیا ہے اور بعض صوبجات میں تو وہ کونسلوں کے اراکین کی حیثیت سے انتخاب کئے جانے کی مجاز قرار دی گئی ہیں۔ پنجاب نے جس کو عورتوں کے مرتبہ کے سلسلہ میں بہت ہی پس افتادہ صوبجات میں شمار کیا جاتا تھا۔ صوبہ داری مجلس وضع قوانین میں پہلی خاتون رکن کا انتخاب کر کے ایک مثال قائم کر دی ہے اور مدراس نے جو قدامت پسندی کا ایک دوسرا قلعہ ہے ڈاکٹر متھولکشمی رمال کا انتخاب کیا ہے جو مجلس تشریعی کی پہلی نامزد کردہ خاتون ہیں۔ دوسرے ممالک کے تجربہ کے برخلاف

اس کامیابی کا ایک قابل تذکرہ پہلو مردوں کا مخلصانہ اشتراک عمل اور ان کی جانب سے سخت مخالفت کی عدم موجودگی ہے۔ رضامندی کی عمر۔ حفاظت نسوان صنعتوں میں عورتوں کی حیثیت۔ نگرانی اور کارہائے امدادی کی تنظیم کے متعلق بھی عورتوں کے متعلقہ سماجی قانون میں اہم ترقی ہوئی ہے۔ تعلیم کے شعبہ میں خصوصاً اعلیٰ تعلیم میں انفرادی حیثیت سے فنون۔ قانون۔ طب اور دوسرے شعبوں میں درخشاں کامیابی حاصل کی گئی ہے لیکن شاذونادر انفرادی کامیابی خواہ وہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو ملک کی عورتوں کی ابتدائی یا تحتانیہ اور ثانوی تعلیم کی عام اور منظم ترقی کی کمی کو پورا نہیں کرسکتی۔ میں جن اعداد وشمار کو آپ کے روبرو پیش کرنے کی جرأت کرتی ہوں ان سے آپ کو بہ آسانی اندازہ ہوگا کہ ہماری خواتین کی تعلیم میں ابھی کیا کیا نہ کرنا ہے۔ ذیل کے تختہ سے تمثیلی رقبوں میں جن کا میں نے بغرض تقابل انتخاب کیا ہے تعلیم یافتہ مردوں اور عورتوں کی فی ہزار تعداد کا اظہار ہوتا ہے

	ذکور	اناث	
۱ ہندوستان	۱۳۹	۲۱	فی ہزار
۲ میسور	۱۴۳	۲۲	〃
۳ صوبۂ بمبئی	۱۵۷	۲۷	〃
۴ بڑودہ	۲۴۰	۴۷	〃
۵ کوچین	۳۱۷	۱۱۵	〃
۶ ٹراونکور	۳۸۰	۱۷۳	〃

بعض پس ماندہ حصوں سے اور بھی زیادہ مایوس کن نتائج مترتب ہوتے ہیں۔

	ذکور	اناث	
۱ کشمیر	۴۶	۳	فی ہزار
۲ بہار	۹۶	۶	〃

		ذکور	اناث	
۳	وسط ہندوستان	۶۵	۷	فی ہزار
۴	حیدرآباد	۵۷	۸	〃
۵	صوبہ جات وسط ہند	۸۷	۹	〃

بہرحال دس تا پندرہ اور پندرہ تا بیس کی عمر کی گروہوں میں مقابلۃً تعلیم یافتگان کے اعلیٰ فیصد سے کسی قدر حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ ان گروہوں کی لڑکیاں آئندہ نسل کی ہونے والی مائیں ہیں اور اس عمر کی لڑکیوں کی نمایاں فیصد زیادتی اس چیز کا بدیہی ثبوت ہے کہ مسن عورتوں کی بہ نسبت لڑکیوں کی تعلیم کی طرف زیادہ توجہ کی گئی ہے۔ گو تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین کا عام تناسب ۲۱ فی ہزار ہے لیکن دس تا پندرہ کی عمر کے گروہ میں ۲۸ اور پندرہ تا بیس کی عمر کے گروہ میں ۳۶ ہے۔

بہرحال عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کے اعداد بیحد مایوس کن ہیں۔ آج انگریزی میں تعلیم یافتہ ہونا عورتوں کی ثانویہ یا اعلیٰ تعلیم کا ایک ہی ممکن الحصول معیار ہے اور یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دس ہزار سے صرف ۱۳ عورتوں نے ثانویہ تعلیم سے استفادہ کیا ہے۔ ثانویہ تعلیم میں عورتوں کی بیحد سست رو ترقی اور اس ماتم انگیز صورت حال کے وجوہ ان بیحد اہم مسائل میں ہیں جن پر اس کانفرنس کو غور و فکر کرنا ہے۔

ہمیں بھولنا نہ چاہیئے کہ گو ہم صحیح نتائج کو پہنچ جائیں اور دانشمندانہ قرار دادیں منظور کرلیں تاہم ان امور کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کئی سال کی تنظیم اور بلاشبہ اخراجات کثیر کی ضرورت ہے۔ اس میں خانگی عطیات کی گنجائش ہے۔ لیکن یہ سربراہی بالکل ناکافی ہے۔ تعلیم نسواں کے متعلق نہ صرف صحیح نکتہ نظر پر پہنچنے کی ضرورت ہے بلکہ موقع و بے موقع متواتر اور ان تھک اصرار کی ضرورت ہے کہ وہ لوگ جو انتظام تعلیم کے ذمہ دار ہیں۔ ان تدابیر کو عمل میں لائیں حکومت کے سربرآوردہ عہدہ داروں کی اور دیسی ریاستوں کے حکمرانوں کی ہمدردی اور تائید کے

متعلق ہیں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیئے۔ مذکرۃً ایک ہی تمام مثال لے لیجئے کہ سر مالم ہیلی نے لڑکیوں اور عورتوں کی تعلیم میں مزید سہولتیں پیدا کرنے کے مطالبہ کی تائید کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہے۔

ہندوستانی خواتین کے مسلسل جسمانی انحطاط کیطرف حال ہی میں پبلک نے توجہ کی ہے۔ یہ کہدینا آسان ہے کہ لڑکیوں کی جسمانی تربیت ہونی چاہیئے لیکن اس کی نوعیت کا تصفیہ کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ اس معاملہ میں صحیح نتائج پر پہنچنے کے لئے نسوانی علم الاعضا اور نسوانی نفسیات کے ٹھوس معلومات کی ضرورت ہے۔ ان معلومات کے ساتھ مختلف قسم کی ورزش کے اثرات کا حقیقی تجربہ بھی ہونا چاہیئے۔ میں کانفرنس سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ اس مبحث کی تفصیل کی طرف متوجہ ہو۔ جسمانی تہذیب سے نہ صرف ایک مضبوط بدن بلکہ ایک مضبوط۔ آزاد اور شاداں روح بھی حاصل ہونا چاہیئے۔

لڑکوں کو لڑکیوں کے ساتھ تعلیم دینے کے مسئلہ کے متعلق اکثر غلط فہمی ہوتی ہے۔ اس امر کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ ان جنسوں کی علیحدگی بجائے خود مصنوعی ہے۔ اس کے نقصانات بھی بہت ہیں جن کی وجہ سے جنس مقابل کی فطرت اور خواص کے متعلق لاعلمی اور غلط خیالات رواج پاتے ہیں۔ خاندان میں لڑکے اور لڑکیاں ساتھ ساتھ نشو ونما پاتے ہیں۔ اور کھیلتے ہیں اور قدرتی طریقہ بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدرسہ میں بھی اسی طرح کھیلیں اور نشو ونما پائیں۔ لیکن مدارج مابعد میں بڑی دقتیں واقع ہوتی ہیں۔ نہ صرف نمو کی تناسبی رفتار مختلف ہوتی ہے کیونکہ لڑکیوں کی جسمانی اور دماغی نشو ونما بہ نسبت لڑکوں کے بہت زیادہ تیز ہوتی ہے بلکہ فرائض منصبی اور ذہنیت میں بھی نمایاں اختلافات ہوتے ہیں۔ اس لئے باوجود علیحدہ رکھے جانے کے نقصانات کے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دوران تعلیم کے کچھ زمانہ میں ان جنسوں کو علیحدہ رہنا چاہیئے تاکہ وہ اپنی آئندہ زندگی کے مختلف فرائض کے لئے تیار ہوسکیں علیحدگی کی اس وجہ سے بھی ضرورت ہے کہ خاص قسم کی ذہنیت۔ شخصیت اور تہذیب جن کی

وجہ سے صنف نازک میں قوتِ کشش پیدا ہوتی ہے ترقی پاسکے۔ تعلیم ایک ایسا عمل نہ ہونا چاہئے جس کی وجہ سے خاص خواص اور خوبیاں جو قدرت نے ہمیں عطا کی ہیں دبا دی جائیں یا نظر انداز کیجائیں۔ خواتین کی خوبیوں اور مخصوص صلاحیتوں کو ترقی دینا تعلیم کا اتنا ہی اہم فریضہ ہے جتنا کہ عام تہذیب میں حصہ لینے کے لئے ان کو تربیت کرنا ہے۔ پس لڑکیوں اور عورتوں کے لئے ایسے مدارس اور کلیوں کی قطعی ضرورت ہے جن میں تنہا نصاب مطالعہ میں، وہ زندگی جس کو طالبات کی فطرت سے وابستہ ہونا چاہیئے اور عورتوں کی وہ سیرت جس کو ہم ان میں پیدا کرنا چاہتے ہیں ملحوظ رہے۔

اِس میں میں ایک بڑی دقت پاتی ہوں جو اس موتمر کے شرکاء سے بیحد متعلق ہے۔ خواتین کی ایک بڑی تعداد کو جو فی الوقت تعلیم نسواں کے مسائل میں منہمک ہے ایسے نصاب کی تعلیم دیگئی ہے جس کو مردوں نے تیار کیا تھا۔ اب بھی اسی قسم کی تعلیم ہمارے زنانہ مدارس اور جامعوں میں میسر آتی ہے قوت فیصلہ کو اس تعصب اور رجحان طبع سے جو اس قسم کی تعلیم نے پیدا کردیا ہے۔ کافی آزادی دینے میں بڑی دقت واقع ہوتی ہے۔ میں آپ کو پرزور صلاح دیتی ہوں کہ موجودہ حالات سے یا آپ نے جس قسم کی تعلیم پائی ہے۔ اس سے اپنی قوت فیصلہ کو متاثر ہونے دئے بغیر آپ کو ایک حقیقی بیداگانہ نکتہ نظر اختیار کرنا چاہیئے۔ یہ حقیقتاً ایک مشکل کام ہے لیکن یہ نہ سمجھو کہ یہ ناممکن ہے۔

لڑکیوں اور عورتوں کی تعلیم کی تفصیلات میں جو حقیقی مشکلات ہیں ان سے مقابلہ کرنے کی میں آپ سے پرزور درخواست کرتی ہوں۔ ان خالی خولی باتوں کے محض اعادہ کا زمانہ گیا کہ لڑکیوں کو شخصی صفائی و پاکیزگی۔ اقتصادِ منزلی۔ بچوں کی فلاح و بہبود۔ خوبصورت چیزوں کی قدر و منزلت اور فنون لطیفہ کی تعلیم دیجانی چاہیئے۔ ایک قوی اور عام تحریک ہونے تک ایسی تعلیم کا پرزور مطالبہ حقیقتاً ضروری ہے لیکن محض اعادہ کافی نہیں ہے۔ معین تفصیلی تجاویز کی ضرورت ہے جو چیز ضروری ہے وہ ان امور کا حقیقی مطالعہ ہے جو حالات و واقعات میں پائے جاتے اور

ہندوستانی زندگی کے اعلیٰ تخیلات سے ملہم نظر آتے ہیں۔ مثلاً مغربی ممالک سے اقتصاد منزلی کے خیالات کی محض درآمد جن کی وہاں قدر و قیمت اور استعمال ہے یہاں فائدہ سے زیادہ نقصان پہنچا سکتی ہے۔ جب تک آپ خود جو اس اصلاحی تحریک کے لیڈر اور ہندوستانی خواتین کے احیاء کے علمبردار ہیں ان تفصیلات میں مشغول نہ ہونگے اور ضروری کتابیں نہ لکھینگے اس وقت تک ہماری ان بحثوں کے بیکار ہو جانیکا قوی امکان ہے۔ تفصیلات کا سوال ہی اب ہماری توجہ کا محتاج ہے اور ان تفصیلات میں ہر طرف اختلاف ہے۔ ان مختلف سیرتوں کی نوعیت کے نکتہ نظر پر زور دینے سے جو ہم اپنے لڑکے اور لڑکیوں مردوں اور عورتوں میں پیدا کرنا چاہتے ہیں علم ادب کے اقسام میں بھی اختلافات ہونے چاہئیں۔ اور کیا ہم کو دوسرے شعبوں میں بھی ایسے ہی اہم اختلافات تسلیم نہ کرنا چاہیئے؟ کیا ایک ہی قسم کا باجہ مردوں اور عورتوں کو پسند ہے؟ کیا اس کا ایسا ہی اثر ہونا چاہیئے؟ کیا تاریخ کے وہ شعبے جن سے مرد ملہم ہوتے ہیں عورتوں کے لئے بھی مساوی طور پر ملہم ہو سکتے ہیں؟ یا کیا تاریخ میں بعض ایسی چیزیں ہیں جن پر ایک جنس کی تعلیم میں زور دیا جائے اور دوسری جنس کی تعلیم میں دوسری چیزوں پر؟ ایسی تجاویز کی نکتہ چینی سے ہمیں ڈرنا نہ چاہیئے۔ اگر اس نظام تعلیم کے درہم برہم کرنے میں جس میں خواتین کی امتیازی خصوصیات کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے مبالغہ کی فی الوقت ضرورت ہے تو ہمیں مبالغہ کرنے سے ڈرنا نہ چاہیئے۔

اکثر مقامی مؤتمروں نے جو اس آل انڈیا کانفرنس کی ابتداء میں منعقد ہوئی تھیں لڑکوں اور لڑکیوں کی جبری ابتدائی تعلیم کی سفارش کی ہے۔ برطانوی ہند کے بعض حصوں میں کچھ عرصہ کے لئے اور بعض دیسی ریاستوں میں اس سے بہت زیادہ مدت کے لئے یہ قانون رائج تھا۔ میرے خیال میں اب جبری تعلیم کی مناسبت کا سوال بعد از وقت ہے۔ مؤتمر کو ایسے قانون کی ضرورت پر غور کرنا نہیں ہے بلکہ ان مشکلات کے دفعیہ کے ذرائع پر غور و تامل کرنا ہے جو ایک ایسی تعلیمی پالیسی کی ترویج میں حائل ہیں جس کی ہم سب کو خواہش ہے۔ اس کی کامیابی کے لئے

خواتین میں مستعدانہ اور لگاتار پروپاگنڈے کی ضرورت ہے اور میں محسوس کرتی ہوں کہ ایک مرکزی مجلس نسواں کی رہنمائی سے مقامی انجمنیں اس کے لئے بہت کچھ کرسکتی ہیں۔

کتنے کم لوگ ہمارے دعوے کے جواز سے انکار کرینگے اور کتنے بہت سے لوگ چاہینگے کہ حقیقی تعلیم نسواں اس سرزمین میں عام ہوجائے اور پھر بھی کئی والدین اور کئی ماہرین تعلیمات کے دماغوں میں شکوک اور وسواس کا تاریک سایہ مسلط ہے۔ یہ اس تعلیم کی اقتصادی قیمت دریافت کرتے ہیں جس کو اُن کے خیال میں ہم نے تجویز کی ہے۔ ایسا اقتصادی سوال بالکل حقیقی ہے۔ ہندوستان میں لڑکوں اور مردوں کی ادنیٰ و اعلیٰ [illegible] لئے مخصوص تعلیم تربیت پر جو معمولی میٹریکولیشن اور بی۔ اے۔ کی ڈگری کے امتحانات کی تیاری سے جداگانہ ہے حال ہی میں غور کیا جارہا ہے۔ جدید اصولوں پر نئی یونیورسٹیوں کے قیام کے منجملہ اور وجوہات کے یہ بھی ایک ہے۔ لیکن شومئی قسمت سے تعلیم نسواں کے ضروری اصلاحات میں تاخیر بلکہ مخالفت کرنے کا میلان پایا جاتا ہے کیونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تعلیم نسواں میں اسی وقت اقتصادی قیمت ہوسکتی ہے جبکہ وہ مردوں کی تعلیم کے اصول پر ہو۔ اگر اس کو غلط ثابت نہ کیا جائے تو ہم ان اصولوں پر ترقی نہیں کرسکتے جن کو بیان کرنے کی میں نے کوشش کی ہے لیکن ہم اسکو غلط ثابت کرسکتے ہیں اور ہمیں غلط ثابت کرنا چاہیئے۔ اس موتمر کا یہ ایک حقیقی فائدہ ہونا چاہیئے اگر ہماری لڑکیوں کی تعلیم کسی اور اصول پر دیجائیگی تو ان کی استانیوں کی تعلیم بھی انہی اصولوں پر ہونی چاہیئے۔ میرے خیال میں لیڈی ارون ہندوستانی خواتین کی ترقی میں اس سے بہتر مدد نہیں کرسکتیں کہ وہ اپنی پوری قوت ایک حقیقی طور پر عمدہ ٹریننگ کالج کے قیام میں صرف کریں جہاں خواتین احیاء کے کام کی اور عورتوں اور لڑکیوں کی ہندوستانی تعلیم نشأت ثانیہ کی ٹریننگ پائیں گے۔ اگر ہم نے ایک ایسے کلیۃ المعلمات کو حاصل کرلیا جس میں ہمارے مذہب اور ہماری تاریخ کے نصب العین اور وہ نصب العین بھی جن کی تفصیل کی ہم اس موتمر میں کوشش کررہے ہیں، مہیم ہوں تو ہم نے اپنے حصول مقاصد کے لئے ایک حقیقی طور پر اہم عملی کام کیا ہوگا۔

ہم کو یہ بھی بتا دینا چاہیئے کہ کئی اعلیٰ اور ادنیٰ پیشے ایسے ہیں جن کے لئے صرف خواتین ہی حقیقی طور پر موزوں ہیں۔ ہم کو اس مردانہ وار تعلیم کے قدرتی نتائج سے جو خواتین کو دی جاتی ہے پرہیز کرنا چاہیئے کہ خواتین ایک ناانصافانہ لڑائی میں کیونکہ ایسی لڑائی غیر مساوی ہے ان پیشوں کے لئے مردوں سے مقابلہ کرتی ہیں جن کے لئے بالاخر اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مرد ہی بہت زیادہ موزوں ہیں۔

اس اقتصادی سوال سے ہمارے نکتہ نظر کو جو تعلیم نسواں کے مسئلے سے متعلق ہے متاثر نہ ہونا چاہیئے۔ ہم کو یہ سوال کرنا چاہیئے کہ آیا خواتین کا اقتصادی مرتبہ ہمارے دلیرانہ اظہار خیالات اور مسلسل کوشش کا طالب ہے یا نہیں۔ اس قبیل کی موثر تعلیم یافتہ خواتین کی موثر ایک ایسی موثر جو اس امر سے واقف ہے کہ خواتین نے اس ملک میں حق رائے دہی کسی قدر حاصل کر لیا ہے، ایسی موثر جو جانتی ہے کہ سیاسی جماعتوں میں خواتین شریک ہیں ایسی موثر کو اپنی پُرزور رائے کا کم از کم اظہار کرنا چاہیئے کہ خواتین نہ صرف جائداد پر حق مالکانہ رکھنے کے قابل ہوں بلکہ خاندان کی جائداد پر بھی اپنا واجبی حق جتا سکیں۔ شوہر کی ناراضگی یا محض وہم کی بنا پر اس کی وفات کے بعد بیوی کا ایک نہایت ہی قلیل وظیفہ پر چھوڑ دیا جانا جبکہ ایسے لوگ قابض جائداد ہوں جنہوں نے شوہر کے لئے کچھ نہ کیا ہو ایک ناقابل بیان ناانصافی ہے۔ عورت کو اپنے متوفی شوہر کی جائداد کے ایک مخصوص حصہ کے ملنے کی طمانیت قانوناً ہونا چاہیئے بشرطیکہ اس کی غلطی سے قانوناً خلع نہ ہوا ہو۔ شادی شدہ خواتین کے قانونی مرتبہ کے سوال کی جو جائداد۔ طلاق۔ نگرانی اطفال اور دوسرے کئی امور سے متعلق ہے باقاعدہ تحقیق ہونی اور تجاویز پر بحث کی جانی چاہیئے۔ موتمر ہذا اس کام کے ابتدائی مدارج طے کرنے کی غرض سے ایک چھوٹی کمیٹی کا تقرر مناسب سمجھ سکتی ہے۔

موتمر ہذا میں جیسا کہ کیا گیا اور کیا جائیگا ہم نے عام ہندوستانی خواتین کے متعلق غور و تامل کیا ہے اس لئے ہم اپنے خاص گروہوں کی طرف متوجہ نہ ہو سکے لیکن خواتین کا

ایک گروہ ایسا ہے جن کی تعداد غالباً کم ہے لیکن جو ایک دفعہ آزادی اور حقیقی تعلیم پانے کے بعد ہندوستانی خواتین کے لئے بہت کچھ کر سکتا ہے۔ میرا اشارہ ہندوستانی شہزادیوں کی طرف ہے۔ حال میں ان شہزادیوں کی ضروریات کا نہایت ہی دلخراش الفاظ میں بمبئی کے ایک روزانہ اخبار کے کالموں میں اظہار کیا گیا ہے۔ اس سے راقمہ کی حالت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ اس نے اپنے اظہار حال کے لئے ایسا ذریعہ اختیار کیا۔ اس شہزادی کی حالت پر جس سے میں بھی آپ کی طرح ناواقف ہوں حقیقی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہ اس کو اپنی شکایات کے اظہار کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا پڑا میں اس علامت کا [illegible] کرتی ہوں کہ آخرکار ہماری سرزمین کی خواتین کے اس گروہ کی حالت کا اظہار ہونے لگا۔ موتمر ہذا کو اس کی ضروری اصلاحات کے متعلق اپنے خیالات کا صاف اور واضح الفاظ میں اظہار کرنا چاہیئے۔

ہندوستانی خواتین کی حمایت میں کام کرنے والے ساتھیو، ہندوستان کے لوگوں کی اور اس کے تہذیب کی احیاء میں حصہ لینے والو، اپنے سخنوں کا آغاز ہمیں اس نتیجہ پر پہنچنے کے ارادہ سے کرنا چاہیئے جو عقل و دانش کے اعلیٰ مطالبہ جات کے تحت ہو۔ ہمیں اپنے سخنوں کو ہمارے مقصد کی سچائی کے اعتقاد کے ساتھ شروع کرنا چاہیئے۔ اور ہم ایسی امید سے ملہم ہوں جو کبھی بھی شکست نہ مانے۔

موتمر ہذا کی خواتینو! ہندوستانی خواتینو، جب تک تم سب ایک زبان ہو کر اُس چیز کا جو تمہاری فلاح اور ہندوستان کی عام فلاح و بہبود کے لئے ضروری ہے اظہار نہ کرو گی۔ اس وقت تک بہت کم امید ہو سکتی ہے۔ موتمر ہذا کی ہیورو۔ ہندوستان کی ہیورو۔ ترقی کا علم بلند کرنے کا یہی وقت ہے وہ علم جو اپنے پیروؤں کی رہنمائی، حریت شادمانی اور امن کی طرف کریگا۔

پسٹالوزی کے مزار پر دو پھول

پسٹالوزی اُن بزرگ ہستیوں میں سے ہے جنھوں نے تعلیمی بات کے ارتقاء میں زبردست حصّہ لیا ہے۔ پسٹالوزی کو اس دُنیا سے گذرے ہوئے ایک صدی ہوچکی ہے لیکن اس کے خیالات۔ اس کا کارنامہ اب بھی اور غالباً زمانہ آئندہ [illegible] کے میدان میں کام کرنے والوں کے لئے نہایت روشن چراغ ہدایت رہینگے۔

اس قابلِ قدر شخصیت پر جناب مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔ اے (آکسن) نے ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے۔ جس چیز نے اس مضمون کے لطف اور سبق آموزی کو دوبالا کردیا ہے وہ یہ ہے کہ صاحب ممدوح کے الفاظ سے خلوص اور عقیدتمندی کی مہک آتی ہے جب تک اس طرح کسی زبردست ہستی پر نہ لکھا جائے اس کے صحیح خط و خال اور اس کے کارنامے کی اصلی اہمیت دلنشین نہیں ہوسکتی ہے ہمیں امید ہے کہ ہمارے اساتذہ صاحبان اس اپنے زبردست ہم پیشہ اور نامور پیشرو کے ذکر خیر کو خلوص اور عقیدت سے پڑھینگے۔ اور جہاں تک ممکن ہوگا اس بات کی کوشش کرینگے کہ اپنے عمل کو اس زبردست نمونے کے مطابق بنائیں۔

(شریک مدیر)

فنا اور بقا۔ ہیں تو دو لفظ لیکن ایسے دقیق کہ جن کے رموز اور اثرات سے تمام کتاب کائنات بھری ہوئی ہے۔ ہر حرف اس کتاب کا یعنی ممکنات کا ذرّہ ذرّہ لسان ملکوتی سے ان لفظوں کی شرح کررہا ہے۔ مگر ابھی تک بڑے سے بڑا فلسفی اور اعلیٰ سے اعلیٰ حکیم اپنی دماغی قوت سے بوجوہ کمال کام لینے کے بھی اس شرح کے سمجھنے سے قاصر ہے انسانی ہستی کا

دنیا میں آنا اور دنیا سے جانا ایک مشاہدہ ہے یہاں فلسفہ موت سے بحث کرنا مقصود نہیں کہ انسان مرنے سے فنا ہو جاتا ہے یا نفس ناطقہ اپنے لباس تجرد میں اسی طرح جلوہ گر رہتا ہے۔ عام خیالات کچھ بھی ہوں لیکن ایسی ہستیاں بھی ہیں کہ جن کو موت حیات دوام کا خلعت پہناتی ہے۔ شہید راہِ خدا مرتا نہیں زندہ رہتا ہے۔ اسی طرح شہید قوم بھی زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔

مخلوق کی خدمت خالق کی عبادت سے کم نہیں۔ چونکہ پسٹالوزی نے مخلوق خدا کی خدمت میں جان دی ہے اور بظاہر ان کی ہستی فانی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس شہید قوم زندہ جاوید کا نام زبانوں پر اور ان کی یاد دلوں میں باقی ہے۔ ان کو دنیا سے رحلت کئے سو برس ہو گئے مگر دنیا نے ابھی تک اس مبارک ہستی کو فراموش نہیں کیا۔ اس سال ۱۲ فروری کو دنیا کے تمام متمدن ممالک میں ان کی صد سالہ یادگار منائی گئی اور مختلف شہروں میں جلسے ہوئے جن میں لاکھوں آدمیوں نے شرکت کی اور اس تعلیم کے فدائی اور بطل کی خیالی مزار پر تحسین و آفریں کے پھول چڑھائے۔

پسٹالوزی کے کام ایسے نہ تھے کہ جن کا مفید اثر صرف یورپ و امریکہ ہی پر پڑا ہو۔ بلکہ ان کے اصولوں سے تمام دنیا متمتع ہوئی اور تقریباً ہر ایک ملک ان کا زیر بار احسان ہے چنانچہ ہماری موجودہ تعلیم میں بھی ان کے اصول موضوعہ کی روشنی ہے۔ پس اقتضائے مروت اور حق شناسی یہی ہے کہ ہم بھی اس موقع پر کم از کم اس رہنمائے تعلیم کے مختصر حالات زندگی لکھکر تا امکان اپنی احسانمندی کا اظہار کریں۔

ہنری پسٹالوزی ۱۲ جون ۱۷۴۶ء کو بمقام زورچ پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایک مشہور طبیب تھے ان کی عمر ابھی پانچ سال کی بھی نہ ہوئی تھی کہ شفیق باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ طفلی، مفلسی اور محتاجی کی تلخیوں میں گذری۔ کمسنی میں یہ نحیف۔ لاغر۔ شرمیلے اور زود رنج تھے لیکن اس کے ساتھ ہی ہر ایک چیز کو غور سے دیکھنے والی آنکھیں۔ اعلیٰ تخیل دور بینی۔ بلند خیالی کی نعمتیں بھی مبداء فیض سے پائی تھیں۔ باوجود غیر معمولی دماغ رکھنے کے

ان کی اسکول لائف کامیاب ثابت نہ ہوئی۔ مدرسہ میں یہ آلاتفریح سمجھے جاتے۔ ہم درس ان کا مذاق اڑایا کرتے اور اساتذہ ہمیشہ ان کے شاکی رہتے تھے۔ ایام طفلی سے ہی یہ اعلیٰ خیالات کے خواب دیکھ رہے تھے۔ جن کے ظہور کا انہیں انتظار تھا۔ پندرہ سال کی عمر میں تقدیر نے بقام زورج ان کے خواب کی عملی تعبیر دی اور انہیں موقع ملا کہ اپنے دل کے حوصلے نکالیں۔ جب یہ زورج یونیورسٹی میں شریک ہوئے تو وہاں کے پروفیسروں کے سیاسی لکچروں نے ان کے دبے ہوئے ولولوں کو ابھارا اور سونے پہ سہاگے کا کام کیا۔

بہ سولہ برس کے تو حسن اتفاق سے روسو کی کتاب امیل شائع ہوئی جس کا بڑے شوق سے انہوں نے مطالعہ کیا اور روسو کے خیالات دیکھکر بھڑک گئے۔ یہ کتاب ان کے لئے مشعل ہدایت ثابت ہوئی۔ ابتداءً ان کا قصد تھا کہ سررشتۂ امور مذہبی کی خدمت کریں پھر یہ ارادہ بدل گیا اور قانون کی تعلیم حاصل کی لیکن ان کی آزاد خیالی نے اس پیشہ کو بالکل پسند نہیں کیا اور بالآخر یہ رائے قائم کی کہ زراعت انسان کو آزاد بناتی ہے اور آزاد انسان اچھی سلطنت قائم کرتے ہیں۔ پس زراعت کو اپنا ذریعہ معاش قرار دو۔

بائیس سال کی عمر میں زورج میں زمین خریدی اور زراعت شروع کی اور اسی سال شادی بھی کرلی۔ سات سال تک زراعت کرتے رہے لیکن ملازمین کی بددیانتی اور طرت کی نامہربانیوں کی وجہ سے بالآخر خسارہ اٹھانا پڑا۔ زمینات فروخت ہوگئیں اور سوائے رہنے کے مکان کے کچھ باقی نہ رہا۔

مالی نقصان اور افلاس نے پست ہمت کرنے کے عوض ان کے جذبات کو اور مشتعل کردیا اور یہ پہلے سے زیادہ جوش کے ساتھ غربا اور مفلسوں کی خدمت کے لئے آمادہ ہوگئے۔ چنانچہ ۱۷۶۸ء میں اپنی بیوی کو ایک خط میں لکھتے ہیں "گاؤں میں جب کوئی محتاج لیکن ہونہار لڑکا مجھے نظر آجاتا ہے تو میں فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہوں اور اس کو اپنے زیر نگرانی لیتا ہوں اور اس کو ملک کا ہونہار باشندہ بنانے کی کوشش کرتا ہوں"۔ پھر لکھتے ہیں کہ

"میں نے فقیرانہ زندگی اس لئے بسر کی تاکہ فقیروں کو انسانوں کی طرح زندگی بسر کرنا سکھاؤں"

دینیات بک جانے کے بعد جو مکان رہ گیا تھا اس کو پسٹالوزی نے مدرسہ بنا دیا۔ مدرسہ کی ابتدا بیس طلبہ سے ہوئی جو سب غریب۔ محتاج اور مختلف عمروں کے تھے۔ اور ان میں سے اکثر بچے نہایت ہی شریر۔ مکار۔ بے پروا اور سست تھے لیکن پسٹالوزی نے اس کی مطلق پروانہ کی اور نہایت استقلال اور کشادہ پیشانی کے ساتھ ان کی تعلیم جاری رکھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز میں ان بچوں کو انہوں نے سدھالیا اور ان کے دلوں میں تعلیم کا ذوق وشوق پیدا کر دیا۔ مدرسہ کی تعداد میں روز بروز ترقی ہوتی گئی۔ [illegible] اشکالات اور ان کی بیوی کی خرابی صحت کی وجہ سے مدرسہ کی حالت متزلزل ہوگئی۔

۱۷۹۸ء میں فرانس نے سوئزرلنڈ پر چڑھائی کی اور قصبہ انٹرواڈن کو تباہ و برباد کر دیا تو سینکڑوں بچے یتیم و بے خانماں ہوگئے اس وقت پسٹالوزی نے ان کو اکٹھا کیا اور ان بچوں کو ایک قدیم عبادتگاہ میں رکھکر ان کی تعلیم شروع کی۔ اس مصیبت کے زمانہ کی تاریخ میں چند ایسے دردناک واقعات نظر آتے ہیں جن سے اس معلم کی اعلیٰ حوصلگی ظاہر ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں جب کہ نہ ان کے پاس دولت تھی اور نہ ان کا کوئی یار و مددگار تھا بلکہ اہل ملک مخالف تھے کس طرح انہوں نے ہمت و استقلال اور خندہ پیشانی سے ناچار بیکس یتیم ہستیوں کی خدمت کی۔

چنانچہ یہ خود لکھتے ہیں کہ درسگاہ میں ۸۰ طلبہ تھے اور کام کرنے والا میں ایک ہی تھا۔ صبح سے شام تک میں تنہا ان کی خدمت کیا کرتا۔ جو کچھ کہ طلبہ کو جسمانی یا روحانی غذا ملتی تھی اس کی سربراہی مجھ کو ہی کرنی پڑتی۔ بچے میرے ساتھ رہتے تھے اور میں ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا اور ان کے ہمراہ کھاتا پیتا۔ میں سب سے آخر میں سوتا اور سب سے پہلے بیدار ہوتا۔ بچوں کی خواہش پر ان کے ساتھ نماز پڑھتا اور سوتے وقت انہیں کہانیاں سناتا یہاں تک کہ وہ سو جاتے۔

آٹھ مہینے تک پسٹالوزی نے ان یتیموں کی تعلیم جاری رکھی اور اس کے بعد بہ سبب مالی نقصانات کے مجبوراً خدمت سے علٰحدہ ہوگئے۔ اس تعلیم گاہ کے برخاست ہوجانے کے بعد پسٹالوزی نے برغڈراف کے مدرسہ میں مدرسی کی خدمت اختیار کی۔ چونکہ ابھی ان کی قسمت کا ستارہ گردش میں تھا۔ یہاں بھی مصیبت کا سامنا ہوا۔ صدر مدرس جو ایک متعصب اور قدیم خیال کا شخص تھا ان کا مخالف ہوگیا اور مدرسی سے علٰحدہ کردیا۔ خدمت سے علٰحدہ ہوجانے کے بعد کوئی ذریعہ معاش ان کے لیے باقی نہ رہا۔ اور یہ زمانہ ان پر نہایت سخت اور کٹھن گزرا۔ ان کی تنگدستی کی حالت پہنچی کہ کپڑے تک پہننے کو نہ تھے۔

زمانہ ایک حال پر نہیں رہتا۔ ان کے دن بھی پھرے اور ۱۸۰۴ء میں انہوں نے ایک مدرسہ حکومت کی سرپرستی سے قائم کیا۔ اس مدرسہ میں پسٹالوزی کا طریقہ تعلیم بہت ہی مقبول ہوا اور اس مدرسہ کے معائنہ کیلئے مختلف ممالک سے بکثرت لوگ آنے لگے۔ چنانچہ مشہور مصلح تعلیم فیروبل اور ہربرٹ نے بھی اس مدرسہ کو دیکھا اور نہایت جوش کے ساتھ بانی مدرسہ یعنی پسٹالوزی کی تعریفیں کیں۔

تھوڑے زمانہ کے بعد پسٹالوزی وردان میں منتقل ہوئے اور یہاں ان کی شہرت معراج کمال کو پہنچی۔ تمام یورپ کی آنکھیں ان پر لگی ہوئی تھیں اور ان کے تعلیمی کاموں کو بڑے شوق سے دیکھ رہے تھے۔ یہ زمانہ ان کی خوشحالی کا تھا اور اس میں انہوں نے بہت سے اصول آزمائے۔ خصوصاً مدرسہ کو ایک خاندان سمجھنے کے اصول کو تو عملاً کر دکھایا۔

پیرانہ سالی۔ کمزوری و خستگی کی وجہ سے اپنی زندگی کے کاروبار یعنی کار تعلیم اور تعلم کو خیرباد کہا اور شہر برگ میں قیام اختیار کیا اور اس مقام پر ۱۷ فروری ۱۸۲۷ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

پسٹالوزی اہل قلم بھی تھے تعلیم کے متعلق انہوں نے کئی کتابیں لکھیں جن میں سے بعض قابل مطالعہ ہیں۔ جو مدرس انگریزی یا اور کوئی یورپین زبان سے واقف ہوسکا فرض ہے کہ ان کی تصانیف کا نہ صرف مطالعہ ہی کرے بلکہ اگر اسباب موجود ہوں اور توفیق ہو تو

اردو میں اہل ملک کے لئے ترجمہ بھی کر دے۔

پسٹالوزی کے حالات زندگی اور اصول ایک مختصر مضمون میں بیان نہیں کئے جا سکتے۔ پسٹالوزی کی ایک اعلیٰ ہستی تھی اور یہ جوشیلی طبیعت درد مند دل رکھنے کے علاوہ تعلیم کے دلدادہ اور عاشق تھے۔ اہل ملک خصوصاً غربا کے جہل اور افلاس نے ان کو اتنا متاثر کیا تھا کہ وہ ان کی صلاح و فلاح کے لئے دنیا کے عیش و آرام کو ترک کر کے اپنی زندگی کو ان پر قربان کر دیا۔ ان کا بڑا تعلیمی اصول جس کو یہ ہمیشہ قولاً و فعلاً ظاہر کرتے رہے یہ تھا کہ بچوں کی تعلیم فطرت کے موافق دیجائے اور ان کو ایک بڑی ہستی سمجھیں اور اس طرح تعلیم دیں کہ ان کے تمام قوائے جسمانی اور دماغی کی نشوونما آزادی کے ساتھ ہو نکلے اور اس میں کسی طرح کی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔

امتحان

نصف صدی سے کچھ عرصہ قبل جب کہ انگریزی طرز تعلیم کی داغ بیل ڈالی جا رہی تھی عوام تو کجا معلم و طالب علم بھی امتحان سے ناواقف تھے۔ علم و فضیلت کا انحصار کسی امتحان کی کامیابی پر نہ تھا۔ حصول ملازمت کے لئے کسی سند کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن ۱۸۵۷ء میں جب کہ انگریزی حکومت نے ایک نظام تعلیم ترتیب دیکر بمبئی۔ مدراس اور کلکتہ میں تین یونیورسٹیاں قائم کر دیں اور ان کے امتحانات کی کامیابی کو ذریعہ معاش قرار دیا تو امتحان شیطان کی طرح ہندوستان کے ہر گوشہ میں مشہور ہو گیا اور جس طرح ایک زمانہ میں تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس سے بڑی مدتک لاعلم تھا۔ اسی طرح اب بچہ بچہ اپنی عقل و فہم کے مطابق امتحان کی ضرورت اور اہمیت محسوس کرنے لگا۔

اس زمانے میں تو یہ حال ہے کہ ابھی بچہ اپنی عمر کے پانچ برس بھی طے کرنے نہیں پاتا

اس کے کان امتحان کے نام سے آشنا ہونے لگتے ہیں اور جوں جوں عمر میں ترقی ہوتی جاتی ہے امتحان کا مسئلہ ایسا اہم ہوتا چلا جاتا ہے کہ مدرسہ میں شریک ہونے کے بعد امتحان ایک بھوت بن جاتا ہے اور اس کا ایسا پیچھا لیتا ہے کہ سخت جد و جہد کے بعد بھی برسوں اس سے چھٹکارا نہیں ہوتا۔ جہاں ایک امتحان کامیاب کیا دوسرا امتحان سر پر آن کھڑا ہوتا ہے اور اسی طور پر عمر کا بہترین حصہ امتحان کامیاب کرنے میں گزر جاتا ہے۔

سنہ ۱۳۳۰ف سے قبل۔ برخلاف دیگر ممالک علاقہ انگریزی۔ ہماری ریاست ابدمدت میں امتحان کی کوئی خاص وقعت اور اہمیت نہیں تھی لیکن جب سے کہ سررشتہ تعلیمات میں ٹائیم اسکیل نافذ ہوا ہے۔ امتحان کی قدر و قیمت بہت کچھ بڑھ چڑھ گئی ہے۔ ہر امتحان روپیہ آنے۔ پائی میں شمار کیا جانے لگا ہے۔ چنانچہ طالب علم صرف امتحان کامیاب کرنے اور مدارس امتحان کامیاب کرانے میں ہمہ تن مشغول ہوگئے ہیں۔ اور اب یہ بات چھپی نہیں رہی ہے کہ وہ زمانہ تیز رفتاری کے ساتھ آرہا ہے جب کہ سررشتۂ تعلیمات کی طرح دیگر سررشتہ جات بھی امتحان کی قدر کرنے لگینگے۔ اور امتحان کامیاب کئے بغیر روٹی میسر آنا مشکل ہو جائیگی۔

انگریزی حکومت کی سرپرستی اور عوام کے رجحان کے باعث امتحان نے غیر معمولی اہمیت اختیار کرلی۔ لیکن جب کہ امتحان کامیاب شدہ کی اچھی خاصی تعداد ہوگئی اور ان کو کارزار زندگی میں غیر کامیاب شدہ سے مقابلہ کرنا پڑا تو بعض اوقات یہ شگوفہ کھلا کہ محض امتحان کی کامیابی زندگی کے معمے حل کرنے کے لئے کافی نہیں ہے اور امتحان استعداد اور قابلیت کا بالکل صحیح اندازہ نہیں کرسکتا۔ مدرسین کو یہ بھی تجربہ ہوا کہ وہ لڑکے جن کو وہ ذہین و ذکی تصور کرتے ہیں امتحان میں ناکامیاب رہتے ہیں اور بعض دفعہ ایسے لڑکے کامیاب ہو جاتے ہیں جن کی بے کامیابی میں ان کے استادوں کو شک و شبہ تک نہیں ہوتا۔

مختصر یہ کہ امریکہ کے ماہرین تعلیم نے مروجہ امتحان کو مضر اور نقصان دہ قرار دیا۔

دوسرے ممالک کے ماہرین تعلیم نے ان کی رائے میں صرف اتنی ترمیم کی کہ امتحان مضر تو ضرور ہے لیکن اس کا وجود بھی لازمی ہے۔ ان خیالات کا ایک عمدہ نتیجہ یہ نکلا کہ رجحان استعداد و قابلیت وغیرہ کے معلوم کرنے کے لئے طرح طرح کے طریقے نکالے جانے لگے۔ نفسیات کی مدد سے ذہن کی پیمائش شروع ہوگئی۔ رجحان طبع معلوم کیا جانے لگا اور مختلف آلات کے ذریعہ سے قابلیت و استعداد کا انکشاف ہونے لگا۔ باوجود ان امور کے قدیم طرز کے امتحان کی روک تھام نہ ہوسکی اور وہ کچھ ترمیم و تصحیح کے بعد اسی رنگ پر قائم و جاری ہے۔ جس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ امتحانات مدارس و یونیورسٹی صرف ذاتی استعداد و قابلیت ہی معلوم نہیں کرتے بلکہ جدید قسم کے نفسیاتی امتحانات کے برخلاف وہ اس امر کا بھی پتہ لگاتے ہیں کہ مضامین منتخبہ کا مطالعہ کس طرح اور کیسا کیا گیا ہے۔ اور ان پر کس حد تک عبور حاصل ہوسکا ہے۔ ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسئلہ امتحان پر ہر شخص کو جو درس و تدریس میں مشغول ہو غور کرنا چاہیئے۔ ہمارے خیال میں امتحان کے تین اہم مقاصد ہیں :—

(۱) طلبہ کی تعلیمی حالت کی جانچ کرنا۔

(۲) عام معلومات میں اضافہ کرنے کی ترغیب دینا۔

(۳) تحصیل علم کا معیار مقرر کرنا۔

ہر مضمون کا مطالعہ جس غرض و غایت سے کیا جاتا ہے وہ نہ محتاج بیان ہے اور نہ اس کے متعلق اختلاف آرا ہی ہے۔ لیکن ایک مشکل یہ آن پڑتی ہے کہ امتحان کا نتیجہ بعض دفعہ مدرس کو یہ خیال دلاتا ہے کہ اس کے شاگردوں کی تعلیمی حالت کا ممتحن نے غلط اندازہ لگایا ہے اس کے بابت دو ہی باتیں کہی جاسکتی ہیں ایک تو یہ کہ مدرس کا طریقہ تعلیم ناقص ہے یا یہ ممتحن کا طریقہ امتحان غلط ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دونو بے عیب نہیں ہیں کیونکہ یہ امر بالکل ممکن ہے کہ جس بات کو مدرس غیر اہم یا غیر مفید تصور کرے۔ ممتحن اپنے نقطۂ نظر سے

انہیں کو اہم و مفید خیال کرے یا جن غلطیوں کو مدرس ناقابل توجہ سمجھے۔ ممتحن انہیں کو کسی خاص وجہ سے اہمیت دیدے خلاف توقع خراب نتائج امتحان جن کے باعث مدرسین پریشان ہوتے ہیں اور امتحان کو صحیح تعلیمی حالت معلوم کرنے کا ذریعہ نہیں خیال کرتے اس ہی امتحان تک محدود رہا کرتے ہیں جس کے ممتحنین درس و تدریس سے راست تعلق نہیں رکھتے کچھ عرصہ قبل کے پرچہ سوالات امتحان مڈل بغور دیکھے جائیں تو متعدد ایسی مثالیں ملینگی جن سے یہ ظاہر ہوگا کہ ممتحن طلبہ کی عام حالت سے بے مس ہے۔ اب بھی ایسا ہوا ہے کہ امتحان مڈل یا میٹرک کے کسی نہ کسی پرچہ کے خلاف طلبہ سے زیادہ صدر مدرس یا مدرسین متعلقہ نے شور و غوغا مچایا کہ پرچہ معیار سے بلند ہے یا کہ پرچہ ایسا غیر مانوس اور مبہم ہے کہ طلبہ کو اس کے حل کرنے پر مجبور کرنا سراسر ظلم ہے۔ یہ شکایتیں کبھی بھی ان امتحانات کے بابت سننے میں نہیں آتیں جو کہ مدرسہ ہی میں ہوا کرتے ہیں اور جس کے ممتحنین مدرسین ہی ہوتے ہیں۔ یہ صرف اس لئے کہ پرچہ سوالات مرتب کرتے وقت مدرسین طلبہ کی حقیقی حالت سے واقف ہوتے ہیں اور ایسے ہی سوالات کرتے ہیں جن کے جوابات طلبہ اپنے ذخیرہ معلومات کی مدد سے بہ آسانی ادا کرسکیں۔ مڈل یا میٹرک کے امتحانات میں بعض ایسے ممتحن ہوتے ہیں جن کا نقطہ نظر مدرسین کے نقطہ نظر سے مختلف ہوتا ہے پس پرچہ سوالات میں کبھی کبھی ایسے امور آجاتے ہیں جس سے طلبہ کی اصلی تعلیمی حالت کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہوجاتا ہے اس نقص کی روک تھام کے لئے یہ تصفیہ کیا گیا ہے کہ حتی الامکان ان امتحانات میں ایسے ہی ممتحن مقرر کئے جائیں جو درس تدریس کا تجربہ رکھتے ہوں اور امتحان عثمانیہ میٹرک میں جس مضمون کے دو پرچے ہوں ان میں سے ایک پرچہ کا لازمی طور پر ایسا ممتحن ہو جو درس و تدریس میں کافی مہارت رکھتا ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حقیقت میں امتحان کس حد تک تعلیمی حالت کی جانچ کرسکتا ہے؟

مروجہ امتحان کی دو زبردست خصوصیات یہ ہیں کہ پرچہ سوالات چند منتخبہ کتابوں پر مشتمل ہوتا ہے اور ان سوالات کے جوابات کی ادائی کے لئے چند گھنٹے معین ہوتے ہیں جن میں ایک منٹ کی

بیشی بھی ناجائز تصور ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کُند ذہن یا کھلاڑی کو محصلہ معلومات کے اظہار میں ایسی ہی سہولت ہے جیسی کہ ایک ذہین یا وسیع معلومات کے لڑکے کے لئے چند کتابوں کی قید اور چند گھنٹوں کا تعین باعث تکلیف و رکاوٹ ہے۔

قیود مذکورہ کے باعث ایک ایسا رُخ کا جس کا علم درسی کتابوں تک ہی محدود ہے۔ امتحان کی حد تک نہ صرف کسی خسارہ ہی میں نہیں رہتا بلکہ اس لڑکے سے زیادہ مزے میں رہتا ہے جس نے علاوہ درسی کتابوں کے مضمون متعلقہ کے بابت وسیع معلومات حاصل کئے ہیں مگر اپنے معلومات کا اظہار نہیں کر سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر امتحان کے پرچے کتابوں پر مشتمل ہونے کے بجائے مضمون تک محدود ہوں تب ممتحن ہر لڑکے کی تعلیمی حالت کا بہ آسانی صحیح اندازہ کر سکیگا۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ تاریخ ہند کا پرچہ صرف مارشمن یا ہاشمی کی کتاب تاریخ ہند پر منحصر ہو۔ مضمون تاریخ ہند جس کا ایک معیار ہر درجہ کے لحاظ سے معین کر لیا جا سکتا ہے منحصر رکھا جائے تو ہر لڑکے کو اپنی استعداد اور قابلیت اور معلومات کے اظہار کا پورا پورا موقع رہتا ہے اور بصورت دیگر کُند ذہن یا کھلاڑی کو جو سہولت امد ذہین یا وسیع معلومات کو جو مشکل پیش آتی ہے اس کا اندفع ہو جاتا ہے۔

مروجہ امتحان کے متعلق اگر غور کیا جائے تو یہ ظاہر ہوگا کہ اس کے ذریعہ سے ناقابلیت اور خراب تعلیمی حالت کا صاف و صریح طور پر انکشاف ہو جایا کرتا ہے لیکن قابلیت اور اعلیٰ تعلیمی حالت کا پورا پتہ نہیں چلتا اس سے ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ مروجہ امتحان کے ذریعہ سے اوسط درجہ یا اس سے کم درجہ کے لڑکوں کی تعلیمی حالت کا بڑی حد تک درست اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن وہ بلند پایہ لڑکوں کی تعلیمی حالت کی صحیح جانچ کرنے سے مجبور ہے۔

امتحان کا دوسرا مقصد عام معلومات میں اضافہ کرنے کی ترغیب دینا ہے۔

جو لڑکے امتحان کامیاب کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اور ان کے استادوں کی عین خواہش ہوتی ہے کہ ان کے شاگرد صرف گر پڑ کر امتحان کامیاب نہ ہوں بلکہ امتیاز کے ساتھ

کامیاب ہوں تو وہ اپنی تعلیم مقررہ کتابوں تک محدود نہیں رکھتے بلکہ درسی کتابوں پر عبور حاصل کرنے کے بعد ہر مضمون کے بابت دوسری کتابیں بھی پڑھتے ہیں اور ہشیار مدرسین یہ جانتے ہوئے کہ طلبہ کے معلومات میں جتنا بھی اضافہ کیا جائے امتحان میں مفید ثابت ہوتا ہے ہر قسم کا ذخیرہ جمع کرکے اپنے شاگردوں کے ذہن نشین کرتے رہتے ہیں۔ اگر مدرس زیادہ توجہ نہ کرے تو بعض طالبعلم ہی ایسے نکل آتے ہیں جو اپنی درسی کتاب پر قناعت نہیں کرتے بلکہ اس مضمون کے متعلق مدرسہ کے کتب خانہ سے یا دوسرے ذرائع سے جس قدر بھی کتابیں فراہم ہو سکیں پڑھ جاتے ہیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے مدارس میں محض امتحان کامیاب کرنے یا کرانے پر اس قدر زور دیا جاتا ہے کہ اضافہ معلومات کی ترغیب و تحریص کو بالکل پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ یورپ کے مدارس میں اس کے برخلاف عمل ہوتا ہے۔ وہاں امتحان کو ذریعہ اضافہ معلومات بنا کر طلبہ میں علم سے دلچسپی پیدا کر دیجاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ امتحان ہی آسانی سے کامیاب نہیں کر لیتے بلکہ ان کو اپنی اپنی طبع کا رجحان بھی معلوم ہو جاتا ہے جو آئندہ زندگی میں بہت کام دیتا ہے ممالک محروسہ میں امتحانات مڈل اور تحتانیہ نے جس قدر عام معلومات میں اضافہ کرنے کی ترغیب دی ہے اور اشاعت تعلیم میں مدد دی ہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے امتحان تحتانیہ کی سدودی کے وقت اکثر اضلاع میں انتشار ہو گیا۔ اور مدرسین و حکام کو اس بات کا خوف ہوا کہ امتحان تحتانیہ کی سدودی کے بعد کہیں مدارس تباہ و برباد نہ ہو جائیں اور لطف یہ ہے کہ یہ اندیشہ اس وقت ظاہر کیا جا رہا تھا جب کہ امتحان تحتانیہ کے کامیاب شدہ اشخاص کو لوکلفنڈ کی ملازمت کی توقع بھی نہیں رہی تھی۔ چند سال میں امتحان مڈل کی بھی یہی نسبت ہونیوالی ہے۔ اگر کسی نے امتحانات مڈل اور تحتانیہ کی کبھی تاریخ لکھی تو یقین ہے کہ یہ امر بالکل ثابت ہو جائیگا کہ یہ امتحانات اشاعت تعلیم کے باعث رہے ہیں اور اگر ان کا وجود نہ ہوتا تو ممالک محروسہ میں ان پڑھ و جاہل اشخاص کی افسوسناک تعداد موجود رہتی اور عوام علم کی روشنی سے ایک مدت مدید تک محروم رہتے اور ترقی کی شاہراہ کا رخ بھی معلوم نہ کر سکتے۔

امتحان کا تیسرا لیکن سب سے اہم مقصد تحصیل علم کا معیار مقرر کرنا ہے۔ یہ مرحلہ ہمیشہ ہے کہ ترقی کی اصلیت معیار کی کسوٹی ہی پر ظاہر ہو سکتی ہے۔ ہر شخص کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی کوشش و جد و جہد کی جانچ کسی معیار مقررہ سے کرے ورنہ اس کی حالت اس کشتی کی طرح رہیگی جو کسی سمندر میں ناخدا بغیر موجوں کے تھپیڑوں اور ہوا کے جھوکوں سے ادھر اُدھر ماری پھرے۔ امتحان کا ایک معیار مقرر ہونے سے نہ صرف طلبہ بلکہ مدرسین کو بھی ایک مدت کے اختتام پر اپنے اپنے کام کی حقیقت اور وسعت کا اندازہ لگانے کا بہترین موقع ہاتھ آتا ہے۔ اس کے علاوہ تجربہ نے یہ بھی ثابت کر دکھایا ہے کہ ایک معیار تعلیمی مقرر ہونے کے باعث اگر اکثر و بیشتر طلبا اس معیار مقررہ تک پہنچنا ہی غنیمت تصور کرتے ہیں تو بعض ایسے طلبہ بھی شاذ و نادر نظر آتے ہیں جو اس معیار سے زیادہ کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس طرح معیار مقرر ہونے سے کام کرنے کی بدرجہ اولیٰ ترغیب ہوتی ہے جو ہر آئینہ مفید ہے اس میں شک نہیں کہ کسی مضمون پر اسی وقت عبور حاصل ہو سکتا ہے جب کہ اس مضمون سے فطری لگاؤ ہو لیکن اس امر کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ دلچسپی کو مہارت سے ایک خاص نسبت ہے جوں جوں انسان کسی کام میں ماہر ہوتا جاتا ہے اس کام میں اس کی دلچسپی بھی اسی لحاظ سے بڑھتی جاتی ہے اور یہ دونوں باتیں محض ایک معیار مقررہ کی بدولت ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

خیالات پیش کردہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امتحان مفید اور سود مند ضرور ہے۔ لیکن طریقہ امتحان ایک مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے اور سوالات کا پرچہ ترتیب دینا ایسا آسان کام نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔

انگریزی زبان کا پڑھانا

ڈی اَن ایچ ایک مشہور و معروف ماہر تعلیم ہیں انہوں نے برک بیک کالج میں ایک خطبہ انگریزی کی درس تدریس کے متعلق دیا خطبہ نہایت دلچسپ ہے۔ ذیل میں اس کا کہیں کہیں سے ترجمہ اور اکثر صورتوں میں اقتباس اس لئے پیش کیا جاتا ہے کہ اس سے ان ہندوستانی اساتذہ کو جو انگریزی پڑھاتے ہیں مدد ملے گی اور سب میں بڑی بات یہ کہ اردو کی درس تدریس کے متعلق سوچنے والے دماغ اس خطبہ سے بہت سی کام کی باتیں اخذ کر سکینگے۔ یہ واضح رہے کہ جس طرح اچھی انگریزی کا انگریزوں کے لئے بھی لکھنا آسان نہیں (ہندوستانیوں کا تو کیا ذکر) اسی طرح اچھی اردو کا لکھنا دہلی اور لکھنؤ والوں کے لئے بھی کھیل نہیں ہے۔ لکھنا آسان چیز نہیں۔ بغیر محنت اور مشق کے یہ قوت ترقی نہیں پاتی۔ ابتدا ہی سے بچوں کو اپنی مادری زبان میں صاف ستھری اور دلنشین نثر کی مشق کرانی ضروری ہے اور اس مشق کے لئے بہت سی چیزوں سے واقفیت کا پیدا کرانا دماغ کو سلجھانا اور خیال اور الفاظ کی باہمی موزونیت کی حس کا ارتقا دینا ضروری ہے۔ بہرحال ہمیں امید ہے کہ ڈی اَن ایچ کے خیالات ناظرین کے لئے دلچسپی سے ہی خالی نہ ہونگے بلکہ بہت سی مفید خیالات کا اُن کے دماغی خزانہ میں اضافہ کرینگے۔

تعلیم اور معلومات ایک ہی چیز نہیں ہیں۔ تعلیم کے معنی یہ نہیں ہیں کہ معدے میں علم کے شکر پاروں کو ٹھونس ٹھونس کر بھر دیا جائے اور پھر امتحان کے موقع پر ان کو اگل دیا جائے تعلیم قوائے نفس کی نشوونما اور تربیت کا نام ہے۔ اچھا معلم ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اپنے آپ کو مدار سا بنا دے۔ اس کا دل اس دن کا منتظر ہوتا ہے جب شاگرد اپنے

آپ کو تعلیم دینے لگیں - اگر شاگردوں میں یہ بات نہ پیدا ہو تو پھر گویا اس کی محنت اکارت گئی۔ اسی وجہ سے یہ بات لازمی ہے کہ تعلیمی مضامین کو طلبہ کے لئے دلچسپ بنایا جائے اور اس کی احتیاط کی جائے کہ یہ مضامین شاگرد کی روزمرہ زندگی سے دور نہ جا پڑیں اگر ایسا نہ کیا جائیگا تو موقع ملتے ہی مضامین کو غالباً شاگرد اس طرح اپنے دماغ سے دور کر دینگے جس طرح ایک بوجھ کو اتار پھینکا جاتا ہے۔

تعلیم کے متعلق پرانا خیال یہ نہ تھا جو میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ پرانا خیال یہ تھا کہ تعلیم کو بار بنا دیا جائے اور جتنی تعلیم ناگوار ہوتی جائے اتنی ہی اچھی ہوتی جائیگی کیونکہ اس سے کے رگ رگ ڈھلے گا۔ یہ نظام تعلیم صدیوں تک جاری رہا اور یہ ایک حضرت رساں غلطی تھی اسلئے تعلیم دینا ایک خوفناک کاوش اور تعلیم پانا محض ہڈ بیتا ہو گیا تھا اس نظام میں جبر اور اطاعت کے سوا کچھ نہ تھا اور وہ زمانہ ابھی ہم سے دور نہیں ہوا ہے کہ اسطح کی اطاعت لکڑی کے زور سے کرائی جاتی تھی۔ پرانے مرض میں تعلیمی - یونانی اور لاطینی' قواعد اور اقلیدس اوضع کئے تھے اس قسم کے نظام میں بخوبی کام دیتے تھے - یہ ایک پر لطف اچنبھے کی بات ہے۔ لسانیات کے گندم نما جو فروش ارباب نے سخت اور تقریباً کامیاب کوشش کے بعد انگریزی کی تعلیم پر اپنے طریقوں کے رواج دینے کے لئے ہتھ مارا۔ میرا قیاس چاہتا ہے کہ اس کوشش میں کچھ اس مجبوری کو بھی دخل ہے کہ انگریزی زبان کی تدریس کا کوئی اور طریقہ ان کے دماغ میں ہی نہیں آسکتا تھا۔ لہٰذا انہوں نے زبان انگریزی کے پڑھانے میں السنہ قدیم کا ہی وتیرہ اختیار کیا۔ علاوہ اسکے کیا امتحانات ہی تعلیم کا انجام نہیں سمجھے جاتے؟ اور امتحان کے لئے کوئی زبان اسی وقت پڑھائی جاسکتی ہے کہ اس کو مردہ زبان کی حیثیت دیدی جائے۔

ان خیالات کے مطابق ہماری تعلیم بڑی اور مجھے اچھے طرح یاد ہے کہ شیکسپیر سے متعلق کیا کیا گھر لیو تشفیں چھٹیوں میں کرنے کے لئے ایلے ٹن کے مدرسہ میں دی جاتی تھیں اور یہ بھی یاد ہے کہ گھروں سے لوٹنے پر مدرسہ میں کس قسم کے پرچے امتحان کے لئے دئے جاتے تھے۔ ہم لوگ گھر سے واپسی پر ریل میں ان مشقوں کو شروع کرتے تھے اور سوالات وہی پرانی وضع کے ہوتے تھے۔ غیر مانوس مصرعوں اور لفظوں کی وضاحت کرو اور اسی قسم کی چیزیں پوچھی جاتی تھیں۔

انگریزی زبان اور ادب کا جب اعزازی شعبہ آکسفورڈ میں قائم ہوا تو حالت بد سے بدتر ہوگئی۔ نرے نمودی عالموں نے بڑی زبردست کوشش کی کہ انگریزی زبان کی درس تدریس کو اپنے عالمانہ طریقوں کا تختۂ مشق بنایا جائے۔ ان حضرات نے جو اسکیم تیار کی تھی اس میں جہاں تک میری یاد کام دیتی ہے۔ بیچارے طلبہ کو چاسر سے کئی صدی پہلے کی زبانوں مثلاً اُیس لینڈی لی ٹو نلانی وغیرہ سے انگریزی زبان کا مطالعہ شروع کرنا پڑتا تھا۔ لطف تو یہ تھا کہ ان جھمیلوں میں طلبہ کو اس طرح پھانس دیا جاتا تھا کہ وہ انگریزی ادب تک پہنچنے ہی نہیں پاتے تھے۔ اس قسم کے حضرات نے اس شعبہ کا قریب قریب کام ہی تمام کر دیا تھا۔ جو لڑکے اس شعبہ کو اختیار کرتے تھے ان کو انگریزی ادب کا شوق اس طرف لیجاتا تھا اور ان کو لسانیات سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی تھی۔ میں ٹنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ انگریزی کی پیش رو۔ یعنی جملہ بربری عہد متوسط کی زبانوں کا مطالعہ ان طلبہ کے لئے جو اس طرف میلان رکھتے ہوں تحصیل کے بعد کا کام ہونا چاہیئے۔ معمولی طلبہ کے لئے انگریزی کی ابتداء چاسر سے ہوتی ہے۔

اچھی انگریزی کا لکھنا قطعاً آسان بات نہیں اور نہ ہی انگریزی کے مصنفوں کو آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ عموماً ہم اس پھرتی سے پڑھتے ہیں کہ اپنے آپ سے بھی سوال کی مہلت ہی نہیں ملتی کہ آیا ہم نے جو کچھ پڑھا ہے اس کو سمجھ بھی لیا یا نہیں میں زبان انگریزی کے مطالعہ کی اپنی اسکیم میں سے رسمی قواعد اور اشتقاقیات کو بھی خارج کر دونگا۔ ان چیزوں کی انگریزی پڑھنے یا لکھنے میں ضرورت نہیں پڑتی۔ تاہم میں الفاظ کی تاریخ کو ضرور شامل کرونگا۔ یہ چیز نہایت دلچسپ ہے یا یوں کہیئے کہ دلچسپ بنائی جاسکتی ہے۔ اس تاریخ الفاظ سے ہمارے وطن کی تاریخ کی بہت ضمنی باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً لاطینی کے بہت سے لفظ ہیں جو ہمارے اسلاف کی زبان پر ان کے انگلستان فتح کرنے سے پہلے ہی چڑھ چکے تھے۔ جیسے چیز Cheese انچ Inch مائل Mile وغیرہ

مذہب عیسوی کے ساتھ اور لاطینی لفظ آگئے جیسے بی شپ Bishop

کان ڈل Candle وغیرہ۔

یہ عجیب بات ہے کہ خاص دیسی برطانوی لفظ انگریزی میں مشکل ہی سے ملینگے۔ ایک پرانی تحریر میں ٹوکری کے معنی میں 'بس کو ڈا' آیا ہے لیکن یہ ولیش زبان کا لفظ ہے۔ شاید ہی گنتی کے برطانوی لفظ انگریزی میں ملیں۔

اس اثنا، میں ڈین اور نارتھ مین بھی آتے جاتے تھے اور اپنے الفاظ یادگار چھوڑ گئے جیسے لا (Law) ہزبنڈ Husband سسٹر (Sister)

اس کے بعد نارمن لوگ آئے۔ معلوم نہیں آپ نے بھی کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ ہماری زبان میں ایک انوکھی چیز یہ ہے جو غالباً دنیا کی کسی اور زبان میں نہیں کہ جانوروں کے نام جیتے جی کچھ ہیں اور مرنے کے بعد ان ہی کے نام کچھ اور ہیں۔ مثلاً کاؤ Cow گائے اور گائے کا گوشت بیف Beef گوٹ Goat بھیڑ۔ بھیڑ کا گوشت مٹن Mutton اس کی وجہ یہ تھی کہ نارمن لوگ فاتح تھے۔ اور بدنصیب انگریز اس زمانہ میں ایک طرح کی غلامانہ حیثیت رکھتے تھے۔ جیتے جانوروں کو یہ بیچارے اپنی انگریزی زبان کے ناموں سے پکارتے تھے۔ لیکن ذبح کرنے کے بعد جب اپنے جاگیردار صاحب کے قلعہ نما محل میں ان جانوروں کو لے جاتے تو ان کے فرانسیسی سی یا قریب قریب فرانسیسی سی نام سے دیتے۔ یہ تھا سبب کہ ہماری زبان میں زندہ اور مردہ جانوروں کے نام جدا جدا پڑ گئے ہیں۔ ہم اس زمانہ میں فرانس کے تحت حکومت تھے۔ یہ الفاظ ایک ہماری تاریخ کے شرمناک باب کی طرف اشارہ کرتے ہیں لیکن امید ہے کہ آئندہ ایسا باب کبھی انگلستان کی تاریخ میں لکھا نہ جائیگا۔ نارمن لوگ اور بھی بہت سے لفظ اپنے ساتھ لائے۔ ماسٹر۔ بٹلر۔ ڈنر۔ باٹل وغیرہ

"تاریخ کے بعد کے عہدوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اطالویوں سے انگریزوں نے موسیقی اور دیگر فنون لطیفہ سیکھے۔ انگریزی موسیقی کی اکثر اور بہت سی نقاشی کی۔ اصطلاحیں اطالیہ سے

آئی ہیں۔ اہل ہالینڈ بھی زبردست نقاش تھے۔ ان کے ہاں سے اس کیچ ای زل جیسے الفاظ انگریزی کو ملے۔ علاوہ اس کے یہ ہالینڈ والے بحری معاملات میں بھی ہمارے استاد رہے ہیں۔ اور بحریات سے متعلق بہت سے الفاظ ڈچ زبان سے آئے ہیں۔

پھر اسپین والوں کا اثر پڑا اور اسپینی زبان سے بھی لفظ انگریزی میں آگئے۔

لفظوں کے تلفظ کی غلطیاں بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوتیں۔ بہت سے لفظ تلفظ کی شباہت کی وجہ سے غلط معنوں میں استعمال ہونے لگتے ہیں۔

تعلیم کی قدامت پسندی ایک اچنبھے کی بات ہے۔ کلاسی کل یعنی لاطینی اور گری کی روایات اس وقت کی یادگار ہیں۔ جبکہ تعلیم یافتہ لوگوں کی اور سرکاری اور مذہبی مشترکہ زبان لاطینی تھی اور جس وقت یقیناً لاطینی اور گری کی ادب اس زمانہ کے یورپی ادبیات میں بہترین تھے لیکن اب کوئی وجہ نہیں کہ اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ خود ہمارا ادب گری کی ادب کا ہم پلہ ہے اور غالباً اور تمام ادبیات سے سبقت لے جا چکا ہے۔

کچھ نہ کچھ حالات ایسے درپیش آتے رہے کہ انگریزی بچاری اس غریب بہن کی طرح رہی جس کا کوئی خیال ہی نہیں کرتا تھا۔ چودھویں صدی میں کہیں ابتدائی مدرسوں میں انگریزی نے فرانسیسی کی جگہ لی۔ اور تقریباً اسی زمانہ میں انگریزی کا ایک معیار قائم ہو چلا تھا۔ ٹکسالی انگریزی ایسٹ مڈلینڈ اضلاع کی بولی سمجھی جاتی ہے۔ یہی وہ بولی تھی جو دربار اور جامعوں میں رائج تھی اور یہی چاسر کی زبان تھی۔ اور اب اسی کو ملک کی ٹکسالی زبان قرار دیدیا گیا۔

اگرچہ کہ ہمارے معصوم بچے فرانسیسی چھٹکارا پا چکے تھے۔ لیکن لاطینی ابھی ان کے گلے کا ہار تھی اس زمانہ میں بچوں کو لاطینی مصنفوں کا مطالعہ نہیں کرنا پڑتا تھا۔ یہ بات بعد میں اضافہ کی گئی۔ لیکن بچوں سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ لاطینی بولیں۔ جب احیائے علوم کا دور انگلستان میں بھی شروع ہوا تو بڑے بڑے فاضل لوگوں نے اس رمز کو پالیا تھا کہ کسی زبان کا جاننا اسی وقت کارآمد ہو سکتا ہے کہ اس زبان کے ادب کا مطالعہ کر سکیں۔ اور افسوس ہے کہ اس خیال کے تحت ننھے ننھے بچوں کو شیاذ

سزائیں اس وقت برداشت کرنی پڑیں۔

ایک صاحب ۱۵۳۰ء میں تحریر فرماتے ہیں "بچہ سات برس کے سن میں گریک زبان شروع کرسکتا ہے اور اس اثناء میں وہ لاطینی سے بے تکلف کام لے سکتا ہے"۔ اس کے آگے اُن صاحب نے تیرہ برس کی عمر تک ایسے مصنفوں کا مطالعہ تجویز کیا ہے جن کو فارغ التحصیل لوگ ہی سمجھ کر پڑھ سکتے ہیں اور ان کا لطف اٹھا سکتے ہیں اس زمانے میں ننھے بچوں کے لئے مدرسہ کے اوقات یہ تھے۔ چھ سے گیارہ بجے تک اور پھر ایک سے شام کے چھ تک۔ اور میں ذرا یہ کہتے ہوئے جھجکتا ہوں کہ ایک زبردست پادری صاحب نے سنٹ پال کے مدرسہ کے لئے حکماً چھٹیاں بند کردی تھیں۔

پراٹسٹنٹ مذہب کی اصلاح جب شروع ہوئی تو ملک کو ایک بڑی نعمت یہ حاصل ہوئی کہ انجیل انگریزی زبان میں ہر کس و ناکس کے ہاتھ تک پہنچ گئی۔ صدیوں تک انجیل کا لوگ نہایت احتیاط سے مطالعہ کرتے رہے۔ اور انجیل کا بہت بڑا حصہ حفظ یاد کرلیتے تھے۔ اس کا پھل ایسے مصنفوں کی صورت میں نمودار ہوا جو سوائے انجیل کے مطالعہ کے اور کوئی علمی سرمایہ نہیں رکھتے تھے۔ اس کی ایک پرانی مثال جان بنین ہے۔ اور اس اپنے زمانہ میں جان بنین کی شاندار تقریریں ہیں۔ اب افسوس ہے کہ انجیل نسبتاً کم پڑھی جاتی ہے۔ اور خصوصاً ادبی نقطۂ نظر سے، اور یہ بڑی قابل افسوس بات ہے۔ ملٹن لاطینی اور گری کی تعلیم پر پہلے ہی وار کرچکا ہے، وہ کہتا ہے "یہ ہم غلطی کرتے ہیں کہ یوں ہی سی لاطینی اور گریک سیکھنے میں سات یا آٹھ برس صرف کردیتے ہیں حالانکہ اتنی لاطینی اور گریک آسانی اور مسرت کے ساتھ بعد میں ایک سال کے اندر سیکھی جاسکتی ہے"۔ یہ ملٹن نے بالکل سچ کہا ہے۔ معمولی سمجھدار آدمی ایک سال میں اتنی لاطینی اور گریک سیکھ سکتا ہے جتنی مدرسہ کے بچے تقریباً سات برس میں سیکھتے ہیں۔

ملٹن کے زمانہ میں بھی لڑکوں کو لاطینی بولنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ بعض لڑکے مقرر کئے جاتے تھے جن کا کام یہ ہوتا تھا کہ جو لڑکے انگریزی بولیں ان کو ٹوکیں اور وہ نہ مانیں تو پھر ان کو ٹھونکیں

زبان انگریزی کی نجات میں زبان انگریزی کے بتدریج یونانی اور لاطینی دان حضرات کے

چنگل سے نکلنے کی تاریخ یہاں بیان نہیں کرونگا۔ اس طرح انگریزی کے پیچھا چھڑانے پر جو خوشیاں منائی جاتی ہیں ان میں اس اندیشہ کی کھوٹ بھی شامل ہے کہ یونانی اور لاطینی ادبیات کی تعلیم کہیں مٹ نہ جائے۔ ان زبانوں کو ابھی تک کچھ نہ کچھ سماجی وقار حاصل ہے لیکن ان زبانوں کے حمایتیوں کو یہ بات محسوس کرلینی چاہیئے کہ ان السنہ کی قوت اور وقار کا راز ان کی وہ خوبیاں ہیں جو ان میں فطرۃً موجود ہیں۔ تاہم بھی ان فوائد اور تربیت کی قدر و قیمت کو گھٹیا نہ سمجھنا چاہیئے جو نفس کو ان زبانوں کی تعلیم سے حاصل ہوتی ہے۔ حال ہی میں ایک قابل غور امر کین کتاب میری نظر سے گزری ہے۔ یونانی لاطینی زبانوں کی تعلیم کے متعلق ایک سوال بند ان لوگوں کے پاس بھیجا گیا تھا جو کسی نہ کسی دھندے یا بیوپار میں لگے ہوئے ہیں۔ سوالات اور ان کے جوابات اس کتاب میں درج ہیں۔ تقریباً کل جوابات اس قسم کی تعلیم کی تائید کرتے ہیں اور بعض جوابات میں تو بڑے زور سے موافقت کی گئی ہے۔ مجھے صرف اتنا اصرار ہے کہ یہ تربیت نری سانیاتی نہ ہو۔ مضمون نگاری بہت اچھی اور بہت کارآمد چیز ہے اور اس کے متعلق میں ابھی کچھ عرض کرونگا۔ لیکن بہت سا کام اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ یونانی اور لاطینی شہ پاروں کے ترجمے پڑھے جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہی ایک یقینی راستہ ان شہ پاروں کی بقا کا رہ گیا ہے۔ اب یہ کوشش نہ کی جانی چاہیئے کہ ان زبانوں کی تعلیم کو اکثر طلبہ کے لئے جبری کیا جائے۔ کیونکہ اب یہ بہت بعد از وقت ہوگا۔ یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ بعض یونانی اور لاطینی مصنفوں کے ترجمے تعلیم کا باقاعدہ جز بنا دئے جائیں۔ اب یہ زبانیں تعلیم کا اہم جز نہیں بن سکتیں۔

السنہ قدیمہ بہ حیثیت سماجی فضیلت

بدستی سے یہ زبانیں سماج کے ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں فضیلت کا سا کام کرنے لگی تھیں۔ ایسے بھی ملک ہیں جہاں اشتراکی (سوشیالسٹ) حکومت نے ذات پات کے سے طبقاتی احساس کی خرابیوں کو دیکھکر یہ کیا کہ جو شرفا کے مدارس کہلاتے تھے ان کو بالکل مسدود کر دیا۔ ناروے سوئیڈن اور شاید جرمنی میں ان مدرسوں کا یہ حشر ہوا ہے۔ میری دلی آرزو ہے کہ انگلستان میں اس کی نوبت نہ آئے۔ اگر سلطنت کی جانب سے ہمارے ہاں کے پبلک اسکولوں (جو شرفا اور امراء کے طبقوں کے لئے مخصوص ہیں)

برخاست کر دیئے جائیں تو یہ ایک المناک واقعہ ہوگا۔ ہم کو صرف اس بات کی دیکھ بھال کرنی چاہیئے کہ ان مدارس میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ ایسی ہو کہ بجائے طبقوں کو جدا کرنے کے آپس میں ان کو اور ملا دے۔ یہ میرا دعویٰ ہے کہ انگریزی کے مطالعہ سے یہ بات حاصل ہونی چاہیئے۔ پرانی تعلیم کا رجحان یہ تھا کہ ملک میں بجائے ایک قوم کے دو قومیں پیدا ہو جائیں۔

تلفظ کے اختلافات سے بھی کس قدر سماجی تفرقہ پیدا ہو سکتا ہے۔ مدرسہ کا یہ فرض ہے کہ اس کا علاج کرے۔ لیکن جو پرانی بولیوں کے لب لہجہ اور تلفظ کے اختلاف زبان انگریزی کا جز بن چکے ہیں ان کو نہ مٹایا جائے۔ فرانس میں آبادی کا بیشتر حصہ صحیح فرانسیسی بولتا ہے۔

مجھے تو یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ زبان انگریزی کے سکھانے کی ضرورت کے متعلق کسی قسم کے شکوک کا گمان بھی ہو۔

اس میں شک نہیں کہ گھروں میں ہم ایک طرح کی انگریزی سیکھ لیتے ہیں لیکن کونسی انگریزی؟ جس بچہ کو اچھی انگریزی نہ سکھائی جائے۔ وہ یقیناً بری انگریزی سیکھ لے گا۔ اس قسم کا بچہ اگر اس نے اچھی تعلیم نہ پائی ہو کبھی یہ بات معلوم نہیں کر سکتا کہ اس نے زبان انگریزی اور انگریزی ادب کو جو ہماری میراث کا سب میں زبردست جز ہے۔ نہیں جو ہماری مملکت ہندوستان سے بھی زیادہ قیمتی شئے ہے کبھی نہیں سیکھ سکتا۔ ہمارا ادب ایک بڑا دریا ہے جس میں ہر طرف سے معاون ندیاں اپنا اپنا خراج لاتی ہیں اور اس دریا کو زرخیز اور رنگین بناتی ہیں۔ اس ادب کے ذریعہ بڑے بڑے نفوس سے ہمارے نفوس رگڑ کھاتے ہیں اور اس سے حال اور ماضی کو جوڑنے والی زنجیر ہاتھ آتی ہے۔ برک نے اپنے ایک مشہور مقولہ میں نہایت دلنشین فصاحت کے ساتھ ماضی حال اور مستقبل کے تسلسل کا ذکر کیا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ یہ تسلسل ہی وہ چیز ہے جو ایک قوم کو یکجان کرتی ہے اور اس کو ترقی کی اصلی شاہراہ سے بھٹکنے نہیں دیتی۔

خیال اور اظہار خیال | یہ بھی غور کے قابل ہے کہ جو لوگ اپنے خیالات کو صاف صاف ادا نہیں کر سکتے وہ واضح طور پر سوچ بھی نہیں سکتے۔ جب ہم اپنے خیالات کے لئے ٹھیک ٹھیک

لفظ ڈھونڈ لیں تو خیالات نتھر سے جاتے ہیں اور پھر ہم یہ کر سکتے ہیں کہ ان خیالات کو دوسروں تک پہنچا دیں اور ہم خود اصلاح اور ترقی کے میدان میں ایک قدم آگے بڑھائیں۔

میرا یہ خیال ہے کہ طلبا کے دلوں میں انگریزی زبان پر فخر و مباہات کا احساس پیدا کر دیں۔ زبان انگریزی اظہار خیال کا بہترین آلہ ہے۔ ایسا آلہ اب تک کہیں معرض ایجاد میں نہیں آیا۔

یہاں جان گالس ورتھی کے چند جملے دہرانے چاہتا ہوں۔ یہ یاد رہے کہ گالس ورتھی ہمارے موجودہ لکھنے والوں میں چوٹی کے لوگوں میں سے ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"میں اکثر اس بات کو حیرت کے ساتھ سوچتا ہوں کہ اگر مجھے انگریزی نہ آتی تو جب میں کسی کو اچھی انگریزی بولتے سنتا تو اس بولی کی آواز مجھے کیسی لگتی۔ مجھے یقین ہے کہ مجھے یہ بولی ملائم معلوم دیتی۔ کان کو خوشگوار لگتی اور یہ معلوم ہوتا کہ یہ زبان اس بات میں اپنی آپ نظیر ہے کہ اس میں حلق کی کرخت یا دھات کی جھنکار والی آوازیں نہیں۔ اس سے یہ بات ٹپکتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو لئے ہوئے اور باوقار ہے اور ایک طرح کے انس اور دوستانہ کی بو باس میں بسی ہوئی ہے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ میں اچھی انگریزی کو دنیا کی اور زبانوں کے مقابلہ میں اظہار خیال کے ذریعہ کی حیثیت سے انتخاب کرتا۔ کیونکہ یہ ایسی زبان ہے کہ انسان اس سے اگر اکتا بھی سکتا ہے تو اور زبانوں کے بہت بعد۔ یہ زبان درشت ضرور ہے لیکن اس نے ایک خاص اپنا گہرا سریلا پن حاصل کر لیا ہے اور ایک زوردار شخصیت پیدا کر لی ہے۔ خواہ کتنا ہی بڑا کام اس سے لیا جائے۔ یہ زبان اس بڑے کارنامہ کی سزاوار ثابت ہوگی۔"

ٹے نی سن نے کسی جگہ یہ جسارت آمیز رائے ظاہر کی ہے کہ انگریزی اطالوی زبان کی طرح خوش آیند ہے۔ لیکن اطالوی زبان میں بعض آوازیں اس قدر دہرائی جاتی ہیں کہ آدمی اکتا جاتا ہے۔ انگریزی میں یہ بات نہیں۔

ٹے نی سن نے ڈانٹے کی مشہور نظم "ان فرنو" (جہنم) سے ایک مصرع مثالاً دیا ہے جس کے ہر لفظ کے آخر میں اے (A) آیا ہے اور کانوں کو بُرا لگتا ہے۔ ٹے نی سن نے یہ بھی لکھا ہے کہ اچھی انگریزی لکھنے میں بڑی دقت یہ ہے کہ تحریر کو پھنکارے مارنے سے روکا جائے اس لئے کہ زبان انگریزی میں بس (S) سے سین کی آوازیں بہت آجاتی ہیں۔

(باقی آئندہ)

مواضعات کی صفائی متعلق چند سیدھی سادہ تدبیریں

ہند میں حفظان صحت کے ضمن میں مواضعات کی حفظان صحت کا مسئلہ نہایت اہم ہے اور نہایت مشکل سے حل ہو سکتا ہے۔ اس کی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ عامۂ رعایا کی بہت بڑی تعداد منتشر مواضعات میں رہتی ہے اور ان مواضعات میں اصول حفظان صحت کی پابندی بہت کم کی جاتی ہے اور جب گاؤں والے بڑے شہروں میں اپنے روزگار کے لئے یا کسی اور غرض سے جاتے ہیں تو اپنے ساتھ بیماری لئے جاتے ہیں۔ اس مسئلہ کا حل کرنا مشکل اس وجہ سے ہے کہ ایک طرف تو حفظان صحت کے لئے جو رقم ہمدست ہو سکتی ہے وہ خود بڑے شہروں کے لئے ناکافی ہے جہاں آبادی کی تعداد بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور دوسری بہت بڑی مشکل یہ ہے کہ گانوں والوں کے عقائد میں توہمات کو بہت بڑا دخل ہے اور عام طور پر ان میں جہالت پھیلی رہتی ہے۔ تاہم حفظان صحت کے اصول کے علم سے بہت کچھ ہو سکتا ہے اور وہ لوگ جو مثل اُن طلباء کے جنہیں میں اس وقت مخاطب کر رہا ہوں اچھے تعلیم یافتہ ہیں۔ اپنے طرز عمل اور رسوخ سے غریب اَن پڑھ دہقانیوں کی تکالیف میں بہت کچھ کمی کر سکتے ہیں۔

مکانات کی صفائی ہمیں ابتداء رعایا کے مکانات سے کرنی چاہیئے۔ یہ مکان اکثر

ایسے ہوتے ہیں جن میں سورج کی روشنی اور ہوا کی آمدورفت کا اچھا انتظام نہیں رہتا۔ مکان کی سطح زمین سے ہموار ہوتی ہے یا اگر کچھ بلند ہو تو بہت کم بلند رہتی ہے۔ جس سے چوہے، کیڑے اور دوسرے حشرات الارض مکان میں آسانی سے داخل ہو سکتے ہیں۔ ہوا کی آمدورفت کا ناکافی ہونا صحت پر بُرا اثر کرتا ہے۔ جب ہم سانس لیتے ہیں تو دم کی راہ ہمارے پھیپھڑوں سے کاربانک ایسڈ گاس۔ پانی کی بھاپ اپنے اندرونی پوست کے ذرا یت باریک ریزے اور بالکل باریک سے باریک کیڑے جو سوائے خوردبین کے دیکھے نہیں جا سکتے باہر نکلتے ہیں۔ اگر کسی کمرہ کی ہوا میں کاربانک ایسڈ گاس کا بہت بڑا حصہ ہو تو حبس ہونے لگتا ہے جس سے دردسر پیدا ہوتا ہے کسی کمرہ میں بہت سے آدمی ہوں تو پانی کی جو بھاپ ان کے دم سے نکلتی ہے اس سے ہوا کی رطوبت بڑھ جاتی ہے اور اس رطوبت سے بعض موسموں میں کمرہ میں جو لوگ موجود ہوں ان کے آرام پر ضرور اثر پڑے گا اور ان وجوہات سے مضر صحت کیڑوں کی پیدائش میں ترقی ہوگی اکثر لوگ اپنے کمروں میں لکڑی یا کوئلے سے آگ روشن کرتے ہیں جس سے وہاں رہنے والوں کے آرام اور صحت پر اور بھی بُرا اثر پڑتا ہے۔ اگر دروازہ بالکل بند کر دیا جائے تو جو اشخاص آگ کے قریب سوئے ہوں ان کا کاربانک مون آکسائیڈ نامی زہریلی ہوا کے اثر سے مرجانا بالکل ممکن ہے۔ اور ایسے واقعات ہوئے بھی ہیں پس صحت کے قائم رکھنے میں ہوا کی آمدورفت کا اثر نہایت قیمتی ہے حالانکہ ہوا قدرت کا مفت عطیہ ہے جس کے لئے خداوند کریم ہم سے کچھ قیمت نہیں مانگتا۔ جن وجوہات سے ہوا کی آمدورفت نہیں ہونے پاتی وہی سورج کی روشنی کے مانع ہوتی ہیں۔ تمام دنیا میں سورج کی روشنی سے بہتر صفائی کا ذریعہ کوئی نہیں ہے۔ لہذا یہ امر نہایت ضروری ہے کہ ہر کمرہ میں کافی تعداد میں کھڑکیاں نصب کی جائیں۔ جن سے سورج کی روشنی داخل ہو کر کمرہ کی صفائی اور روشنی بڑھائے۔ اگر کافی مقدار میں ہوا کی آمدورفت اور دھوپ سے صفائی نہ ہو تو کل متعدی امراض جو ہوا کے ذریعہ پھیلتے ہیں (مثلاً گوبری، چیچک، سل وغیرہ) ان مکانات کے رہنے والوں میں بآسانی سرایت کر کے ہمسایوں کے

مکانوں کو بھی متاثر کر سکتے ہیں۔

صفائی کمروں کا صاف ستھرا رہنا از حد ضروری ہے مقررہ وقفہ سے ہر کمرہ میں جو جو سامان ہے وہ نکال کر دھوپ میں رکھا جا کر کمرہ کو اچھی طرح جھاڑنا چاہیئے۔ یہ امر نہایت اہم ہے کہ کمروں کی زمین پختہ بندش کی ہو جس سے نہ صرف صفائی میں سہولت ہو گی بلکہ پسو وغیرہ جو مٹی کے زمین میں اکثر چھپے رہکر پرورش پاتے ہیں پختہ فرش میں پناہ نہیں پا سکتے مکان کے اطراف کا حصہ روزانہ جھاڑا جائے اور کچرا کوڑا اور غیر ضروری اشیاء جو جمع ہوتی رہیں انہیں جلایا جائے یا کسی قدر فاصلہ پر دفن کر دیا جائے تو مناسب ہو گا۔ دفن کرنے سے میرا منشا یہ نہیں کہ محض گڑھا کھود کر کچرا کوڑا اس میں ڈال دیا جائے۔ اگر گڑھا کھودا جائے تو اس میں سے جو مٹی نکلے اس سے اُسے بھر دینا بھی لازمی ہے۔ اکثر مواضعات میں پیشاب خانہ یا پائخانہ نہیں ہوتے۔ ایسی صورت میں ۳-۴ فٹ لانبی اور ۲ فٹ گہری خندق آسانی سے بنائی جا سکتی ہے اس کا روزانہ استعمال ہو سکتا ہے اور جو مٹی خندق کھود کر نکالی گئی ہو اس کا کچھ حصہ غلاظت پر ڈال دیا جا سکتا ہے اگر ایسا عمل کیا جائے تو رہتے رہتے مٹی غلاظت کو پاک و صاف کر دیگی بشرطیکہ خندق زیادہ گہری نہ کھودی جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کا اوپری حصہ ایسے کیڑے پیدا کر سکتا ہے جو غلاظت سے بیماری پیدا کرنے والے کیڑوں کو مار ڈالتے ہیں لیکن ایسے کیڑے صرف زمین کے اوپری حصہ میں رہتے ہیں اور دو فٹ سے زیادہ ڈونگان میں ایسے کیڑے نہیں پیدا ہوتے جب ایک خندق بھر جائے تو ۳ فٹ کے فاصلہ پر دوسری بنائی جا سکتی ہے۔ اگر ایک چھوٹی سی بھٹی کا بنانا ممکن ہو جس میں کل فضلہ اور غلاظت جلادی جا سکے تو اور بھی بہتر ہو گا کیونکہ کچرا کوڑا جمع کرنے سے جو ہے کیڑے وغیرہ جمع ہو جاتے ہیں اور اس کے سڑنے کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ لہٰذا کچرے کوڑے کی صفائی بہت ضروری ہے۔

پانی گاؤں والے باؤلی سے پانی لیتے ہیں۔ اگر اس باؤلی پر نگرانی رکھی جائے اور صرف ایک ہی برتن سے پانی سینچا جائے تو پانی کی صفائی کا برقرار رہنا زیادہ قرین قیاس ہوتا ہے

لیکن اکثر باؤلیوں کی تعمیر اچھی نہیں ہوتی اور لوگ بے پروائی سے ان کا استعمال کرتے ہیں اور اکثر باؤلیوں پر گاؤں والے اپنے کپڑے دھوتے ہیں اور یہ بالکل ممکن ہے کہ ایسے کپڑے جو کسی بیماری سے متاثر ہوئے ہوں ان سے ٹپکا ہوا پانی باؤلی میں جاکر باؤلی کو بھی متاثر کردے۔ لوگوں کو اس امر کا علم نہیں ہوتا کہ باؤلی کے اطراف و جوانب کی زمین ناپاک ہو تو باؤلی میں بھی ناپاکی پیدا ہونے کا احتمال رہتا ہے کیونکہ باؤلی کی نزدیک کی زمین سے پانی کا تقاطر باؤلی میں ہونا بالکل ممکن ہے۔ چونکہ عامہ رعایا بسبب جہالت کے اس سے واقف نہیں لہٰذا وہ کافی احتیاط نہیں رکھتے کہ باؤلی کے قریب کی زمین پر غلاظت نہ ہونے پائے۔ پانی کے ذریعہ ہیضہ اسٹری کا بخار اسہال اور اسٹریوں میں کیڑوں کی پیدائش کے امراض پھیلتے ہیں یہی وجہ ہے کہ تمہیں اپنے پانی کے متعلق نہایت احتیاط رکھنی چاہیئے۔ ہر مکان میں اس کا انتظام محض پانی کو جوش دینے سے بہت آسانی کیساتھ ہوسکتا ہے پانی کو جوش دینے سے کل کیڑے مرجاتے ہیں اور اگر تم صرف اپنا پانی ابال کر پیا کرو تو ان تمام مہلک امراض سے بچ سکتے ہو۔ تمہیں یہ بھی دیکھ لینا چاہیئے کہ جس برتن میں تمہارے پینے کا پانی رکھا جاتا ہے وہ روزانہ جوش دئے ہوئے پانی سے دھوئے جاتے ہیں۔

دُودھ پانی سے جو امراض پھیلتے ہیں ان میں سے اکثر امراض کو دودھ بھی پھیلاتا ہے اور اگر تم دودھ کو صرف اتنا گرم کرکے پیو کہ وہ قریب قریب اُبل جائے تو ان امراض کا مانع ہوگا۔

سِل ایک ایسا مرض ہے جو مریض گائیوں کے دودھ کے ذریعہ آدمیوں کو مبتلا کرتا ہے اگر دودھ ۱۴۰ درجہ فیارن ہیٹ تک گرم کیا جائے تو اس مرض کے کیڑے مرجائینگے۔ دودھ کو ہمیشہ مکھیوں سے محفوظ رکھنا چاہیئے اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس برتن میں دودھ رکھا جائے اس پر باریک ململ کے صاف کپڑے یا تار کی جالی کے ڈھکن سے جو خاص اس غرض سے بنایا جاتا ہے ڈھانپا جائے۔ مکھیاں دودھ میں امراض پھیلاتی ہیں کیونکہ یہ اپنے انڈے ہر قسم کی غلاظت میں رکھتی ہیں اور ہر قسم کی غلاظت میں امراض کے کیڑے موجود ہوتے ہیں۔ مویشی کے

گوبر میں سل کا کیڑا موجود ہو سکتا ہے اور مکھیوں کے ذریعہ دودھ بھی اس کیڑے سے موثر ہو سکتا ہے۔ کم از کم ۹ مہینے تک شیر خوار بچوں کو صرف ماں کا دودھ دینا چاہیئے بعض صورتوں میں یہ ممکن نہیں ہوتا اور ان صورتوں میں ایسے بچوں کے لئے موزوں خوراک صرف خالص دودھ جس کے ساتھ جوش دادہ پانی ملا ہو ہو سکتا ہے۔ گرمیوں کے موسم میں ہوا میں سے اسہال کے کیڑے دودھ میں داخل ہوتے ہیں اس کے [illegible] گرمی کے باعث بچوں کے اعضائے [illegible] ان کیڑوں کے مقابلہ کی طاقت نہیں رہتی جس سے اسہال شروع ہو جاتا ہے اور بچے بڑی تعداد میں مرتے ہیں۔

اشیائے خوراک | عموماً اشیائے خوردنی میں سل پانی اور دودھ کے امراض کے کیڑے نہیں رہتے لیکن جب وہ ایسے کیڑوں سے موثر ہوتے ہیں تو ان کیڑوں کی تعداد میں بہت جلد ترقی ہو جاتی ہے۔ اس نکتہ کی اہمیت کے احساس کے لئے اس امر کے سمجھنے کی بہت ضرورت ہے کہ ان کیڑوں کا بڑی تعداد میں داخل جسم انسان ہونا بہت زیادہ خطرناک ہے۔ بہ نسبت چھوٹی تعداد کے ادخال کے نہایت قلیل تعداد میں اگر چند مخدوش کیڑے بھی ہمارے جسم میں داخل ہوں تو اس سے ممکن ہے کہ کوئی بُرا اثر ہم پر نہ ہو کیونکہ جب ہمارا جسم صحت کی حالت میں ہوتا ہے تو خون کے سفید بلبلے ان کا مقابلہ کر کے انہیں نگل جانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اور نیز معمولی طور پر کھانا پکانے سے یہ کیڑے اور ان کی جڑ مر جاتی ہے۔ لیکن جب کسی خوراک کی شے کے ساتھ کروڑہا کیڑے داخل ہو جائیں تو ممکن ہے خون کے سفید بلبلے ان کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ اور ہم ان کیڑوں کے شکار بن جائیں۔ مثلاً گوشت کا زہر اس گوشت کے کھانے سے ہوتا ہے جس میں کثرت سے کیڑے موجود ہوں گوشت کا زہر دو مختلف قسم کے کیڑوں سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک قسم کا زہر ایسے کیڑے سے پیدا ہوتا ہے۔ جو آنت کے بخار کے کیڑے سے مشابہ ہے اور جو قبل از ذبح جانور مذبوح کے جسم میں موجود رہتا ہے۔ اس کیڑے سے جو گوشت موثر ہوتا ہے وہ ذائقہ و ظاہری نمائش میں اچھے گوشت سے کچھ فرق نہیں رکھتا اور اس لئے گوشت کا اچھی طرح پکا کر کھانا نہایت

اہمیت رکھتا ہے۔ دوسرا کیڑا جو گوشت میں رہتا ہے اس کی شباہت تشنج کے کیڑے سے ہوتی ہے اور یہ جانور کے ذبح کرنے کے بعد گوشت میں داخل ہوتا ہے۔ اس صورت میں گوشت میں عموماً بو رہتی ہے۔ یہ کیڑا جسم انسانی میں پرورش نہیں پا سکتا۔ لیکن ایک زہر پیدا کر دیتا ہے جو جسم انسان میں داخل ہو کر سخت برا اثر پیدا کرتا ہے۔ بعض صورتوں میں گوشت خوب پکایا گیا ہو تو زہر جاتا ہے مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کیونکہ زہر کی نوعیت مختلف رہتی ہے۔ لہٰذا نہ صرف گوشت کا اچھی طرح پکانا لازم ہے۔ بلکہ گوشت کے [illegible] میں بھی حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس زہر کا اثر شل مہضیہ کے ہوتا ہے۔ گوشت کو جو ہاتھ لگائے جائیں ان کا نہایت صاف رہنا ایسا اہم ہے کہ اس بارہ میں مبالغہ ناممکن ہے جس قدر احتیاط کی جائے کم ہے۔ گاؤں والوں کی عام غذا میں بہت سے اناج بھی شامل ہیں اور بعض وقت یہ اناج کچے بیچے جاتے ہیں یہ کچے اناج اور نیز نیا اناج اگر پورا پکایا نہ جائے تو اسہال اور نیز موت کا باعث ہوتا ہے اسہال کی حالت صورتوں میں انسان کے جسم سے پانی سب باہر نکل جاتا ہے۔ لہٰذا مریض کو پانی اور سیال چیزیں دینا نہایت ضروری ہے

امراض کے کیڑوں کی نوعیت اور انکو انسان کے جسم میں داخل ہونے سے روکنے کے طریقے

مرض کا کیڑا ایک نہایت ہی ابتدائی قسم کی نباتاتی حیات کی شکل رکھتا ہے۔ ہمارا جسم چھوٹے چھوٹے خانوں کی ایک بہت بڑی تعداد سے بنا ہے ان خانوں کے مختلف گروہات کو جسم انسان کی بہبودی کے لئے جدا جدا کام کرنا پڑتا ہے۔ مرض کے کیڑے ان خانوں پر اثر کر کے یا انہیں زہر آلود کر کے جسم کو بیمار کرتے ہیں یا موت کا باعث ہوتے ہیں۔ مرض کے جتنے کیڑے ہیں وہ سب کے سب ایسے جسم سے نکلتے ہیں جو اس مرض میں مبتلا ہو۔ تمام دنیا ان مرض کے کیڑوں سے بھری پڑی نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس دنیا میں بہت سارے ایسے کیڑے خداوند کریم نے پیدا کئے ہیں جو ہماری مدد کرتے ہیں اور ان مرض کے کیڑوں کے خلاف ہمارا بچاؤ کرتے ہیں۔ اکثر مرض کے کیڑے بیماروں کے جسم سے نکل کر بہت جلد مر جاتے ہیں اور عامۂ رعایا کو اگر صرف یہ علم ہوتا کہ

ان کیڑوں کے حملے سے کس طرح بچے رہیں تو دنیا میں امراض کی تعداد گھٹ جاتی جنگلوں کی ہوا اور بادل سے برستا ہوا پانی ان کیڑوں سے بالکل پاک وصاف ہے۔ ہوا پانی اور خوراک میں ان کیڑوں کے پیدا کرنے والے ذرائع بیماروں کے جسم۔ ان کے جسم سے نکلتی ہوئی غلاظتیں۔ اور اُن کے مسکونہ مکان ہیں لہذا اگر ہر شخص ان کیڑوں کے مار ڈالنے اور ان کا پھیلاو اور دکنے کے مناسب تدابیر سے واقف رہے تو دنیا میں بیماری۔ اور موت میں بڑی کمی پیدا ہو۔ بلکہ لوگ بہت سارے صرف سے بھی نجات پائیں اس ملک میں نہ صرف عوام الناس کی بلکہ تو اگر زمینداروں اور مالکان مکان کی جہالت اور مخالفت کی وجہ سے امراض پھیلتے ہیں اور ان کے دفعیہ میں کثیر صرفہ عائد ہوتا ہے جو نہایت فائدے کے ساتھ دوسری بڑی بڑی حفظان صحت اور انسداد امراض کی تجاویز مثلاً موریوں کی تعمیر۔ پانی کی صفائی وغیرہ میں صرف کیا جاسکتا۔ لہذا میں بڑی خوشی کے ساتھ یہ چند ہدایتیں نہایت سلیس عبارت میں تمہیں دیتا ہوں۔ اس امید سے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے گاؤں والوں کی بہبودی کے لئے پوری کوشش کریگا اور آئندہ امراض کے انسداد کی ہر تدبیر کی پوری تائید کریگا۔

امراض کے انسداد کا پہلا بڑا اصول یہ ہے کہ بیماروں کے بدن سے جو امراض کے کیڑے پیدا ہوں انہیں مار ڈالا جائے۔ یہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ کمرے صاف رکھے جائیں اور ادویات وبخارات اور دھوپ کی مدد سے پاک کئے جائیں۔ تمام کپڑے گرم پانی سے یا پاک کُن ادویات ملا کر دھوئے جائیں۔ بیمار کو چھونے کے بعد ہاتھ پاک کئے جائیں وغیرہ۔ اکثر کیڑے ہمارے جسم میں مُنہ یا ناک سے داخل ہوتے ہیں یا زخموں کی راہ سے یا کیڑوں کے کاٹنے سے۔ لہذا

امراض کے انسداد کا دوسرا بڑا اصول یہ ہے کہ اپنے زخموں کے بارے میں احتیاط کیجائے اور کیڑوں کے ڈنک وغیرہ سے خود کو بچایا جائے اور ناک اور مُنہ کو بھی محفوظ رکھا جائے۔ اگرچہ چند صورتوں میں خود امراض کے کیڑے ہمارے جسمانی خانوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ لیکن اکثر صورتوں میں ہم اس زہر سے ہلاک ہوتے ہیں جو یہ کیڑے پیدا کرتے ہیں اور جو ہمارے جسم

سرایت کرجاتا ہے۔ اور جیسے میں نے اوپر بیان کیا۔ ہمارے خون میں سفید بلبلے موجود ہیں جن کا فرض یہ ہے کہ ہمیں ان کیڑوں اور زہروں کے اثر سے بچائے لیکن ان بلبلوں سے اگر ان کا کام لینا ہمیں منظور ہے تو ان کا اپنی کارگزاری کی صلاحیت رکھنا ضروری ہے۔ یہ کام وہ صرف اسی صورت میں کرسکتے ہیں کہ تم اپنے جسم کو صحت کی حالت میں رکھو اور ہر قسم کی افراط تفریط سے بچے رہو۔ لہٰذا۔

انسداد امراض کا تیسرا بڑا اصول یہ ہے کہ تم اپنے جسم کو جہاں افراط تفریط سے بچا ہوا رکھکر صحت کی حالت میں رکھو۔ کمروں میں ہوا کی آمد و رفت کا کافی انتظام رکھکر اپنی صحت برقرار رکھو۔ کافی مقدار میں خوراک کھاؤ۔ معقول اور کافی لباس سے اپنے جسم کو محفوظ رکھو اور کافی وقت نیند میں صرف کرو۔

سائنس نے کس طرح فطرت کو مدد دی ہے

سائنس نے ان امراض کے کیڑوں میں سے اکثر کے عادات کی تحقیق کی ہے اور نیز ان کے زہر کی نوعیت کی اور اس طریقہ کی جس سے فطرت ہمیں ان کے مقابلہ میں محفوظ رکھتی ہے ان تحقیقات کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ لوگوں پر بہت سارے عمدہ تدابیر ظاہر کئے گئے ہیں جن سے لوگ مختلف امراض سے خود کو بچا سکتے ہیں۔ جب یہ امراض بہت شدت کے ساتھ ظاہر ہوں جیسے عام وباؤں کے شیوع کی صورت میں مثلاً وفتھیریا کے لئے ایک تریاق ایجاد کیا گیا ہے جو اگر مرض کی تشخیص کے پہلے دن جسم انسان میں سوئی سے ڈالا جائے تو اس مرض کا ہر مریض موت سے بچ سکتا ہے۔ تشنج کا کیڑا جس کے اثر سے کیلیاں بیٹھ جاتی ہیں گرد و غبار میں زندہ رہتا ہے لیکن جب تک ہوا اس پر بند نہ کردی جائے وہ بڑھ نہیں سکتا لہٰذا کم ہوا والے کمروں میں جن کی زمین اور دیواریں مٹی کی ہوتی ہیں شیر خوار بچے پیدا ہونے کے بعد بہت جلد کیلیوں کے بیٹھ جانے سے مرجاتے ہیں جبکہ ان کی ناف کسی غلیظ ستلی یا چندی سے باندھی جاتی ہے جس میں اس کیڑے کی ناپاکی سرایت کرچکی ہو۔ تاہم سائنس کی تحقیق سے ہمیں تشنج کا تریاق ہاتھ آیا ہے جو اگر ابتدائے مرض میں سوئی سے جسم میں پیوست

کیا جائے تو تقریباً ہر مرض کو بچا لیتا ہے معمولی مواد فاسد کے کیڑے جو خون میں زہر پیدا کرتے ہیں ان
امار کے لئے بھی ایک تریاقی ٹیکہ موجود ہے۔ نیو مونیا یعنی پھیپھڑوں کے ورم کے لئے بھی اسی طرح
ایک نہایت مفید ٹیکہ معلوم کیا گیا ہے۔ وہ سفید طاعون جو سل کے نام سے زیادہ مشہور ہے اور جو
گنجان آبادی والے بہت سارے شہروں میں لاکھوں جانیں لے رہا ہے اس کا بھی انسداد اور
اندفاع ٹیوبرکولین کے ٹیکہ سے ہو سکتا ہے۔ ہیضہ اور انتڑیوں کے بخار کا انسداد کم از کم چھ ماہ
کے لئے یقیناً اور اکثر صورتوں میں سالہا سال کے لئے ان امراض کے مخصوص ٹیکوں سے
ہو سکتا ہے۔ اسی قسم کے تحقیقات کامیابی کے ساتھ طاعون کے لئے بھی کی گئی ہیں اور اس
مرض کے لئے کوئی علاج اتنا اطمینان بخش نہیں جتنا کہ طاعونی ٹیکہ ثابت ہوا ہے اس ٹیکہ سے
صرف ہندوستان میں ہزارہا ہزار جانیں بچی ہیں۔ دوسرے ممالک کا تو کچھ ذکر ہی نہیں۔ یہ سب
ڈاکٹر جنر کی اس قابل قدر ایجاد کے نتائج ہیں کہ گائے کی چیچک کے ٹیکہ سے آدمی اس
مکروہ ترین مرض یعنی چیچک سے بچتا ہے۔ چیچک کی ٹیکہ براری اگر برابر کیجائے تو چیچک کی مانع
ہوگی لیکن اگر برابر نہ بھی کی گئی ہو مگر صرف اس کا اثر باقی رہ گیا ہو تو بھی مریض کو علی طور پر
موت سے محفوظ رکھتی ہے کیونکہ اس سے مرض کا زور گھٹ جاتا ہے اور شدت کے درجہ کو پہونچنے
نہیں پاتا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہر شخص پر عوام الناس کو اس مکروہ مرض سے بچانے
کے لئے اس سے زیادہ صریح فرض نہیں ہو سکتا کہ وہ خود ٹیکہ نکلوالے۔ یہی حال ہے وبا، طاعون
کا۔ یعنی اس صورت میں تمہیں چاہیئے کہ طاعون کا ٹیکہ نکلوا کر خود کو اس مرض سے محفوظ کر لو۔

ملیریا ملیریا کا باعث حیات حیوانی کی ایک ادنیٰ ترین شکل ہے۔ یہ نہایت باریک جانور
اپنی زندگی کے ایک طبقہ میں بخار کے مریض کے جسم میں اور دوسرے طبقہ میں مچھر کے جسم میں
نشوونما پاتا ہے۔ جب کسی شخص کو مچھر کاٹتا ہے تو وہ اس شخص کے خون میں اس مرض کے
باریک کیڑے داخل کرتا ہے اگر اس مچھر نے قبل از قبل ایسے کیڑے کسی ایسے مریض کے خون سے
چوس لئے ہوں جو اس مرض میں مبتلا ہو۔ اس طرح ایک مچھر کا بہت سارے لوگوں کو ملیریا میں

[illegible] ممکن ہے۔ مچھر اپنے انڈے گدلے پانی میں رکھتے ہیں۔ لہٰذا ملیریا کے انسداد کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مکان کے [illegible] نہیں گدلا پانی ٹھیرا نہ رہنے دے ورنہ ایسے پانی میں مچھر کے لاکھوں بچے پیدا ہونگے۔ ملیریا بخار کا صرف ایک علاج ہے اور وہ کونین ہے اگر بخار کے موسم میں تم روزانہ (۵) گرین کونین لیتے رہو تو اپنے آپ کو اس بخار سے محفوظ رکھو گے اگر تمہیں یہ بخار آتا ہو تو اس سے نجات پائے گے۔ کم از کم چار مہینے تک روزانہ کونین لینا لازم ہوگا۔ اس صورت میں علاج کے بہ نسبت انسداد بہتر ہے۔

ہائیڈرو فوبیا یعنی سگ گزیدگی | یہ مرض دیوانے کتے کے کاٹنے سے پیدا ہوتا ہے خود کتا دوسرے کتے کے کاٹنے سے اس میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس مرض کا کوئی علاج نہیں لیکن کاٹنے کے بعد ہی یا بہت جلد اگر یہ طریقہ پاسچیور عمل کیا جائے تو مرض بڑھنے نہیں پاتا۔ یہ علاج بھی ٹیکہ چیچک کے اصول پر مبنی ہے۔

طاعون کا باعث اس پسو کا ڈنک ہوتا ہے جس نے کسی متاثرہ چوہے کا خون چوسا ہو۔ پس طاعون کے انسداد کے لئے چوہے مارنا لازمی ہے۔

حفظان صحت | لفظ صحت لفظ صحیح کا ہم ماخذ ہے۔

پس حفظان صحت کا عملی معنی ہے عامہ رعایا کی حالت جسمانی کو صحیح رکھنا۔ لہٰذا سمجھدار آدمی جملہ تدابیر حفظان صحت کی تائید کرینگے۔ وہ لوگ جو اس مضمون کا خاص مطالعہ کرتے ہیں اور جن کا فرض ہے کہ اس کے متعلق اور لوگوں کو مشورہ اور تعلیم دیتے رہیں ان کے سر ایک نہایت اہم ذمہ داری ہے اور جو لوگ ان تدابیر کی تفصیلی وجوہات سے واقف نہیں انہیں چاہیئے کہ عامہ رعایا کے فائدہ کے لئے اپنی ذاتی رائے کا لحاظ نہ کریں۔ پس اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر تم ایک اچھی رعایا بننا چاہتے ہو اور عوام کے فائدہ کے لئے جو کچھ تھوڑی بہت مدت تم سے ہو سکے دینا چاہتے ہو تو تمہیں چاہیئے کہ نہ صرف بجدامکان تدابیر حفظان صحت کی تائید کرو بلکہ ساتھ ہی اس علم کو ان لوگوں میں پھیلاؤ جن سے تمہیں کسی قسم کا تعلق ہو۔

حفظانِ صحت کے متعلق عامہ رعایا میں بہت کچھ جہالت پائی جاتی ہے۔ بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ مہریوں سے ہیضہ ٹائیفائڈ وغیرہ امراض پیدا ہوتے ہیں اور کتے اور دوسرے حیوانات کی لاشوں سے بھی ایسا ہوتا ہے۔ ہیں۔ اوپر بیان کیا ہے کہ ان جملہ امراض کے پھیلنے کے لئے کسی ابتدائی مریض کا ہونا لازمی ہے۔ ممکن ہے کہ مہریوں سے بدبو نکلے یہ بدبو بہت قابلِ اعتراض ہے اور اگر ہمیشہ یہی حالت رہی تو صحت پر اس کا خراب اثر ضرور ہوتا ہے تاہم بذاتِ خود اس سے کوئی بیماری پیدا نہ ہوگی۔ کیونکہ اس بدبو کی وجہ صرف ان مہریوں کے بخارات کا سڑنا ہے اور مرض کے کیڑے ہوا میں سیال صورت میں کبھی داخل نہیں ہوتے۔ امراض کے کیڑے ہوا میں صرف خشک حالت میں گرد و غبار کے ذرّوں سے چپکے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔ اس طرح کتے یا گھوڑے کی سڑی ہوئی لاش سے ناقابلِ برداشت بدبو کا نکلنا ممکن ہے۔ لیکن اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ بوسیدگی بہت بڑھ گئی ہے اور اس کے لئے رطوبت کا ہونا لازمی ہے۔ پس اگرچہ بدبو نہایت مکروہ ہو اور اس سے متلی اور قے بھی پیدا ہو تو بھی بذاتِ خود وہ مذکورہ بالا امراض پیدا نہیں کر سکتی۔ مہریاں غلیظ بہتے ہوئے مادّے کے دور لیجانے کے لئے نہایت مفید ذرائع حفظانِ صحت ہیں اور جب وہ کھلی ہوں اور دھوپ کے اثر سے محفوظ رہتی ہیں تو فطرۃً ان سے بدبو پیدا ہونی لازمی ہے جو لوگ برسوں مہریوں میں کام کئے ہیں کبھی ان متعدی امراض میں مبتلا نہیں ہوئے جن کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔ لہٰذا قبل اس کے کہ غیر مکمل علم کی بناء پر کوئی شخص اصول حفظانِ صحت پر اعتراض کرے عام سمجھ سے کام لینا نہایت ضروری ہے۔ پس ان امور میں مخل ہونے کے عوض باہمی امداد دینا عقلمندی کی دلیل ہے۔ اور اس باہمی امداد سے نتائج بھی بہتر پیدا ہوں گے۔

مدرسۂ گھڑی سازی

براعظم یورپ میں ملک سوئٹزرلینڈ اپنے جغرافی حالات اور سیاسی خصوصیات کے لئے صدیوں مشہور ہے اس کے اونچے اونچے برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑ، سرسبز وادیاں اس یورپ کی سیر گاہیں ہیں۔ اس کے مختلف مذہب اور قوم کے باشندوں کا پرامن طریقہ پر زندگی دیگر ممالک کے لئے ایک اعلیٰ نمونہ ہے ان خصوصیات کے علاوہ اس غریب و غریب ملک کے باشندوں نے جن کو سوئیس کہتے ہیں مختلف صنعتوں میں ایسا نام پیدا کر لیا ہے کہ دنیا کے ہر حصہ میں ان کی بنائی ہوئی چیزوں کی مانگ ہے جس کے باعث ان کی بیرونی تجارت میں آئے دن ترقی ہوتی جاتی ہے اور ملک مالا مال ہوتا جاتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ سوئیس اگر صناع نہ بنتے تو ان کو اپنے پہاڑی ملک میں جہاں سامان خورد و نوش بہت محدود ہیں زندگی بسر کرنا دشوار ہو جاتا۔ چونکہ صنعت سوئیس کا سب سے بڑا ذریعہ معاش ہے اس لئے حکومت اور رعایا نے مختلف صنعتوں کی تعلیم کا بطور خاص انتظام کیا ہے تاکہ ہر نئی نسل نہ صرف قدیم صنعتوں کو زندہ رکھے بلکہ اس میں روز بروز ترقی کرتی رہے۔ سوئٹزرلینڈ کی سب سے اہم صنعت گھڑی سازی ہے اس لئے ہم وہاں کے بہترین مدرسہ گھڑی سازی کا مختصر حال لکھتے ہیں۔ خصوصاً دراں حالیکہ ہندوستان میں گھر گھر گھڑی کا استعمال ہونے لگا ہے لیکن اس وقت تک تمام ملک میں ایک بھی ایسا مدرسہ نہیں ہے جہاں گھڑی بنانا سکھایا جاتا ہو۔ برخلاف اس کے اہل جاپان نے گھڑی کے رواج کے ساتھ ہی چند اپنے ماہرین کو سوئٹزرلینڈ روانہ کر کے گھڑی سازی سیکھ لی اور آج وہاں کی حکومت سرکاری دفاتر۔ مدارس وغیرہ کے لئے وہی گھڑیاں خریدتی ہے جو جاپان میں جاپانی کاریگروں کی ساختہ ہوتی ہیں اور قابل بہار کباد ہیں۔

سوئیس کہ انہوں نے اغیار کو بجائے اپنی خاص صنعت سکھا دی اور آج تک

بلا تفریق مذہب وملت ہر خواہشمند کو اپنی ہر صنعت سکھانے میں پس و پیش نہیں کرتے۔

سوئٹزرلینڈ کا بہترین مدرسہ گھڑی ساز تمام عالم میں عدیم المثال ہے بقول شخصے واقع ہے اس میں کم سے کم چودہ برس کی عمر کے لڑکے داخل ہوتے ہیں جو خوشخط و خواندہ اور حساب آفتاب سے واقف ہوتے ہیں۔ سوئیس کے لئے فیس تقریباً تین روپیہ ہے۔ لیکن غیر ملکیوں کو اس سے ذرا زیادہ فیس دینا پڑتا ہے۔ لڑکوں کو کام کے لئے سامان ذات سے خریدنا ہوتا ہے۔ نصاب کی تکمیل پورے پانچ سال میں ہوتی ہے۔ مدت مذکور میں ہر لڑکا بارہ مختلف قسم کی گھڑیاں بنا لیتا ہے جو اس کی ہی ملکیت ہو جاتی ہیں۔ مدرسہ میں داخل ہونے پر لڑکے کو سب سے پہلے اپنے ہی ہاتھ سے وہ تمام اوزار بنانے پڑتے ہیں جو گھڑی سازی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اس کو لکڑی کی گھڑی بنانی سکھلائی جاتی ہے۔ جب وہ یہ کام بخوبی سیکھ لیتا ہے تو اسکو گھڑی کے اوپر کا کیس اور اندر کے پرزے بنانا تبلایا جاتا ہے۔ اس کی تکمیل کے بعد گھڑی کی پھرکیاں بنانیکی خاص طور پر تعلیم دیجاتی ہے۔ جب لڑکا معمولی استعمال کی گھڑی بنانے لگتا ہے تو اس کو دوسری قسم کی پیچیدہ و نادر گھڑیاں بنانے پر لگا دیا جاتا ہے مثلاً وہ ایسی گھڑیاں بناتا ہے جو تاریخ و دن تبلاتی ہیں یا ہر گھنٹہ۔ پاؤ گھنٹے اور آدھ گھنٹے پر گھنٹی بجاتی ہے۔ یا چاند کی نقل و حرکت ظاہر کرتی ہیں۔ جب کہ ان سب امور کی تکمیل ہو جاتی ہے تو نصاب کا آخری سال محض اس کے لئے وقف کر دیا جاتا ہے کہ ہر لڑکا پورے ایک سال تک اپنے تحصیل شدہ معلومات کو پختہ کرے اور جو کچھ بھی اُس نے کام تیار کیا ہے اس کی اچھی طور پر جانچ کر کے پورا گھڑی ساز بن جائے۔

ہندوستان یا بہ لی (پرائمری) تعلیم

سنہ ۱۹۲۱ء کی ہندوستان کی مردم شماری کی رپورٹ تعلیمی مسائل سے دلچسپی رکھنے والوں کو غور و خوض کے لئے دلچسپ مواد پیش کرتی ہے۔ اس رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جبکہ برٹش انڈیا میں برما کو علیحدہ کر دینے کے بعد تعلیم یافتہ اشخاص کی تعداد ۶٫۵ فی صد ہے صوبہ متوسط کے باشندے جن کو اپنے تعلیم یافتہ کہلائے جانے کا دعویٰ بھی ہے صوبہ کی آبادی کا ۴٫۳ فی صد حصہ ہیں۔ بلاشبہ یہ صورت حال سخت افسوسناک اور الم انگیز ہے اسکے یعنی ہیں کہ تعلیمی حیثیت سے ہم ہندوستان کے تمام صوبوں سے پیچھے ہیں۔ تعلیمی رفتار میں ہم سے آگے رہنے والے صوبوں کی تعداد دو چھ ہے۔ صورت حال کی نزاکت صاف طور پر نمایاں ہو جاتی ہے اگر ہم یہ یاد رکھیں کہ برٹش انڈیا تعلیم کا لحاظ کرتے کبھی اپنا سر اونچا نہیں رکھ سکتی جبکہ اس کی تعلیمی ترقی کی رفتار کا دنیا کے دوسرے ممالک سے مقابلہ کیا جائے مغرب اور امریکہ کے ممالک کو جانے دیجئے۔ ہندوستان کی حیثیت جیسا کہ ذیل[1] کے جدول سے ظاہر ہوگا۔ ہندوستان کی بعض ترقی یافتہ دیسی ریاستوں کے مقابلہ میں کس قدر پست ہے۔

صوبہ یا ریاست	تعلیمی اوسط
(۱) صوبۂ متوسط	۴٫۳
(۲) برٹش انڈیا (باستثناء برما)	۶٫۵
(۳) بڑودہ	۱۴٫۴
(۴) کوچن	۲۱٫۶
(۵) ٹراونکور	۲۸٫۵
(۶) برما	۳۱٫۱

[1] ہندوستان کی رپورٹ مردم شماری بابتہ سنہ ۱۹۲۱ء۔

اور جاپان کے اعداد و شمار دستیاب نہیں ہو سکتے۔ [illegible] بیان سے جاپان میں تعلیم کی توسیع اور عام ہونے کا تقریباً اندازہ ہو سکتا ہے۔ "شاذ و نادر جاپانی ایسے ہیں جو اخبارات نہیں پڑھ سکتے یا معمولی خط و کتابت نہیں کر سکتے۔" جب یہ معیار ملحوظ خاطر ہے "تعلیم یافتہ ہونے کے معیار کے اندر اخبارات پڑھنے کی صلاحیت داخل نہیں ہے اور اس [illegible] زیلیا کے مطابق ہر سو آدمیوں میں چار سے لے کر سات تک تعلیم یافتہ کہلائے جاتے ہیں تو کوئی شخص نہایت آسانی کے ساتھ اس جہالت کا اندازہ کر سکتا ہے جس کے گہرے بادل ہندوستان پر محیط ہیں۔

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اس کے بعد (عامہ طور پر ہندوستان میں اور خاص طور پر صوبہ متوسط میں) ابتدائی تعلیم کی ضرورت اور فوری توسیع کے متعلق کچھ زیادہ بحث و تمحیص کی ضرورت نہیں سنہ ۱۹۱۹ء کے ایکٹ اصلاحات (ریفارم ایکٹ) کے تحت بہت سے اختیارات اور سہولتیں پبلک اور اس کے نمائندوں کے ہاتھوں میں دیدی گئی ہیں۔ ان کی حقیقی قدر و قیمت کی بحث اس وقت موضوع سے خارج ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ جو حقوق اور معاملات کہ منتقلہ محکمہ جات کے میدان کے اندر ہیں وہ جائی مجالس مقننہ کی نائب پارٹیوں کے وزراء کو دے سکتے ہیں۔ یہ نیز رکھنے کے حدود کے اندر مناسب مدات میں کثیر رقوم صرف کر سکتے ہیں۔ یہ مجالس کے ذریعہ زیادہ روپیہ حاصل کر سکتے ہیں اور بعض صورتوں میں ٹیکس لگا سکتے ہیں۔ مقامی مجالس کی تشکیل بدل سکتے یا مجالس تمام یا ان کی اکثریت اور صدر نشین کے انتخاب کی حالت اور طریقہ بدل سکتے ہیں۔ یہ ان کے کارکنوں کے کام کے اوقات اور طریقہ کار کے قواعد بنا سکتے ہیں۔ یہ ان کے نمائندوں کی تعداد جو ان کے اندر منتخب ہو کر آتے ہیں اور ان کی جماعت کی شکل جس کے اندر وہ تعلیم یافتہ جو بہرحال اپنی دولت کی وجہ سے ان میں کچھ نہ کچھ قابلیت ضرور رکھتے ہیں، دولتمند اور زمیندار آبادی شامل ہے، بدل سکتے ہیں۔ [illegible] معاشی اور سماجی زندگی کے ان مختلف مسائل کے متعلق جو ان کے [illegible]

[illegible] کی دنیا" جولائی ۱۹۲۵ء۔ اگست ۱۹۲۵ء

وہ لوگ ہیں جو جاہل مطلق کسی تہذیب سے تو فادی اور اس قابل نہیں ہیں کہ اپنی رائے کی ذمہ داری کی اہمیت کو محسوس کر سکیں۔ یہ صحیح ہے کہ دنیا کے تمام ممالک کے مصافی (Classes) ارتقا میں سیاسی آزادی و حریت کی تعلیم رہے ہیں ہمیشہ خطرناک خطروں سے گھری رہی ہے مگر ہمارے قائدین کو سنجیدگی کے ساتھ یہ بات واضح کر لینی چاہیئے کہ اگر ہم کوئی حقیقت ترقی کرنی ہے تو رائے دہندگان کی سیاسی قابلیت کی تربیت کرنی چاہیئے۔ کونسل کے کاروبار کامل طور پر عوام اور اراکین کی حالت پر منحصر ہیں۔ پس ان اراکین کی کارگزاریوں کا انحصار کامل طور پر اس قوت فیصلہ پر ہے جو رائے دہندگان نمائندے منتخب کرتے وقت کام میں لایا کرتے ہیں۔ انتخابی تقریریں اور خطبات عوام کو تعلیم نہیں دے سکتے۔ یہ کام اس سے زیادہ مشکل ہے۔ وقت آگیا ہے کہ عالمگیر ابتدائی تعلیم کے مسئلہ کو فوراً سنجیدگی کے ساتھ عملی طور پر ہاتھ میں لے لیا جائے۔

یہ کہا گیا ہے کہ حقیقی ہندوستان دیہات میں بستا ہے۔ وہی آبادی کا ایک پیشہ زراعت ہے اور وہ بھی ابتدائی حالت میں ہے۔ ہندوستانی مزارعین کی انتہائی فلاکت و افلاس کی وجہ سے زراعت کے نئے اصولوں سے کام لینے کا سوال خارج از بحث ہے۔ ہندوستانی ثروت اور ترقی میں زراعت کا زبردست حصہ ہے اس لئے سائنٹفک زراعت کی شدید ضرورت ہے تاکہ وہ ممکنہ حل زراعت اور مزارعین کی اس مشکل کے ہیں۔ سرمایہ داروں کے ذریعہ ایک وسیع پیمانہ پر مغربی اصولوں کے تحت زراعت اس طرح کسان اپنی جائداد اور آزادی کو خیر باد کہدینگے اور نتیجے کے طور پر تمام دیہات کی زراعتی آبادی اجرت یاب مزدوروں میں مبدل ہو جائیگی۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ اس پر کاربند ہو سکیں۔ موجودہ دیہی مزارعین اتحاد باہمی کی بنیاد پر اپنی زمین اور مناسب طریقوں پر زراعت کی ترقی کی تدابیر کو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ اتحاد باہمی کا اصول ہی کسان کو زمینداروں کے آہنی پنجے سے بچا سکتا اور اس قابل بنا سکتا ہے کہ وہ ایک ایسی اقتصادی اور معاشی تنظیم میں حصہ دار بن سکے جس کا مقصد سائنٹفک اصول کے ذریعہ تدریجی زراعت کی ترقی ہو۔ تجربہ نے بتلا دیا ہے کہ

اتحاد باہمی کی تحریک صرف تعلیم یافتہ دیہی آبادی کے ذریعہ کامیاب بنائی جاسکتی ہے ملک کی معاشی نجات اس طرح کامل طور پر عوام کی تعلیم پر منحصر ہے۔ عوام کی تعلیم ملک کی سیاسی یا معاشی بہتری کے لئے ہی ضروری نہیں ہے۔ عوام کی اخلاقی حالت کی اصلاح اور سدھار کے لئے بھی اس کی شدید اور فوری ضرورت ہے۔ ہر وہ شخص جس کو ہندوستانی دیہی آبادی کی زندگی کے غائر مطالعہ کا موقع ملا ہے عوام کی زندگی کو کسی راست اور زندہ روحانی قوت سے عاری دیکھکر ضرور متاثر ہوا ہوگا۔ ایمانداری، صداقت، خدمتگزاری اور ایثار کے پرانے تخیلات زندہ اولیاء اور مقدس ہستیوں کے اندر درخشاں نہیں رہے ہیں۔ اخلاقیات اور مذہبی خیالات کے وہ عناصر جو کسی زمانہ میں آزاد پاٹ شالوں اور مکتبوں کے غیر منفک اجزا تھے۔ آج کے اضاب میں ان کا کہیں پتہ نہیں۔ کتھا اور مولود شریف جیسے ادارے (Institutions) جو عوام کے اندر زبردست اخلاقی قوت کے پیدا کرنے کے ذرائع اور ساتھ ہی ساتھ ایک روحانی اور معصوم مسرت کی تخلیق کے وسائل تھے۔ اب نسبتاً کمیاب اور عنقا ہو گئے ہیں جبکہ قدیم تعلیم کے اور باقی ذرائع زمانہ کی ترقی کے دستبرد سے برباد ہو چکے ہیں موجودہ ترقی یافتہ دنیا کے مخصوص تعلیمی ذرائع اور توسیع تعلیم میں نئی نئی آسانیوں کا مہیا کرنا اس ضمن میں ہندوستان میں ابھی کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی ہے۔ اس بنا پر کوئی تعجب کا مقام نہیں کہ ہم جو کسی زمانہ میں خاص تہذیب کے مالک تھے اور ایک ایسی روایت کے حامل ہیں جو اپنی تعلیمی شوکت اور تمول کے لئے شہرۂ آفاق ہے۔ اب ایک المناک روحانی افلاس میں گرفتار ہیں۔ ہمارے اسلاف نے دنیا کے روبرو انفرادی روح اور عالمگیر روح کے ایک ہونے کا نظریہ پیش کیا تھا۔ مگر آج ہندوستان کا اوسط تعلیم یافتہ کہا جاتا ہے کہ خود اقراری سے زیادہ خود اعتمادی کے نقدان کے لئے مشہور ہے اور دیہاتی تو اکثر اوقات لوگوں کو خودداری کے کامل نقدان سے اچنبھے میں ڈالدیا کرتا ہے۔ جبکہ قدیم شئی زندگی کی خوشی کے مالک ہونے سے واقف تھے اور ان کی روح کے خصائص میں سے طمانیت اور بے فکری ایک زبردست صفت تھی۔ آج ہمارے قصبات کی

اکثریت کو اس کے بالمقابل زندگی کے دکھ اور رنج میں پانا تکلیف دہ ہے۔ بچپن ہی سے لے کر مسلسل روح کی گرسنگی، تہذیب سے کامل طور پر عاری ہونے اور اعلیٰ مسرتوں کے مواقع کی لازمی غیر موجودگی نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حصول مسرت کی قوت کو معطل کر دیا اور دیہاتیوں کے اس مجبور اور بیکار طبقہ کو بے جان مشین بنا دیا ہے جس کی وجہ سے وہ جذبات کی روک تھام سے حاصل ہونے والے تجربے کے ناقابل اپنے حواس اور محیط کے لئے غیر موزوں اور اس تخلیقی قوت سے تہی مایہ ہے جو انسان کو ادنیٰ درجہ کی مخلوقات سے ممتاز بناتی ہے۔ زندگی پرانے اصولوں کی گہرائیوں میں ڈوب گئی ہے جو بلاشبہ ماضی کے تاریک زمانے میں مفید تھے لیکن جو کسی طرح موجودہ ماحول میں اور محیط کے ہم آہنگ نہیں ہو سکتے۔ ماضی کی طرف رجعت قہقری اور لکیر کے فقیر بنے رہنا ممکن ہے۔ عالمگیر تعلیم کے عملی اسکیم کو اختیار کئے بغیر جو ملک کے حالات اور ضروریات کے مطابق ہو ہم کسی اور طرح عوام کی روحانی زندگی کو از سر نو زندہ اور ان کو غفلت کی گہری اور دائمی نیند سے ہوشیار نہیں کر سکتے۔

دنیا کے اکثر ممالک میں سیاسی آزادی کی توسیع اور عمومیت نے پرائمری تعلیم کی فوری توسیع میں مدد پہنچائی ہے۔ ہندوستان میں ابتدائی تعلیم کی حالت کی تحقیقات اس ضمن میں حوصلہ افزا نتائج تک نہیں پہنچاتی ہے۔ ابتدائی تعلیم کی تعداد جاپان میں کل آبادی کا ۱۴٫۵ فی صد ہے۔ اسکول جانے کے قابل عمر والے ہر سو طالبعلموں میں سے ۹۹٫۲۳ مدرسہ میں تعلیم پاتے ہیں۔ انگلستان اور ویلز میں ابتدائی اور وسطانی مدارس میں ۱۳ سال کی عمر والے طالبعلموں کی تعداد کل آبادی کا ۱۵ فی صد حصہ ہے۔ ہندوستان میں ابتدائی مدارس میں

لہ جاپان کی چوتھی سالانہ رپورٹ بابتہ ۱۹۲۱-۲۲ء بحوالہ مارڈن ریویو بابتہ ۱۹۲۵ء۔

لہ بورڈ آف ایجوکیشن کی رپورٹ "انگلستان اور ویلز میں تعلیم" ۱۹۲۵ء سالانہ نمبر بابتہ ۱۹۲۶ء۔

تعلیم پانے والے طالبعلموں کی تعداد کہا جاتا ہے کہ ۱۹۲۶ء میں کل آبادی کے ۲ فی صد سے بھی کم ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ عوام کی تعلیم کے بارے میں ہندوستان انگلستان اور جاپان سے کم از کم پانچ گنا پیچھے ہے۔ اس وقت بحث سے وہ مختلف قوتیں اور وسائل باہر ہیں جو تعلیم اور تربیت کے لئے ترقی یافتہ ممالک میں برسرکار ہیں۔

یہ ماننا پڑیگا کہ ہندوستان کے بعض حصوں میں تعلیم انگریزی راج سے پہلے بڑھی ہوئی تھی انیسویں صدی کے ابتدائی دس سالوں تک تنزل اور پستی کے ایک صدی کے گذر جانے کے بعد بھی تاریک ترین ہندوستان تعلیم کا ایک روشن اور تابناک صفحہ پیش کرتا ہے ۱۸۱۵ء کی رپورٹ مردم شماری دیکھئے۔ منرو (Munro) کی قومی تعلیم پر یادداشت۔ ایلفنسٹن (Elphinstone) کی لکھی ہوئی پیشوائی ڈکشنری (Dekshinie) عطایا کو ملاحظہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس زمانہ میں بھی ۳۰ فیصدی سے کم طلبار مدرسہ میں تعلیم نہیں پاتے تھے[1] کل آبادی کا ۲۶ فی صد حصہ مدرسہ جانے کے قابل یعنی ۵ سے لے کر ۱۰ سال تک کی عمر کا تھا۔ یہ اگر ذہن نشین رہے تو معلوم ہوگا کہ آج کل کے ۱۰ فیصد سے کم اوسط کے مقابلہ میں اس زمانہ میں ۷۸ فی صد حصہ تعلیم پاتا تھا۔ لیکن یہ تنزل ایک بڑی حد تک اس صورت حال کا نتیجہ ہے کہ انیسویں صدی کے اختتام سے ملک ایک ایسے انقلاب سے گزر رہا ہے جو ہماری قومی زندگی کے مختلف شعبوں کو متاثر کر رہا ہے تعلیم کے اصول، نصاب اور ابتدائی تعلیم کی توسیع امداد اس کی تنظیم و تشکیل کی قوت نے ایک بنیادی اور اساسی انقلاب اور تغیر پیدا کر دیا ہے۔ تعلیم اور زندگی کی قدر و قیمت کے ایک نئے تخیل نے پرانے خیالات کی جگہ لے لی ہے، معاشی، عمرانی، سیاسی اور مذہبی زندگی کے اصول اور مطامح نظر بدل چکے ہیں۔ نئے اصولوں کے بہ عمل آنے سے ذرائع اور قومی قوت عمل

---

[1] ڈاکٹر سر تیجبندر ناتھ سیل کا بمبئی یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد کا خطبہ گست ۱۹۲۳ء

ہ پارہ ہو چکی ہے۔ ہندوستان کے بعض حصوں میں انگریزی حکومت کے دوران میں عوام کی تعلیم
میں تعطل اور تنزل و انحطاط اسی کا شرمندۂ احسان ہے یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے
کے قابل ہے کہ ہندوستانی ابتدائی مدارس میں تعلیم پانے والوں کی ایک بڑی تعداد نامراقی گردوپیش
اور ماحول کے سبب جہالت کے عمیق چاہ میں گر جاتی ہے۔

ماضی میں ابتدائی تعلیم کے جمود اور خرابی کا کوئی سبب ہو لیکن گذشتہ چھ سالوں نے
اُس ضمن میں کام کرنے کے لئے ایک وسیع میدان اور نئے ذرائع پیش کئے ہیں ۱۹۱۹ء کی
اصلاحات کی اسکیم کے مطابق محکمہ تعلیمات ایک منتقلہ شعبہ ہے اور وزراء مع کونسل پوری طور پر
آزاد اور مختار ہیں کہ وہ تمام ذرائع اختیار کریں جن کو وہ عوام کی تعلیم کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں
ان کو رقم میں نئے محاصل کے ذریعہ زیادتی کرنے کا اگر اس غرض کے لئے وہ ضروری خیال کرتے ہوں
حق حاصل ہے اس ضمن میں پروفیسر رشبروک ولیم کی مفصلہ ذیل رائے کو تمام لوگ خوشی کے ساتھ
پڑھینگے کہ :—

> مقامی مجالس قانونی کی کارروائیاں صاف طور پر بتلاتی ہیں کہ ہندوستانی
> تخیل میں تعلیمی مسائل کے متعلق کیسی دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔ ہر ایک صوبہ زبردست
> سرگرمی کا اظہار کر رہا ہے یہ ان لوگوں کے نمایاں خواب کی ایک نشانی ہے
> جو اسوقت تعلیمی پالیسی کی رہنمائی کر رہے ہیں اور جانتے ہیں کہ اکثر مقامات
> پر لوگوں کی توجہ کو جہالت اور نادانی کی صفوں پر مجتمعہ دھاوا بولنے اور حملہ
> کرنے کے لئے ایک نقطہ پر لایا جا رہا ہے۔[1]

لیکن اس کے باوجود اقرار کرنا پڑیگا کہ ابتدائی تعلیم کی رفتار ترقی ان سالوں میں جب کہ
تعلیم کی مہار عوام کے ہاتھوں میں آگئی ہے تیز نہیں رہی ہے۔ ذیل کے اعداد مقابلہ جو ۱۹۲۲-۲۳ء

---

[1] پروفیسر رشبروک ولیم کی کتاب "ہندوستان ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۵ء میں"۔

کے متعلق صوبۂ متوسط اور ہندوستان کے دو سب سے زیادہ ترقی یافتہ صوبوں کی تعلیمی حالت پر روشنی ڈالتے ہیں دلچسپی سے پڑھے جائینگے :-

	۱۹۲۳ء	۱۹۲۴ء
بمبئی	۱۹ ؍ ۳۱	۹۱ ؍ ۹۲
مدراس	۱۶ ؍ ۸۹	۱۹ ؍ ۲۵
صوبۂ متوسط	۸ ؍ ۸۶	۹ ؍ ۱۵

اوپر کے جدول سے ظاہر ہوگا کہ گذشتہ چھ سالوں میں تعلیم کی اشاعت کی رفتار ہندوستان کے ترقی یافتہ صوبوں میں نہ کس قدر سست اور دھیمی رہی ہے۔ جیسا کہ اوپر ظاہر کیا گیا ہے مدراس کی حاصل کردہ رفتارِ ترقی کا لحاظ کرتے (اور یہ تینوں میں سب سے زیادہ تیز رفتار ہے) ہندوستان کو ۱۴ سال کے بعد چل کر کہیں تعلیم کا لحاظ کرتے متمدن ممالک کے دوش بدوش کھڑا ہو سکیگا۔

ہندوستان کے دو صوبوں میں جہاں کونسلوں میں عوام کے نمائندے کامل اکثریت رکھتے تھے جیسے کہ بنگال اور صوبۂ متوسط میں تعلیم کے میدان میں رجعت قہقری کا نمونہ پیش کیا گیا۔ ۱۹۲۱ء میں مدارس فوقانیہ (ذکور) ۱۹۱۹-۲۰ء میں علی الترتیب (۲۳۶) اور (۴۷۹) تھے۔ مگر ۱۹۲۳-۲۴ء میں گھٹ کر (۲۱۲) اور (۲۰۸) رہگئے صوبۂ متوسط کی تعداد درج ذیل ہے :-

	۱۹۱۹-۲۱ء	۱۹۲۳-۲۴ء
ابتدائی مدارس کی تعداد	۲۴۰۶۴۱	۲۳۱ - ۵۷۷
فوقانیہ مدارس کی تعداد	۳۸۹۶	۳۸۵۴

یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے خصوصاً صوبۂ متوسط میں جہاں دوسرے صوبوں کا لحاظ کرتے

لہ یہاں مضمون نگار کا مقصد سوراجی اراکین کونسل سے ہے جنکی گذشتہ انتخابات میں صوبۂ متوسط اور بنگال کے مجالس قانون ساز میں اکثریت تھی۔ ۲ ہندوستان کی مردم شماری کی رپورٹ ۱۹۲۱ء

ائی تعلیم کا ا عدت کم ہے یہ ظاہر ہے کہ یہ تعلیم کی حالت انگریزی دورِ حکومت میں ویسی تشفی بخش نہیں یں رہونی چاہیئے ثانوی اور اعلیٰ م کے اعداد و شمار اس کے بالکل برعکس حقیقت بے نقاب کرتے ہیں۔ سنہ ۱۹۲۴ء کے اندر ہندوستان میں پروفیسر رشبروک کہتے ہیں کہ ثانوی تعلیم کی تعداد کسی طرح کل آبادی کے ۲ فیصد سے کم نہیں تھی۔ پروفیسر یوسف کہتے ہیں کہ "یہ تعداد سنہ انگلستان اور ویلز کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے"[1] اس کے علاوہ میٹرک کا سالانہ طالب علموں کا اوسط جو اعلیٰ تعلیم کے منازل طے کرتا ہے ہندوستان میں انگلستان سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔

ہندوستان کے اوسط طبقہ میں ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کی طرف یہ زبردست رجحان اور شوق موجودہ تعلیم کے فائدے اور علمی قدر و قیمت کا رہینِ منت ہے۔ ابتک تعلیم یافتہ پیشوں اور سرکاری ملازمتوں کے ذریعہ حصولِ دولت اور اخلاقی حیثیت و برتری کی ذمہ داری ہے۔ وہ زمانہ تلوفانی رفتار کے ساتھ آرہا ہے۔

اور بعض صورتوں میں تو آبھی گیا ہے جبکہ اعلیٰ تعلیم مادی ترقیوں کی امیدوں کے درد کا درمان نہ ثابت ہوگی۔ پس ضروری ہے کہ اعلیٰ تعلیم کی قدر و قیمت کے مقبول عام مالی اور مادی فائدہ کے خیال کی جگہ اس دماغی اور علمی فائدہ کی تبلیغ کی جائے جو زندگی کی اصلاح اور تربیت کا ایک بہترین ذریعہ ہے اس کی بھی سخت ضرورت ہے کہ صنعتی اور فنی تعلیم کے میدان کو وسیع کیا جائے تاکہ مخالف اثرات کو تعلیم یافتہ پیشوں اور یونیورسٹی کی تعلیم کے سیلاب کو ایک طرف اور دوسری طرف حصولِ ملازمت کی نئی نئی راہیں کھول کر تعلیم کے ساتھ عام بیزاری کی وبا کو متعدی ہونے سے روکا جا سکے۔ ہندوستان میں ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کی کامیابی سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ تعلیمی سرگرمیوں اور ہنگامہ آرائیوں نے ابتک صرف آبادی کے ایک طبقہ — اوسط طبقہ کو اپنے فیوضات و برکات سے مالا مال اور شاد کام کیا ہے۔ بعض معاملات میں جیسا کہ ملک کا اوسط طبقہ

---

[1] پروفیسر رشبروک کی کتاب "ہندوستان سنہ ۲۵-۱۹۲۶ء میں"۔

مغربی خیالات کی رو میں مغربی تعلیم گاہوں کے زیر اثر ہمارا ملک یا زیادہ صحیح مفہوم میں یورپ زدہ ہوگیا ہے۔ ہمارے عوام اور ادنیٰ طبقہ کے ہم وطن اہل جہالت اور نادانی میں گرفتار اس بنا پر ترقی یافتہ قوموں کا آبادی کے اس جاہل طبقہ کے تعلق فریضہ کھلا ہوا اور صاف ہے ممبران کونسل کی یہ ذمہ داری اکثریت اوسط طبقہ منتخب ہوکر آتی ہے اس طبقہ کے نمائندوں کی حیثیت سے جس [illegible] کے تمامات سے اپنے دامن امید کو مالا مال کیا ہے یہ دیکھنا ہمارے اراکین کونسل کا فرض ہے کہ [illegible] تعلیم کے فوائد و منافع کی مقدس دیوی ان جاہل، نہ مرے اور خاموش غلاموں کے جھونپڑوں میں بھی اپنے نورانی چہرے کے انوار و برکات پھیلا چکی ہے یا نہیں؟ جو صبر و خاموشی کے ساتھ، ایمانداری سے مشقت کرتی اور غالباً خزانۂ عامرہ کی آمدنی میں سب سے زیادہ تو قیر کرتی ہے۔

جبری تعلیم کے ذریعہ پرانے دقیانوسی اوہام و خیالات کا قلع قمع کرنا اور ہندوستانی قومی زندگی کی سیاسی سرگرمیوں کی عمارت کو تعلیم یافتہ رائے دہندگان کے محفوظ اور بیدار احساس ذمہ داری کی بنیاد پر تعمیر کرنا، یہ ہمارے مقدس اور قابل عزت محافظین آزادی و حریت کا مشکل اور اعلیٰ فریضہ اگر وہ زمانہ کی ضروریات کا ساتھ دیں اور اس کی آواز پر لبیک کہیں تو کچھ شک نہیں کہ ہندوستان کا مستقبل نہایت شاندار تابناک اور یقینی ہوگا۔

اردو نستعلیق ٹائپ میں

رُوحِ جاپان

کا

وہ معرکۃ الآرا لکچر جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے اور

اسکا اردو نستعلیق ٹائپ پر چھپنا بڑا مشکل تھا یہ پہلا نستعلیق ٹائپ ابھی تک تیار نہیں ہوا تھا بلحاظ طباعت روح جاپان ایک یادگار کتاب ہے اور بلحاظ مضمون بھی جاپان کی روح رواں ہے۔ اس طرح یہ رسالہ آنکھ اور دماغ دونوں کی بہترین ضیافت ہے قیمت عہ: صرف ڈاک

دفتر رسالہ العلم بلگرامی ہوز سانچہ توپ حیدرآباد دکن سے طلب کیجئے

جڑوں کا پانی جذب کرنا

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ پودے اپنی غذا زمین سے حاصل کرتے ہیں اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ زمین میں جو معدنیات ہیں ان کو پودے کس طرح جذب کرتے ہیں

مٹی کے ذروں کے درمیانی فاصلہ میں ہوا موجود رہتی ہے لیکن دلدلی زمین میں ذروں کے درمیانی جگہ پانی سے پُر ہو جاتی ہے اور اس زمین میں ہوا کا مطلق گزر نہیں ہو سکتا۔ یہ پانی پودوں کے لئے نقصان دہ ہے کیونکہ ایسی صورت میں پودوں کی جڑوں کو تنفس کے لئے ہوا نہیں مل سکتی لہذا یا تو (کی زیادتی) کی زیادتی بھی پودوں کی زندگی کے لئے مضر ہے۔

جڑوں میں صرف وہی چھوٹے چھوٹے پانی کے قطرے جذب ہوتے ہیں جو مٹی کے ذروں سے متصل رہتے ہیں۔ اور ان قطروں میں معدنیات حل شدہ رہتی ہیں۔

جڑوں کی سطح پر بہت باریک باریک ریشے ہوتے ہیں جن کو موئے جڑ کہتے ہیں۔ موئے جڑ مٹی کے ذروں سے وابستہ ہو جاتے ہیں اور مٹی کے ذروں سے متصلہ پانی کے قطروں کو جذب کر لیتے ہیں۔

ہر ایک موئے جڑ بہت سے خانوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ہر خانہ میں خانہ کی دیوار ہوتی ہے جو (Cellulose) سیلولوز بنی ہوئی ہے خانہ کی دیوار سے چپکی ہوئی حیاتیہ کی جھلی ہوتی ہے اور اس کے اندر (Vacuola) خالیہ ہوتا ہے جس میں عرق ہوتا ہے۔

اب ہم کو یہ ثابت کرنا ہے کہ موئے جڑ کے خانوں میں پانی کس طرح جذب ہوتا ہے اس کیلئے

ذیل میں تجربہ لکھا جاتا ہے۔

جقدر کے جڑ کی باریک عمودی تا[illegible] کاٹ لو اور اسے خوردبین سے [illegible]
[illegible] نے پر آئینگے جس میں [illegible] خانہ کی دیوار اور رنگین عرق دکھلائی دیگا لیکن
حیاتیہ کی جھلی [illegible] گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جھلی شفاف ہوتی ہے اور خانے کی دیوار سے
چپکی رہتی ہے۔

اب ا[illegible] دی تر[illegible] ۱۲ - ۶ - ۱۰ - فیصدی شورے کے پانی میں الگ الگ کر
اور خوردبین سے دیکھو تھوڑی ہی دیر میں حیاتیہ سکڑتا ہوا نظر آئیگا اور ابتداء میں عرق جو پہلے خانہ میں پُر تھا

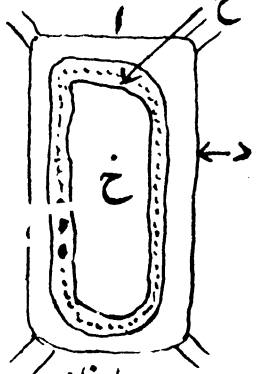

معمولی خانہ

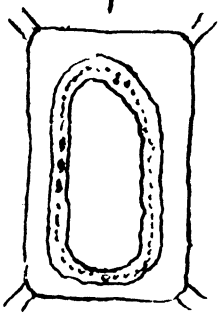
۲ - فیصدی شورے کے پانی میں

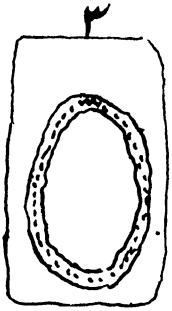
۶ - فی صدی شورے کے پانی میں

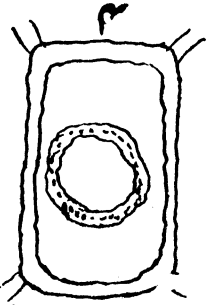
۱۰ فیصدی [illegible] ے کے پانی میں

د = خانہ کی دیوار
خ = خالیہ
ح = حیاتیہ

میں محدود ہو جاتا ہے۔ حیاتیہ کی جھلی خلیہ کی دیوار سے علیحدہ ہو جاتی ہے اور ان دونوں کی جگہ بالکل خالی رہتی ہے۔

پہلے (Vacuola) خالیہ میں رقیق مادہ تھا اور رقیق مادہ کی یہ خاصیت ہے کہ وہ دبایا نہیں جا سکتا اس سے یہ ثابت ہوا کہ شورے کا پانی کھنچنے سے خانہ کا عرق باہر خارج ہو گیا مذکورہ بالا تجربہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ Vacuo خالیہ ایک ایسی جھلی سے محیط ہے جس میں سے پانی گزر سکتا ہے لیکن نمک نہیں گزر سکتا۔

اگر اس عمودی تلاش کو شورے کے پانی میں سے نکال کر معمولی پانی میں رکھیں اور خوردبین سے دیکھیں تو اس میں (Vacuola) خالیہ پھیلتا ہوا نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ حیاتیہ کی جھلی پھر خانہ کی دیوار سے چپک جاتی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پانی حیاتیہ کی جھلی سے گزر کر خانے کے اندر داخل ہو جاتا ہے جس سے خانے کے عرق کی جسامت میں زیادتی ہو جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جھلی خانہ خانے کی دیوار سے چپٹ جاتی ہے۔ اس تجربہ کی بنا پر یہ اخذ کرنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ (Vacuola) خالیہ کے اندر کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جو پانی کو اندر جذب کر لیتی ہے۔ اس طرح جب پانی (Vacuola) خالیہ میں داخل ہو جاتا ہے تو خانہ کے اندر دباؤ بڑھ جاتا ہے اور حیاتیہ کی جھلی تن جاتی ہے۔ اور اگر زیادہ پانی جذب ہو تو خانہ کی دیوار بھی تن جاتی ہے۔ ایسی صورت میں خانہ کے بیرونی حصص پر اندرونی دباؤ پڑتا ہے۔ لیکن جب خانہ کا پانی باہر خارج ہو جاتا ہے اور حیاتیہ سکڑتا ہے تو خانہ سکڑ جاتا ہے۔

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ پانی عمل نفوذ کے ذریعہ جڑوں میں داخل ہوتا ہے عمل نفوذ کو ذیل کے تجربہ سے واضح کیا جاتا ہے۔

ایک ایسی نلی لو جس کے ایک سرے پر قیف ہو۔ قیف کے اوپر ایک چھلنا اور اس میں حل شدہ شکر کا پانی ڈالدو۔ اب اس قیف کو پانی کے برتن میں رکھی ہوئی نلی میں اس پانی کی سطح پر ایک نشان کردو۔ کچھ دیر کے بعد بغور دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اس کا سیال نشان سے اوپر ہو گیا ہے۔

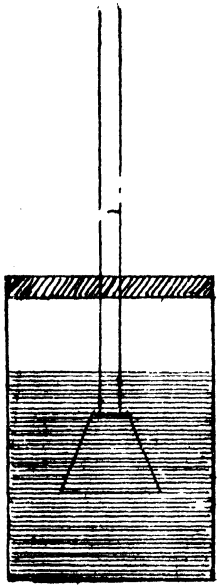

پس بعینہٖ یہی عمل موئے جڑ کے خانوں میں ہوتا ہے موئے جڑ کے خانوں کے حیاتیہ کی جھلی مثل چھلنے کے ہے۔ اور خانہ کا عرق شکر کے حل شدہ پانی سے مطابقت رکھتا ہے اور مٹی کے ذروں سے متصل پانی کے قطرے چھلنے کے بیرونی پانی سے مشابہت رکھتے ہیں۔ چونکہ خانہ کے عرق کی کثافت عموماً بیرونی پانی سے زیادہ ہوتی ہے لہذا یہ پانی ہمیشہ جذب ہوتا رہتا ہے

حسابی اسباق پر چند اشارات

عجلت و صحت

حساب کی تعلیم کے مقاصد ہر مدرس کو معلوم ہونگے [illegible] میں جو مضامین درج نصاب کئے جاتے ہیں [illegible] کی دو اغراض ہوتی ہیں۔ اول [illegible] ان سے بدیلے دوسرے ان کی تعلیم سے دماغی تربیت ہو۔

پس حساب بھی انہیں وجوہ سے سکھایا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو دنیوی کاروبار اور خرید و فروخت میں حساب کی ضرورت پڑتی ہے اور اسکی تعلیم سے قوائے عقلیہ کی تربیت ہوتی ہے۔

یہ دونوں اغراض حسابی تعلیم کے اصول کو اچھی طرح سمجھانے اور استعمال قواعد کی کامل مشق سے پوری ہوسکتی ہے۔

ان مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر مدرس کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ حساب کے سوالات حل کرتے وقت اپنے طلبہ میں عجلت اور صحت کے ساتھ کام کرنیکی عادت ڈالے اور ان باتوں میں استاد اسی وقت کامیاب ہوسکتا ہے جبکہ اصول پر عمل کرے۔ اگر ہفتہ میں ایک یا دو پیریڈ محض اسی غرض کو پورا کرنیکے لئے صرف کئے جائیں تو مضائقہ نہیں۔ کیونکہ تعلیم حساب میں علاوہ اور باتوں کے عجلت اور صحت نہایت اہم اور لابدی ہیں۔

سوال حل کرتے وقت یا دوران تقسیم میں بعض اوقات معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ سوال کو سمجھتے تو ہیں مگر محض عمل کی غلطی کیوجہ سے جواب غلط نکالتے ہیں۔ لہذا حساب کی تعلیم میں عجلت اور صحت دونوں باتیں مدرس کے مدنظر ہونی چاہئیں۔ صرف ایک سے غرض پوری نہیں ہوسکتی یہ بات پیدا کرنے کے لئے مستقل مشق کی ضرورت ہے۔ لیکن اس مشق میں تنوع ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ایک ہی بات بار بار کرنے سے بچوں کی طبیعت جلد اُکتا جاتی ہے۔ [illegible] کو پسند کرتے ہیں۔

لہٰذا استاد کو چاہیئے کہ اپنے طریقہ تعلیم کو اد تا بد تار ہے۔ مشق جس قدر دلچسپ اور گوناگوں ہوگی بہتر نتائج حاصل ہونگے۔ بعض مدرسین بالکل سادہ کھیلوں یا سابقت و رشک کے ذریعہ سے حسابی تعلیم کو کامیاب کیا کرتے ہیں۔ بچہ کی عمر اور استعداد کے لحاظ سے طریقہ تعلیم میں فرق ضرور کرنا ہوگا۔ ابتدائی جماعتوں میں گنتی کر کر قاعدہ مشق ہونی چاہیئے۔ مثلاً کسی ایک چھوٹے عدد میں ایک ہی عدد متعدد بار جمع کرتے کرتے ایک بڑے عدد تک پہنچنا جیسا کہ ۳ میں ۲ جمع کئے تو پانچ ہوئے ۵ میں ۲ کئے تو ۷ ہوئے ۷ میں ۲ جمع کئے تو ۹ ہوئے علیٰ ہذا ۳-۵-۷-۹-۱۱-۱۳- ۵ وغیرہ۔

پہلے پہل ۳ اور ۲ پانچ - ۵ اور ۲ سات - ۷ اور ۲ نو' اس طرح بچوں سے گنوایا جائیگا۔ شمار کے وقت انگلیوں کا استعمال ہرگز نہ کیا جائے۔ اس طرح کی مشق سے بچوں کو جمع کے سوالات حل کرنے میں بہت آسانی ہوتی ہے اور وقت کی بھی کفایت ہوتی ہے۔

اسی طرح کسی ایک بڑے عدد میں سے ایک ہی عدد متعدد بار گھٹاتے گھٹاتے کسی ایک چھوٹے عدد تک پہنچنا۔ مثلاً ۲۵ میں ۳ گھٹائے ۲۲ رہے۔ ۲۲ میں سے ۳ گھٹائے ۱۹ رہے۔ اس طرح کافی مشق کے بعد ۲۵، ۲۲، ۱۹، ۱۶، ۱۳، ۱۰، ۷، ۴، ۱ تک گننے لگیں گے۔ اس مشق سے بچوں کو تفریق کے سوالات حل کرنے میں آسانی ہوتی ہے اور وقت بھی بچتا ہے۔

ایک تختہ جس پر ہندسے قطاروں میں مربع نما شکل میں لکھے گئے ہوں جمع۔ تفریق پہاڑے وغیرہ کی مشق کے لئے کارآمد ہو سکتا ہے۔ اور تیزی و صحت کی جانچ بھی طلبہ خود کر سکتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو تختہ برصفحہ ۶۷)

یہ تختہ حسابی مشق کے لئے حسب اشارات مندرجۂ ذیل استعمال میں لایا جائے

	(۱)	(۲)	(۳)	(۴)	(۵)	(۶)	(۷)	(۸)	(۹)	(۱۰)
(۱)	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰
(۲)	۲	۴	۶	۸	۱۰	۱۲	۱۴	۱۶	۱۸	۲۰
(۳)	۳	۶	۹	۱۲	۱۵	۱۸	۲۱	۲۴	۲۷	۳۰
(۴)	۴	۸	۱۲	۱۶	۲۰	۲۴	۲۸	۳۲	۳۶	۴۰
(۵)	۵	۱۰	۱۵	۲۰	۲۵	۳۰	۳۵	۴۰	۴۵	۵۰
(۶)	۶	۱۲	۱۸	۲۴	۳۰	۳۶	۴۲	۴۸	۵۴	۶۰
(۷)	۷	۱۴	۲۱	۲۸	۳۵	۴۲	۴۹	۵۶	۶۳	۷۰
(۸)	۸	۱۶	۲۴	۳۲	۴۰	۴۸	۵۶	۶۴	۷۲	۸۰
(۹)	۹	۱۸	۲۷	۳۶	۴۵	۵۴	۶۳	۷۲	۸۱	۹۰
(۱۰)	۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰

الف ۔ افقی تختی ۔ دائیں طرف سے بائیں طرف حسابی جمع کا نقشہ ظاہر کرتی ہے ۔

مثلاً ملاحظہ ہو افقی تختی نمبرہ جس میں ۵، ۱۰، ۱۵، ۲۰، ۲۵، وغیرہ اعداد نظر آتے ہیں یہاں پر ہر ایک عدد میں ۵ زیادہ کئے ہوئے پائے جاتے ہیں ۔

۵ + ۵ = ۱۰، ۱۰ + ۵ = ۱۵، ۱۵ + ۵ = ۲۰، ۲۰ + ۵ = ۲۵ علیٰ ہذا ۔

یہی بات عمودی تختی نمبرہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے جس میں اوپر سے نیچے کی طرف گننے میں حسابی جمع کا نقشہ پایا جاتا ہے ۔

ب ۔ افقی تختی ۔ بائیں طرف سے دائیں طرف ۔ حسابی تفریق کا نقشہ ظاہر کرتی ہے ۔

مثلاً ملاحظہ ہو افقی تختی نمبر ۸ جس میں بائیں طرف سے دائیں طرف دیکھا جائے تو ۸۰، ۷۲، ۶۴، ۵۶، ۴۸، وغیرہ اعداد نظر آتے ہیں۔ یہاں پر ہر ایک عدد میں سے ۸ کم کئے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ۸۰-۸=۷۲، ۷۲-۸=۶۴، ۶۴-۸=۵۶، ۵۶-۸=۴۸ علیٰ ہذا

یہی بات عمودی تختی نمبر ۸ سے بھی ظاہر ہوتی ہے جس میں نیچے سے اوپر کی طرف گننے میں حسابی تفاوت یکساں ظاہر ہوتا ہے۔

ج۔ افقی اور عمودی تختیاں پہاڑے بھی ظاہر کرتی ہیں۔

مثلاً افقی تختی نمبر ۴۔ دائیں طرف سے بائیں طرف پڑھنے میں چار کا پہاڑا بتاتی ہے۔ جیسا کہ ۴ ایکے ۴، ۴ دونے ۸، ۴ تئے ۱۲، ۴ چوکے ۱۶ اس طرح ۴ نوے ۳۶ وغیرہ۔

یہی بات عمودی تختی نمبر ۷۔ اوپر سے نیچے کی طرف پڑھنے میں، کا پہاڑا بتاتی ہے۔

مثلاً ۷ ایکے ۷، ۷ دونے ۱۴، ۷ تئے ۲۱، علیٰ ہذا ۷ اٹھے ۵۶، ۷ نوے ۶۳ وغیرہ

آگے چل کر یہی تختہ ضرب۔ تقسیم۔ اجزائے ضربی۔ وغیرہ قاعدوں کو سمجھانے کے بعد ان کی مشق کے لئے کارآمد ہو سکتا ہے جس کا ذکر حسب ضرورت آئندہ کسی موقع پر کیا جائیگا۔

اس طرح کی کامل مشق ہونے کے بعد کبھی کبھی تیزی کے لئے ایک تحریری امتحان بھی لیا جائے جس میں مقررہ وقت میں بچے جواب لکھیں۔

جب تک پہاڑوں سے کامل طور پر واقفیت نہ ہو کوئی طالب علم حساب میں ترقی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ابتدائی طبقہ میں پہاڑوں کی تعلیم نہایت ضروری ہے۔ زمانہ قدیم میں چھوٹے بچوں سے پہاڑے رٹوائے جاتے تھے لیکن بڑی خوشی کی بات ہے کہ یہ طریقہ روز بروز مٹتا جاتا ہے اور کوشش ہو رہی ہے کہ بچے اپنی ذاتی کوشش سے بذریعہ اشیاء مثلاً کوڑیاں۔ بیج کاڑیاں وغیرہ۔ پہاڑے خود تیار کریں تاکہ وہ اچھی طرح ذہن نشین ہو کر یاد رہیں۔ اگر استاد کے زیر نگرانی بچوں کو کام کرنیکا موقع دیا جائے اور استاد صرف رہنمائی کرتا رہے تو تعلیم کا مقصد پورا ہونے کی بہت کچھ امید ہو سکتی ہے۔

جب کہ اشیاء کے ذریعہ استاد کے زیر نگرانی بچے پہاڑے تیار کرنے کی خود کوشش کرتے ہیں پھر بلا احساس تکلیف یا دماغی بار کے وہ نہایت دلچسپی سے کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

لیکن پہاڑے صرف شروع سے آخر تک یاد کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔ پہاڑے یاد کرانے کا مطلب یہ ہونا چاہیئے کہ ۱۲ سے چھوٹے کسی دو اعداد کا حاصل ضرب بچے جلد دریافت کر سکیں مثلاً ۸ × ۴ کا حاصل ضرب دریافت کرنا ہو تو ۸ کا پہاڑا شروع سے ۴ تک یا ۴ کا پہاڑا شروع سے ۸ تک گننے کے بغیر ۴ اور ۸ کا حاصل ضرب دل میں جھٹ اٹھے یا آنکھ چوکے کہکر ۳۲ جواب فوراً دے دیں۔ کیونکہ پہاڑے شروع سے مقصد کو پہنچنے تک گنتی کرنے میں وقت بھی بہت ضایع ہوتا ہے اور بعض وقت بیچ میں ہی بھول ہو جاتی ہے۔ لہذا بچوں میں ابتداء سے یہ عادت ڈالی جائے کہ کسی دو اعداد کا حاصل ضرب پہاڑوں کو شروع سے پڑھنے کے بغیر بتلا سکیں۔

لیکن یہ بات بغیر بہت زیادہ مشق کے پیدا نہیں ہو سکتی۔ پہاڑوں کو ذہن نشین کرانے کے بعد خالی مشق کے لئے مندرجۂ ذیل ترکیب کو استاد کام میں لاکر تجربہ حاصل کرے۔

ایک دائرہ کھینچا جائے۔ اس کے محیط پر ایک سے بارہ تک ہندسے لکھے جائیں

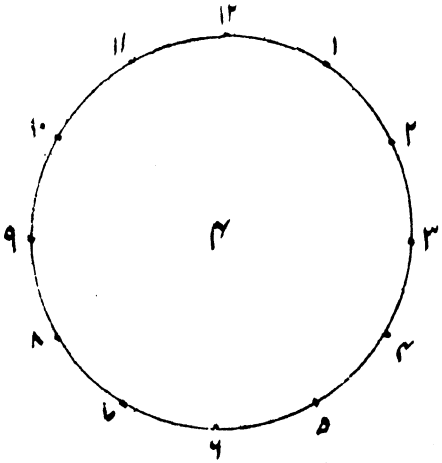

اور جس عدد میں ضرب دینا ہو وہ مرکز پر لکھا جائے۔ بعد باری باری سے مرکزی عدد اور محیط پر لکھا ہوا کسی عدد کا حاصل ضرب طالب علموں سے دریافت کیا جائے۔ مثلاً ایک لڑکا ۴ اور ۶ کا حاصل ضرب بتائے دوسرا ۴ اور ۷ کا حاصل ضرب بتائے۔ تیسرا ۴ اور ۸ کا۔ علیٰ ہذا۔ جواب دیتے وقت عجلت اور صحت کا خیال رکھے۔

امید ہے کہ اس طرح کی مشق سے بچے اکتا بھی نہیں جائینگے اور آئندہ حسابی سوالات حل کرنے میں ان کو آسانی ہوگی اور تیزی و صحت کا خیال ساتھ ساتھ رہیگا۔ بنیاد مستحکم ہو تو عمارت بھی پختہ ہوتی ہے۔

بھاپ کے انجن پر ایک عام فہم سبق

کم سن بالکوں کے لئے جتنی چیزیں دل لبھانے والی اور ہمیشہ دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہیں ان سب سے زیادہ دلفریب اور دلچسپ بھاپ کے انجن کا کام کرنا ہے۔ بعض استادوں نے تو کسی نہ کسی موقع پر یہ ضرورت محسوس کی ہوگی کہ جو بچے اس کے تعویض ہیں۔ اس معاملہ میں ان کی اس خواہش کو کہ وہ انجن کے چلنے کا راز سمجھیں پورا کیا جائے۔ ذیل میں ایسی باتیں پیش کی گئی ہیں جن سے بچوں کے دلوں پر بھاپ کے انجن کے اصلی اور اہم اصول نقش ہو سکتے ہیں۔

سب سے پہلے بھاپ کی زبردست قوت کے واقعہ کو بچوں کی آنکھوں کے سامنے لانا ہے اس غرض سے یہ تجربہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک گول پیندے کی یا آر بوجی آر بوتل لی جائے اس میں ایک تہائی پانی بھر دیا جائے اب اس بوتل کو تار دن والا گاز رکھکر لٹکن پر رکھا جائے اور پانی کو بنسن کے لیمپ اور کسی روشنی کی لو سے تیز آنچ دی جائے۔ بوتل کے منہ پر ربر کی یا اور کسی قسم کی ڈاٹ لگا دی گئی ہے۔ ایک خاص نوبت پر ڈاٹ گولی کی طرح آواز دے کر نکل جائیگی۔ اور

اثر زور سے جماعت کے کمرے کی چھت کو جا لگیگی۔ ساتھ ہی بوتل میں کا پانی جو پہلے بادی النظر میں چپ چاپ تھا دفعتہً کھولنے لگے گا۔ کیونکہ ڈاٹ کے نکل جانے سے دباؤ جاتا رہا۔ اس تجربہ سے جوالا مکھی پہاڑوں کے پھوٹ پڑنے کا ایک سبب بھی واضح ہو جاتا ہے۔

بھاپ کی زبردست قوت کو واضح کرنے کے بعد دوسرا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ بچوں کو دکھایا جائے کہ اس قوت سے ایک دستہ (پسٹن) کو آگے پیچھے ڈھکیلنے کا کام لیکر کس طرح کام میں لایا جا سکتا ہے۔ اب یہ تجربہ کیا جا سکتا ہے۔ تانبے کا بائے لر یا دھی پہلے تجربہ والی گول پیندے کی بوتل میں ایک ہلکی سی ڈاٹ لگائی جائے جس میں ایک چوڑا سوراخ ہو۔ لفٹ پمپ کے شیشہ والے نمونہ کو لیکر اس کی ڈنڈی اس سوراخ میں ٹھیک بٹھاؤ۔ اس پمپ کی ڈنڈی اور بیلن جہاں ملتے ہیں وہاں ایک والو (کھل مچنی) ہوتی ہے اس کو نکال دیا جائے اور اس والو والے دستہ اور ڈنڈی کے بجائے ایک بن والو کا دستہ اور ڈنڈی لگائی جائے۔ مثلاً مورس پمپ کے شیشہ والے نمونہ کا دستہ اور ڈنڈی کام آسکتے ہیں۔ اب پانی کو تیز آنچ دی جائے۔ دستہ ڈنڈی سمیت جلدی سے اوپر کو اٹھتا ہے اور اس حد تک اٹھتا ہے کہ بھاپ پمپ کے مخارج سے نکل جاتی ہے۔ جب بھاپ نکل جائے تو دستہ کو ہاتھ سے نیچے دبا دیں۔ دستہ پھر بھاپ کی قوت سے اوپر اٹھ آئیگا اس طرح اس چیز کو بار بار دہرا سکتے ہیں۔ ایک زیادہ سائنٹفک لیکن زیادہ پیچیدہ عمل یہ ہے کہ بیلن صورت میں جو مخرج ہیں ان میں سے بھاپ اندر پہنچائی جائے۔ تجربہ کے سامان میں اسی لحاظ سے تبدیلیاں کرنی ہونگی۔ ان تبدیلیوں کے بعد یہ ہوگا کہ بجائے ہاتھ سے دبانے کے دستہ بھاپ کے ہی زور سے نیچے بھی ہونے لگیگا۔ اس طرح آگے پیچھے کی حرکت پیدا ہوئی۔ کیونکہ بیلن کے اندر بھاپ دستہ کے دونوں سروں پر داخل ہو کر دباؤ ڈالے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ آگے پیچھے کی حرکت کس طرح اپنے آپ کل کی طرح پہیئے والو کی مدد سے جاری رکھی جا سکتی ہے۔ تجربہ بتلاتا ہے کہ اس بات کو شکل کے ذریعہ بھی ذہن نشین

کیا جا سکتا ہے اگر کام دینے والا انجن کا نمونہ موجود نہ ہو تو مختلف کتابوں میں جو مختلف شکلیں دی گئی ہیں ان سے کام لیا جا سکتا ہے۔ میری رائے میں می لی کن اور گیل کی کتاب "فرسٹ کورس ان فی زکس" میں شکل دی گئی ہے وہ بہت قابل اطمینان ہے۔ شکل آسان ہے اور صورت حالات کو بخوبی آنکھوں کے سامنے لاتی ہے۔ جماعت کے کمرہ میں پھیلنے والو کا چارٹ جو ایک پیمانہ کے مطابق تیار کیا ہو بہت کار آمد ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد مرحلہ اس بات کا سمجھانا ہے کہ یہ آگے پیچھے کی حرکت کس طرح چکر کی حرکت میں بدلی جا سکتی ہے۔ اس موقع پر ایسی کئی مثالیں پیش کرنی چاہیئے جس میں آگے پیچھے کی حرکت چکر میں یا اس کے برعکس چکر کی حرکت آگے پیچھے کی صورت میں منتقل ہوتی ہے۔ مثلاً سینے کی شین کا پہیہ چکر کھاتا ہے لیکن سوئی آگے پیچھے (اوپر نیچے) حرکت کرتی ہے۔ ریل کے اسٹیشنوں پر پانی جمع کرنے کے لئے ہاتھ کے پمپ کی مثال بھی مفید ثابت ہوگی۔ بعض تجربہ خانوں میں ہوا پمپ کا دستی پہیہ دستیاب ہو سکتا ہے۔

آخری منزل یہ ہے کہ بھاپ کے انجن کے ایک نمونہ کو کام کرتا ہوا دکھایا جائے۔ نمونہ چھوٹا ہو اور اس میں اگر حسب ذیل باتیں ہوں تو کیا ہی کہنے ہیں۔ انجن کا بیلن (بائی لر) نلکے کی صورت کا ہو۔

بوزڈن کا دباؤ پیما۔ سطح معلوم کرنے کا گلاس۔ ایک حفاظتی والو بھی ہو جو لی وزے کام دے سکے۔ سیٹی ٹونٹی اور ایک بھاپ کی نلکی میں بھاپ کی مقدار کو گھٹانے بڑھانے والا والو کا ہونا بھی ضروری ہے۔ بھاپ کو مزید حرارت پہنچانے کا انتظام ہو اور ایک خود بخود بائے لر میں پانی دوڑانے والا پمپ اور تھقری حرکت پیدا کرنے کے کل پرزے ہوں تاکہ بچوں کی سمجھ میں آ سکے کہ انجن اُلٹا کس طرح چلایا جاتا ہے۔ انجن کا بیلن اور والو کا خانہ اس طرح بنا ہو کہ بچے آسانی سے اس کا معائنہ کر سکیں۔ اس کا انتظام بھی ہو تو مناسب ہوگا کہ انجن کے فلائی پہیہ کا جو دہرا نکلا ہوتا ہے اس پر نیوٹن والی رنگوں کی چکتی لگائی جا سکے۔

اگر انجن بائے لڑ سے الگ ہو سکے تو بائیسل والا پاؤں کا پمپ بھاپ کے نلوے سے لگا کر بھاپ کے دباؤ کے بجائے انجن کو ہوا کے دباؤ سے چلا سکتے ہیں۔

پنجاب میں جبری تعلیم کی توسیع

صوبۂ پنجاب میں جبری تعلیم حوصلہ افزا ترقی کر رہی ہے اور یہ امر موجب اطمینان ہے۔ کہ بہت سے دیہاتی اور شہری رقبوں میں اس کی مزید توسیع کے لئے اچھی خاصی دلچسپی کا اظہار کیا جا رہا ہے اس وقت ۲۹ اضلاع میں سے ۲۱ میں اصول جبر نافذ ہے۔ موجودہ تعلیمی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ لوگ اپنی رضا و رغبت سے جبری اصول پر عمل کریں۔ اس معاملہ میں خارجی جبر ہنوز قبل از وقت ہے۔ لہٰذا لوگوں کا فرض منصبی ہے کہ وہ تعلیمی ترقی کے لئے حکام متعلقہ کے ساتھ شرکت عمل کریں۔ حامیان تعلیم کے لئے یہ حقیقت بہت حوصلہ افزا ہے کہ لوگ جبری تعلیم سے بخوبی مستفید ہو رہے ہیں۔ لیکن اصول جبر کی موثریت اس امر پر منحصر ہے کہ والدین اپنے بچوں کو کم از کم پرائمری نصاب تک تعلیم ضرور دیں تاکہ ان کے بچے نوشت و خواند پر اچھی طرح حاوی ہو جائیں۔ ۱۹۲۵-۲۶ء کی تعلیمی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ سال مذکور کے اختتام پر ۴۲ شہری اور ۴۵۱ دیہاتی رقبوں میں جبری تعلیم نافذ تھی۔ سال سابق کے مقابلہ میں ایسے شہری اور دیہاتی رقبوں میں بالترتیب ۱۸ اور ۱۶۱ کا اضافہ ہوا ہے۔ سب سے زیادہ ترقی انبالہ ڈویژن میں ہوئی ہے۔ جس کے لئے ڈویژن مذکور کی میونسپل کمیٹیاں مستحق مبارکباد ہیں۔ اضلاع کرنال میں ۱۰۳ انبالہ میں ۷۲ رہتک میں ۵۴ حصار میں ۵۰ اور گوڑگاؤں میں ۴۳ ڈسٹرکٹ بورڈ سکول ہیں۔ اس بارہ میں انبالہ ڈویژن نے ایک ایسی نمایاں مثال قائم کر دی ہے جو دیگر ڈویژنوں کے قابل تقلید ہے۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ لاہور ڈویژن میں اضلاع گورداسپور اور سیالکوٹ نے یہاں جبری تعلیم کا طریق نافذ کرنے کے لئے کوشش نہیں کی۔ امید ہے کہ

ان رقبوں کی میونسپلٹیاں اپنے شہری فرائض کو محسوس کرینگی۔ تعلیم عام کی اشاعت کیلئے مناسب نظام کار پر عمل پیرا ہونے ہی سے ان میونسپلٹیوں کے ارکان شاہراہ ترقی پر گامزن ہو سکتے ہیں اور ایسے حالات پیدا کر سکتے ہیں جو ان لوگوں کے لئے مفید خوش آیند اور مسرت بخش ثابت ہوں۔ جنہوں نے ارکان مذکور کو اپنا نمایندہ منتخب کیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے۔ کہ جالندھر ڈویژن جبری تعلیم کے معاملہ میں سب سے پیچھے رہے حالانکہ دیگر شعبوں میں اسے کسی اعتبار سے پس ماندہ نہیں کہا جا سکتا۔ تعلیمی حکام جبری تعلیم کی ترقی کے لئے حتی الامکان کوشش کر رہے ہیں اور اب عوام کا فرض ہے کہ وہ اس معاملہ میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔ راولپنڈی ڈویژن میں اس وقت تک کسی میونسپلٹی نے بھی جبری تعلیم کا طریق نافذ نہیں کیا۔ اور یہ امر یقیناً متعلقہ رقبوں کے باشندوں کے لئے موجب فکر و تردد ہونا چاہیئے۔ یہاں کے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں اپنے نمایندوں پر زور دیں کہ وہ بہت جلد جبری تعلیم کا طریق اختیار کریں۔ یہ امر بھی افسوسناک ہے کہ ضلع لاہور باوجود اپنی خاص تعلیمی سہولتوں اور باوجود اس امر کے کہ صوبہ پنجاب کا دارالحکومت اس ضلع کے اندر واقع ہے۔ جبری تعلیم کی ترقی کے لئے اس حد تک کوشاں نہیں جتنا کہ اسے ہونا چاہیئے ضلع مذکور میں جبری تعلیم کے رقبوں کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں۔ اس کے مقابلہ میں ضلع کرنال جیسے دُور افتادہ ضلع میں ایک سو تین ہیں۔ اور امرتسر کے قریبی ضلع میں ۹۴۔ امید ہے کہ چار دیگر ڈویژن بھی جبری تعلیم کی اشاعت کے لئے انبالہ ڈویژن کی سی سرگرمی دکھائینگے۔

ڈالٹن تجویز

اوندھائی اسکول کا ایک سالہ تجربہ

ڈسمبر ۱۹۲۴ء کے آخری ہفتہ میں اوندھائی سکول اور ریاست کے تعلیمی عہدہ داروں نے ایک غیر رسمی جلسہ کیا۔ اس جلسے کے پیش نامہ میں اس سوال کو بہت اہمیت دی گئی تھی کہ ڈالٹنی تجویز کو ہائی سکول میں نافذ کیا جائے دوران بحث میں ارباب جلسہ دو شقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک شق کا خیال تھا کہ اس تجویز کا اطلاق

سب سے نیچے کی دو جماعتوں میں کیا جائے لیکن دوسری شق کی یہ رائے تھی کہ سب سے اونچی جماعتوں میں اس کا نفاذ مناسب ہوگا۔ اس کے بعد بہت دیر تک گرما گرم بحث کے بعد آخر یہ طے پایا کہ جماعت چہارم سے لیکر جماعت ہفتم تک یعنی کل ہائی سکول کو ڈائلٹنی کر دیا جائے۔

مضمون وار تجربہ خانہ تیار کرنے کی غرض سے مدرسہ کے کتب خانہ کی کتابوں کو پھر چھانا گیا اور ان کو الگ الگ الماریوں میں مضامین کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا۔ بعض حوالہ کی کتابوں کی مزید کاپیاں فراہم کی گئیں۔ رئیس صاحب ریاست سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے سرکاری عمدہ کتب خانہ میں سے چند کتابیں ستعار عطا فرمائیں۔ یہ کتابیں بھی مل گئیں۔ کتابوں کے ساتھ جغرافی نقشے، تصویریں وغیرہ بھی تجربہ خانوں میں سجا دی گئیں۔ اس بات کو ملحوظ رکھا گیا کہ تجربہ خانوں کی تیاری میں جہاں تک ممکن ہو ابتدائی خرچ کم کیا جائے یا کم سے کم ہو۔

ہر جماعت کا کمرہ تجربہ خانہ کی صورت میں بدل گیا۔ اور متعلقہ مضمون کے استاد کے سپرد کر دیا گیا یہ قرار پایا تھا کہ یہ تجربہ مدرسہ کے موجودہ استادوں کی مدد سے کیا جائے۔ لہذا اس کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہمیں جملہ مضامین میں خاص ماہر لوگ دستیاب ہو سکیں۔ ہم اُستادوں میں سے بعض کا کچھ وقت مدرسہ وسطانیہ کو بھی دینا پڑتا تھا اور اس وجہ سے ہم کو تجربہ خانوں سے جلد جانا پڑتا تھا جس کی وجہ سے طلبا کو بعض اوقات دقتیں پیش آتی تھیں۔ تجربہ خانوں کی تیاری اور نئی جماعت بندی کے بعد ایک افتتاحی لکچر دیا گیا جس میں یہ کوشش کی گئی کہ طلبا کے ذہن نشین کر دیا جائے کہ ان سے کس طرح کے کام کی توقع ہے۔ لڑکوں کو اپنے جماعت کی ترقی کی اس قدر خوشی تھی کہ اب جو ذمہ داری کا بوجھ ان کے کندھوں پر رکھا جانے والا تھا۔ اس کی اہمیت کو وہ پوری طرح گرفت نہیں کر سکے۔ شاید ان کو کچھ ذرا سی اس بات سے مایوسی بھی ہوئی ہو کہ اب ہمیں پہلے کی طرح بغیر اپنے آپ تکلیف اٹھائے۔ اُستاد چمچوں سے کھانا نہیں کھلائینگے۔ ہم لوگوں نے پوری کوشش کی طلبا کے ذہن نشین کر دیں کہ ہم اساتذہ ہر وقت ان کی مدد کو تیار رہینگے اور یہ کہ جس وقت چاہیں وہ بلا روک ٹوک ہم سے مدد کے طالب ہو سکتے ہیں۔ سوائے سائنس اور نقشہ کشی کے اور سب مضامین کی تعلیم ڈالٹنی تجربہ کے مطابق کر دی گئی۔

۲۳ مارچ ۲۵ء کو طلبا کو پہلے ٹھیکے دیئے گئے۔ یہ ٹھیکے مہینہ بھر کے لئے نہیں تھے بلکہ صرف ایک ہفتہ کے لئے تھے۔ اور چھ مہینہ تک ہم ہفتہ وار ٹھیکے ہی دیتے رہے۔ مس پارکر، ہرسٹ کے مشورہ سے جو یہ اختلاف کیا گیا اس کی وجہ یہ ہیں۔

(۱) طلبا، کو اب تک یہ عادت تھی کہ ساری ذمہ داری استاد کے سر ڈال لیتے۔ اس لئے ایسے طلبا، جہاں پر یہ بھاری بوجھ پڑ جاتا تو مبہوت ہو جاتے اور کھوئے سے جاتے۔

(۲) ہم میں سے بعض استاد خود اس نئی صورت کے اصول کو ٹٹول رہے تھے اور ابھی ان اصول کو پوری طرح قابو میں نہ لا سکے تھے اور بعض اس نئے تجربہ سے کچھ اُکتائے ہوئے تھے اس لئے کہ وہ اس کو ایک زبردستی کی محنت تصور کرتے تھے۔

عملی طور پر مضامین کے ٹھیکوں کا تیار کرنا ہم سبھوں کے لئے ایک نئی چیز تھی اور ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ اس کام کو مشق اور عمل سے سیکھا جائے کیونکہ واقعی تجربہ ان دقتوں کا جو شاگردوں کو پیش آتی رہیگی اور جن سے شاگردوں کی ضرورتوں کا پتہ چلتا جائیگا۔ ہمیں قدم بہ قدم پر بہت کچھ سبق دیتا جائیگا چنانچہ چھ مہینے کے تجربہ کے بعد بھی ہم کسی مضمون میں ایسا ٹھیکہ تیار نہ کر سکے جسے ہر حیثیت سے بہترین کہا جا سکے۔

طلبا، میں سے پستی اور بد دلی کو دور کرنے کی غرض سے ہم نے گروہ شعبہ داری نظام تیار کیا اور طلبا، کو گروہوں میں تقسیم کرتے وقت ہم نے جان بوجھ کر انفرادی آزادی کے اصول کو نظر انداز کر دیا۔ اب ہمارے یہاں مختلف مضامین کیلئے مختلف گروہ ہو گئے۔ ان گروہوں میں بھی جماعت واری نظام کا یہ زبردست نقص باقی تھا یعنی یہ کہ "اسپ تازی اور خرسک پا" کو ایک ساتھ جوتا گیا تھا۔ ہم نے یہ سوچ کر کیا کہ جو طلبا، پھسڈی ہیں ان کو ذہین لڑکوں سے مدد ملیگی اور اس قسم کے کند ذہن طلبا، کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اپنے ذہین ساتھیوں کے ساتھ کام کریں۔

ایک اور ہدایت یہ کیگئی کہ ہر دوشنبہ اور شنبہ کو مدرسہ پرانے جماعت واری ڈھنگ پر کام کرتا تھا اس سے مقصد یہ تھا کہ طلبا، کو ہدایات دی جائیں اور ان کے بعض دقتوں کو

حل کیا جائے۔ دوشنبہ کے دن ہر مضمون کے متعلق اساتذہ اپنے طلبہ کو کام کرنے کے طریقے سمجھاتے اور ان تفصیلات کی توضیح کرتے جو ٹھیکے کے فارم میں ضبط تحریر نہیں ہو سکتیں۔ اساتذہ یہ بھی کہتے کہ طلبار کی توجہ ان امور کی طرف منعطف کراتے جن کو مطالعہ کے دوران میں انہیں نوٹ کر لینا چاہیئے۔ دوشنبہ کا دن مشترکہ کانفرنس کیلئے مخصوص تھا۔ اس کانفرنس میں ان دقتوں کو حل کیا جاتا جو عام طور پر لاحق ہوتی ہیں اور ان امور کی وضاحت کی جاتی جو طلبار کے ذہن میں نہیں آسکتے تھے۔ اور اس طرح طلبار کے کام کی آخری اصلاح کی جاتی۔

گرما کی تعطیلات کے ایک مہینہ پہلے اور ایک مہینہ بعد ہم اسی طریقے پر عمل کرتے رہے اور پھر کل اساتذہ کا ایک جلسہ کیا گیا جس میں اس مسئلہ پر بحث کی گئی کہ آیا اس طریقے کا جاری رکھنا مناسب ہوگا یا نہیں۔ مبحث کے بعد یہ باتیں دریافت کیگئیں۔

(۱) ٹھیکے بہت بوجھل ہیں۔

(۲) اور اس وجہ سے طلبار کو اپنے متعلقہ کام کو استاد کے اطمینان کے مطابق ختم کرنے کے لئے گھر پر سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔

(۳) بعض استاد دو ایک دفعہ طلبار کو جماعت کی حیثیت سے علاوہ دوشنبہ اور یکشنبہ کے پڑھاتے ہوئے پائے گئے۔ اس طرح گویا طلبار کا وقت ٹھیکے کے کام کے لئے لیا گیا جو ان کے ٹھیکوں سے متعلق نہ تھا اور جس وقت کو طلبا اپنے ٹھیکوں کی تکمیل میں صرف کرتے۔

(۴) ہم میں سے بعض نے دباؤ ڈال کر شاگردوں سے کام کرایا ہے۔

(۵) کام کے گراف وقت پر نہیں بھرے گئے اور نہ ان گرافوں کی جانچ پڑتال میں یکسانیت پائی گئی۔

(۶) جو طلبار آگے بڑھے ہوئے تھے ان کا وقت ضایع ہوا اور ان کو اپنے پسماندہ دوستوں کو تیار کرنے میں محنت اٹھانی پڑی۔

(۷) اکثر یہ دیکھا گیا کہ کند ذہن طلبار اپنے ذہین دوستوں کے کام کی آنکھیں بند کر کے نقل کر دیتے۔ ان تمام نقائص۔ اور رکاوٹوں کا نتیجہ اس سے ظاہر تھا کہ طلبار میں بےچینی اور بے اطمینانی پھیل

گئی تھی۔ طلبار کے سرپرستوں نے طرح طرح کی افواہوں کو سچ مان لیا۔ اور ان میں سے بعض حضرات نے طلبار کو مدرسہ سے اٹھا بھی لیا۔

استاد بھی شکایت کرتے تھے کہ اب ہم ضرورت سے زیادہ کام کر رہے ہیں۔ دیانت داری کے کام کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ ہر استاد طلبار کے تحریری کام کو روز کے روز درست کردے اور اب اس قسم کا کام بہت بڑھ گیا تھا۔ علاوہ اس کے طلبار کو روز جانچا جائے اور طلبار نے جو کچھ ترقی کی ہے اس کو خود طلبار کی گراف تختوں پر دکھایا جائے اور یہی اندراجات خود استاد اپنے گراف میں کرے۔ اس بھاری کام کے روزمرہ پھیر کے علاوہ استادوں کے لئے یہ لازمی تھا کہ وہ تازے ٹھیکوں پر غور کریں اور ان کو تیار کریں۔ اس ڈالٹنی تجویز سے مسلسل کام لازم ہوگیا تھا اور اکثر استاد اتنا کام نہیں کرتے تھے اس لئے فطرۃً استاد یہ چاہتے تھے کہ پھر جماعتواری نظام کی تن آسانیوں کی طرف لوٹ جائیں کیونکہ اس نظام کے تحت ان کو مقابلتہً کم کام کرنا پڑتا۔

(باقی آئندہ)

تبصرے

مجلہ عثمانیہ آخر مدتوں کے انتظار کے بعد عثمانیہ کالج کا رسالہ مجلہ عثمانیہ کے نام سے شایع ہوا اور ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ بلحاظ طباعت یہ رسالہ کلیہ عثمانیہ کی شان اور شہرت کے مطابق ہے۔ اردو طباعت اس قدر بھونڈی اور گری ہوئی ہے کہ جب کبھی ایک حسین چیز سلیقہ اور سمجھ کے ساتھ مطبع ہو کر سامنے آتی ہے تو مسرت ہوتی ہے۔ مجلہ عثمانیہ اپنی ظاہری صورت کے لحاظ سے ایک ایسی ہی دلکش چیز ہے۔

اور اس مجلہ میں گویا دو حصے ہیں ایک اردو مضامین کا اور دوسرا انگریزی کا حصہ ہے۔ ہماری رائے میں اردو اور انگریزی حصے علیحدہ علیحدہ ہوجائیں تو زیادہ مناسب ہوگا اور ہمیں امید ہے کہ کارکنان مجلہ کو آئندہ تجربہ اسی سہولت کے جانب لے جائیگا۔

حصہ اردو کے بجز دو مضامین کے باقی سب علمی اور دو ایک تحقیقی مضامین ہیں۔ جامعہ کے فرزندوں کے قلم سے جو مضامین نکلے ہیں ان کا اسلوب سلجھا ہوا اور بیان میں روانی ہے۔ زبان کو بہت احتیاط سے استعمال کیا گیا ہے اور اس قسم کی احتیاط ایک ادبی رسالہ میں نہایت مفید اور امید افزا بات ہے۔ ہم نے جہاں تک غور کیا الفاظ اور محاورات کے صحت اور برموقع استعمال سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جامعہ عثمانیہ کی اردو نہ صرف علمی بلکہ ادبی پایہ بھی رکھتی ہے اور جامعہ کے طلبا الفاظ کی قدر و قیمت کو سمجھتے ہیں اور الفاظ کو دیانت داری سے استعمال کرتے ہیں۔

مولوی حبیب اللہ صاحب رشتی اور مولوی محمد عبدالعادر صاحب سروری کے مضامین "اردو قصائد" اور "اردو زبان اور افسانے" نہایت محنت سے لکھے ہوئے مضامین ہیں ان میں یہ بات جھلکتی ہے کہ جدید زمانہ کے اسپرٹ اور نقطۂ نظر کے ساتھ اردو ادب کے ان شعبوں پر غائر نظر ڈالی گئی ہے ان مضامین کے علاوہ اور مضامین بھی ایسے ہیں کہ ان کو پڑھ کر معلومات اور خیالات میں اضافہ ہوتا ہے۔ مثلاً "تخیل اور داستان امیر حمزہ" "ہیوم اور مبدا علم" اور "فارسی نثر کا آغاز" اور یہ سب مضامین کلیۂ عثمانیہ کے فارغ التحصیل طلبا کے قلم سے ہے۔ طلبا کے علاوہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب کا مضمون "شاعری اور شاعر" اگرچہ شاعرانہ اور ادبی لطافت سے دور پڑ گیا ہے لیکن شروع سے آخر تک منطقی استدلال تک ایک زبردست زنجیر ہے۔ جناب مرزا الم نشرح صاحب کا مضمون "کل کا گھوڑا" ایک ادب لطیف کا لطیف نمونہ ہے۔ اس قسم کی تحریروں کی اردو بے انتہا محتاج ہے۔ آنسو بھرے تیرہ و تار مضامین کی اردو کے موجودہ ادب میں اس قدر بہتات ہوگئی ہے کہ اگر کوئی بھلا مانس ہولے سے کسی رسالہ کو اٹھائے تو ایک مضمون کے پڑھنے کے بعد اس کی ساری مسرت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ مرزا الم نشرح کا قلم لطیف ظرافت کا دھنی ہے اور ان کے ایسے مضامین اردو داں دنیا میں مسرت کا اضافہ کرنے کی وجہ سے ایک خالص برکت ثابت ہونگے۔

انگریزی حصہ میں ہمیں افسوس ہے کہ کوئی خاص بات نظر نہیں آئی۔ ڈاکٹر سید عبداللطیف سعید صاحب کا

مضمون "آپ روچ ٹو غالب" اردو میں ہونا چاہیئے تھا۔ اس قسم کے خیالات خواہ ان سے لوگوں کو عام طور پر اتفاق ہو یا نہیں اردو کے توسط سے زیادہ پھیل سکتے ہیں اور زیادہ مفید ہو سکتے ہیں۔ اس مضمون میں یہ ایک اور غلطی ہے جو آج کل عام طور پر کی جارہی ہے کہ غالب بیچارے کو ایک حوا بنایا جارہا ہے۔ اس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ مطالعہ کرنے والے مرعوب ہو جائیں اور کبھی سلجھے ہوئے خیالات کے ساتھ غالب کا مطالعہ نہ کر سکیں۔ جب غالب کے مطالعہ کی تیاری پر اس سنجیدگی اور ہمت کے ساتھ مضمون لکھے جائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ بچارے غالب ایک ایسا مصری دیوتا یا دیوی بن جائیگا جس پر سوائے چند خاص وابستہ بچاریوں کے اور کسی معمولی انسان کی نظر نہ پڑ سکے۔ اور اس قسم کے سنامین اس کے گرد ایک چار دیواری بن کر کھڑے ہو جائینگے۔

بحیثیت مجموعی ہم کلیہ عثمانیہ کو اس کامیاب رسالے کی اشاعت پر مبارکباد دیتے ہیں اور امید ہے کہ اس کی آئندہ اشاعتیں اور بھی قابل قدر ہونگی اور لطیف ظرافت کا جز جو شباب اور امنگوں کا ایک لازمی جز ہے اس مجلہ میں بڑھتا جائیگا۔

سالانہ چندہ چھ روپیہ۔ محمد عبدالجلیل صاحب منتظم مجلہ کلیہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

سالنامہ صحیفہ | سالنامہ صحیفہ اپنی قسم کی پہلی چیز ہے جو ممالک محروسہ سرکار عالی کی صحیح معلومات ہم پہنچاتی ہے اس کی لکھائی چھپائی اور جلد بھی اچھی ہے اور کتاب کی سائز بھی ایسی رکھی گئی ہے کہ اس کے استعمال میں کسی قسم کی دقت نہیں ہوتی۔ اس میں مختلف ابواب کے تحت ضروری اور مفید معلومات کو ترتیب دی گئی ہے اور مختصر مختصر طور پر ضروری امور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہمارے خیال میں اس ڈائرکٹری کی اشاعت سے مولوی محمد اکبر علیصاحب مدیر صحیفہ نے ملک اور ابنائے ملک کی ایک کارآمد خدمت کی ہے۔ اس سالنامہ سے مدارس سرکار عالی کے اساتذہ اپنے تعلیمی کام میں بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

ملنے کا پتہ:۔ دفتر اخبار صحیفہ چادر گھاٹ حیدرآباد دکن۔ قیمت مجلد ۱؎ غیر مجلد ۸؎

رسالۂ تجلی | یہ ایک اور سہ ماہی رسالہ ہے جو بلدہ فرخندہ بنیاد سے شایع ہوا ہے۔ اس کا انتظام کتب خانہ مسجد چوک سے متعلق ہے۔ اس کی طباعت بھی اچھی ہے اور خصوص پہلے نمبر کے مضامین سب کے سب دلچسپ اور پڑھنے کے قابل ہیں۔ خصوصاً "گلگور" پر جناب تمکین صاحب کاظمی اور "ادبیات اردو اور تنقید نگاری" پر جناب غلام محی الدین صاحب زور کے مضامین ادبی پہلو سے بہت دلچسپ ہیں۔ جناب تمکین صاحب کی نظم "میرا سہاگ رہنے دے" جدید طرز کی ایک عمدہ اور پر تاثیر چیز ہے۔

بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ رسالۂ تجلی اس قسم کے فضول دعووں سے جو عموماً اردو صحافت میں پائے جاتے ہیں، اور کچھ پورے نہیں اترتے بالکل بچا ہوا ہے اور یہ اس کے واقعی ہونہار اور کام کا ہونے کی ایک دلیل ہے۔ کام کرنے والے عموماً بے زبان ہوتے ہیں اور جو کچھ کرنا ہے بغیر بے ضرورت اشتہار بازی کے اپنا کام کئے جاتے ہیں۔ مدیر صاحب کی سنجیدہ تحریر "عرض واجب" کے لب و لہجہ سے استقلال کی بو آتی ہے اور ہمیں امید ہے کہ وہ اپنے خاموش کام کئے جانے کے عزم پر قائم رہینگے اور اللہ تعالیٰ ان کے کام میں برکت دیگا۔ ہمارے مدرس صاحبان کے لئے یہ رسالہ تاریخی اور ادبی حیثیت سے نہایت ضروری ہے اور ہمیں امید ہے کہ ہمارے صدر مدرس صاحبان اس اپنے ہاں کی کوشش اور قابل قدر کوشش کی رقمی اعانت کرینگے اور خود تجلی کے مضامین سے قیمتی فائدہ اٹھائینگے۔

ملنے کا پتہ:۔ کتب خانہ مسجد چوک حیدرآباد دکن۔ چندہ سالانہ عام دو روپے۔ گورنمنٹ سے پانچ روپے

روئداد اجلاس سوم صدر انجمن اساتذہ صوبۂ گلبرگہ | ہندوستان میں کانفرنسوں کی آج کل ایسی طوماریہ ہے کہ اگر کوئی شخص صرف ان کانفرنسوں کی روئدادوں پر ہی تبصرہ کرے جو ہر سال کرسمس کی تعطیل میں منعقد ہوتی ہیں تو ہم کو یقین ہے کہ اس کے لئے بھی ایک مستقل رسالہ نکالنے کی ضرورت ہوگی۔ کانفرنسوں کی کثرت اور پھر مبیوں ایسی کانفرنسوں کے انعقاد نے کہ جن کی روئداد چھپکر تقسیم بھی ہونے نہیں پاتی کہ وہ صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔ ہر کانفرنس کو ایسا مشتبہ کردیا ہے کہ جب تک اس کی پائداری کا اطمینان ہوجائے اس کی روئداد پر رائے زنی کرنے میں تامل ہوتا ہے۔ ہم مولوی عبدالسلام صاحب منشی فاضل

معتمد صدر انجمن اساتذہ کے بہت ممنون ہیں کہ وہ ہر سال انجمن مذکور کی روئداد بغرض تبصرہ روانہ فرماتے ہیں۔ حالانکہ المعلم کی دو سال کی خاموشی ان کے بدظن کرنے کے لئے بہت کافی تھی۔ اس وقت انجمن اساتذہ کی گذشتہ تین سال کی روئدادیں ہمارے پیش نظر ہیں۔ ہم کو یہ دیکھکر بہت خوشی ہوئی کہ ہر سال کی روئداد کی ظاہری و باطنی حالت بمقابلہ سال ماسبق بہتر ہے۔

ہمارا خیال تھا کہ ہر سال کی روئداد پر سرسری نظر ڈالیں۔ لیکن حسن اتفاق سے مولوی عبدالسلام صاحب نے جن کی رپورٹ مندرجۂ روئداد زیر غور کا پہلا جملہ یہ ہے کہ "میں علیحدہ کام نہ ہوں لہذا اول۔ آخر تک میری رپورٹ کا رنگ علمی کام کے اظہار پر مشتمل رہیگا"

اجلاس سوم کی روئداد میں صدر انجمن کی جملہ کارروائیوں کا ذکر کر دیا ہے اس کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ صدر انجمن "علمیت کے دیوانے" معتمد کے باعث سال میں ایک مرتبہ تجویزیں منظور کر کے برخاست نہیں ہو جاتی۔ بلکہ ہر تحریک منظورہ کو عملی جامہ پہنانے میں تھوڑی بہت کوشاں رہتی ہے سال اول کی تحریکات میں نظامی تختی۔ ترتیج کا غذ دیسی۔ سیٹ سسٹم۔ دیسی کھیل قابل ذکر ہیں۔ سال دوم میں سال اول کی تحریکات کی تکمیل کرنے کے علاوہ مدرسہ ثمینہ۔ دستی مشاغل وغیرہ جیسی مفید تحریکات منظور ہوئیں۔ ان کے عملی نتائج معتمد صاحب سوالنامہ کے ذریعہ سے دریافت کرتے ہیں۔ اور تمام جوابات کا خلاصہ اپنی رپورٹ میں درج کر دیتے ہیں۔ اس خلاصہ میں صرف ان ہی امور کا ذکر کر دیا جائے جو مکمل ہو چکے ہیں تو مناسب ہوگا ورنہ ہم اور غیر مکمل باتیں لکھنے سے نہ صرف ناظرین کا وقت ضائع ہوتا ہے بلکہ ان کی طباعت پر جو رقم خرچ ہوتی ہے وہ ضائع جاتی ہے۔ روئداد سال سوم کا خلاصہ صدارت ہدیۂ ناظرین ہو چکا ہے اس کے علاوہ مولوی سید احمد رضا صاحب واسطی کی استقبالی تقریر جس میں انہوں نے مختلف اضلاع ممالک محروسہ کی تعلیمی حالت بتلائی ہے اور پھر مدارس خانگی کی اصلی کیفیت کا اظہار کیا ہے قابل مطالعہ ہے۔ اسی طرح مولوی سید غلام محمود صاحب نے قواعد مدارس خانگی پر جو فاضلانہ تقریر کی ہے وہ اس لائق ہے کہ ہر سرکاری مدرس اس کو ایک سے زیادہ مرتبہ پڑھے۔

اس سال بھی متعدد مفید تحریکات پیش و منظور ہوئیں۔ ہمیں یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ انجمن مذکور کی تحریکات نفس المدعا تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ انجمن حسب ضرورت وسعت سے کام لیتی ہے۔ چنانچہ ممالک محروسہ میں باغ نباتات بنانے کی تحریک اس کی بلند نظری اور دور اندیشی کا بہترین ثبوت ہے۔

یہ امر باعث امتنان ہے کہ تقاریر کے علاوہ ہر سال کانفرنس کے ساتھ ایک نمائش تعلیمی ہوتی ہے جس میں اراکین اساتذہ اپنا اپنا کام پیش کرتے ہیں۔ کارکنان انجمن عمدہ کام کی قدر کرتے اور اساتذہ تحفہ جات سے طلبہ و اساتذہ و مدارس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ روئداد سال سوم دلچسپ و پر از معلومات ہے لیکن افسوس کہ تلاش کے بعد بھی ہم یہ نہ معلوم کر سکے کہ صوبہ گلبرگہ میں انجمن ہائے اساتذہ کی جملہ تعداد کیا ہے۔ ان کے اراکین کتنے ہیں سالانہ جلسہ میں ہر انجمن کی طرف سے نمائندگی ہوئی تھی یا کیا۔ روئداد کے آخر میں اگر شرکا جلسہ کی فہرست دیدی جائے تو ہمارے خیال میں شرکا جلسہ کی دلچسپی میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوگا اور ان کو مکرر شرکت کی ترغیب و تحریص ہوگی۔ آخر میں ہم مولوی عبدالسلام صاحب معتمد کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے اپنی ان تھک کوشش اور بے لوث کام سے انجمن مذکور کو ممالک محروسہ کی انجمنوں کے لئے قابل تقلید بنا دیا ہے اور اس کی روئداد قابل مطالعہ ہے۔ روئداد مذکور بڑی تقطیع پر دیسی کاغذ پر چھپی ہے۔ اس کا حجم ۱۰۸ صفحہ ہے اور قیمت ایک روپیہ معتمد صاحب سے مل سکتی ہے۔

شذرات

مولوی عبدالسلام صاحب معتمد انجمن اساتذہ گلبرگہ اطلاع دیتے ہیں کہ سفری کتب خانہ کے لئے اجتماع رقم کے بعد بڑا کام کتابوں کا انتخاب، خریدی، صحافی اور تیاری صنادیق وغیرہ ہے۔ یہ امور وقت طلب ہیں۔ لہذا انجمن نے مکتبۂ ابراہیمیہ سٹرک سٹیشن اور مکتبہ اسلامیہ سٹرک کے حیدرآباد سے طے کیا ہے کہ وہ کتابوں کے بنے بنائے صنادیق تیار کرے۔ ہر صندوق میں ۳۰ مجلد کتب ہونگے جو طلبہ و مدرسین کی ضروریات کے علاوہ زراعت وصنعت وغیرہ سے متعلق ہونگے۔ صندوق پر نشان اور ضلع کا نام پختہ خطوں میں درج ہوگا۔

خریدی صنادیق کے بعد طریقہ گشت کے متعلق استفسار ہو تو اس کی صراحت بھی کیجائیگی۔

مولوی عبدالسلام صاحب کی اطلاع مظہر ہے کہ صدر انجمن اساتذہ فن تعلیم کے اردو تراجم کی ضرورت محسوس کرتی ہے اگر کوئی مفید ترجمہ کسی ملازم سررشتہ تعلیمات کی جانب سے پیش ہو تو انجمن مؤلف کی ہمت افزائی اور کتاب کے اشاعت کا انتظام کریگی۔ ہم انجمن مذکور کو اس قرارداد پر مبارکباد دیتے ہیں۔

آل انڈیا ٹیچرز فیڈریشن کا دوسرا سالانہ جلسہ اس سال پٹنہ میں زیر صدارت پروفیسر اے۔ آر داڈیا منعقد ہوا۔ رپورٹس کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ فیڈریشن کو سال بسال ترقی ہورہی ہے۔ اس سال اس کانفرنس کی خصوصیت یہ تھی کہ دیسی ریاستوں کے نمائندے بھی شریک ہوئے۔ مثلاً بڑودہ۔ گوالیار۔ جے پور۔ حیدرآباد دکن۔ حیدرآباد سے مولوی سید علی اکبر صاحب صدر مہتمم تعلیمات تشریف لے گئے تھے۔ کانفرنس کے ساتھ نمائش بھی ہوئی۔ سال آئندہ کانفرنس کا اجلاس کلکتہ میں ہوگا۔ کانفرنس کے متعلق مفصل معلومات حاصل کرنے کیلئے مسٹر دیوی پرشاد کھٹاری

ہیڈ ماسٹر یونائٹڈ ہائی سکول کانپور سے مراسلت کی جائے۔

ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ ہندوستان میں مرض دق سرعت سے پھیل رہا ہے اس کی وجہ ہے کہ ہندوستانیوں کے قوا کمزور ہو گئے ہیں۔ ان کی غذا اچھی نہیں ہوتی۔ اور بدہضمی۔ بخار وغیرہ سے ان میں مرض کا مقابلہ کرنے کی طاقت باقی نہیں رہتی۔ اس کے علاوہ ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ لوگ عام طور پر حفظان صحت کے اصولوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔ مدرسین اس مہلک مرض کی بہت کچھ روک تھام حفظان صحت کی تعلیم سے کر سکتے ہیں۔

بہت کم لوگ اس امر سے واقف ہیں کہ ہندوستان میں طاعون و ہیضہ سے زیادہ مہلک مرض ملیریا بخار ہے۔ حیدرآباد کے مشہور ڈاکٹر ہنٹ کا خیال ہے کہ خاص بلدہ میں ملیریا کے مریض کثیر تعداد میں ہیں اور ملیریا سے بمقابلہ طاعون زیادہ اموات ہوتی ہیں، لیکن اس کا احساس نہیں ہے۔

سر رونلڈ راس نے تہیہ کیا ہے کہ وہ ملیریا کو جڑ سے اکھاڑ دینگے۔ اپنے ایک لکچر میں انہوں نے کہا ہے کہ سب سے پہلے یونانیوں نے یہ دریافت کیا کہ ملیریا اور بند پانی میں کوئی تعلق ہے چنانچہ سینکڑوں برس کی کوشش کے بعد اب یہ ثابت ہوا کہ مچھر جو بند پانی میں پلتے بڑھتے ہیں اس مرض کے ذمہ دار ہیں۔ اگر ان کو نیست نابود کر دیا جائے تو ملیریا خود بخود نابود ہو جاتا ہے۔

جنگ عظیم کے بعد سے اہل یورپ بہت کچھ رحم دل ہو گئے ہیں انسان کے آرام و آسائش

کا انتظام بحالت صحت و بحالت بیماری ایسا عجیب و غریب ہے کہ اس کے باور کرنے کے لئے مشاہدہ ضروری ہے۔ لیکن خوشی کی بات ہے کہ یہ رحم و کرم محض اپنے ہم وطنوں تک محدود نہیں رکھا گیا۔ حال ہی میں بمقام وانس ٹڈ (انگلستان) بیمار و معذور ہندوستانیوں کے لئے ایک ایسا عمدہ ہسپتال بنایا گیا ہے جو کہ غریب ہندوستانیوں کو از راہ بھی نصیب نہیں ہے۔ اس ہسپتال میں گھوڑے، کتے، بلیاں نہایت آسائش سے رکھے جاتے ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کے لئے اسٹاف مقرر ہے۔ ان کے علاج کے لئے ہر قسم کا سامان موجود رہتا ہے۔

امریکہ کے مشہور و معروف پروفیسر ڈوائی نے انگریزی زبان کی کانفرنس کی تقریر میں کہا کہ انگریزی زبان کے حروف ابجد کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ اس سے امریکہ کو سالانہ تیس کروڑ روپیہ کی بچت ہوگی۔ انہوں نے خود ایک ابجد تجویز کی جس کے چوبیس حروف صحیح۔ تیرہ حروف علت۔ چار الفاظ مقرون اور لفظ دی (the) کے لئے ایک علامت ہے۔ لفظ دی ہی ایک ایسا لفظ ہے جو ایک صفحہ کا سات فی صدی لے لیتا ہے۔ پروفیسر ممدوح کی ابجد اختیار کر لیجائے تو خیالات کے اظہار میں بہت کم الفاظ کی ضرورت ہوگی۔ مثلاً لفظ تھورو (Through) میں سات حرف ہیں۔ لیکن پروفیسر صاحب کی ابجد کے لحاظ سے تین حرف کافی ہونگے۔ اس طرح ان کی ابجد کی وجہ سے کتابوں کا حجم کم ہو جائیگا۔ لکھائی چھپائی کے اخراجات میں غیر معمولی تخفیف ہو جائیگی۔ جس کے باعث ہر سال تیس کروڑ روپیہ بچ رہیگا۔

رپورٹ سالانہ انجمن اساتذہ بابت ۳۵ء سے ظاہر ہے کہ صوبہ گلبرگہ کے مدارس میں تعداد طلبہ بلحاظ تعداد مدرسین تقریباً انتہائی حد پر پہنچ چکی ہے۔ پرائمری شاہی مدارس میں اوسطاً تعداد طلبہ ضلع رائچور میں (۱۶۱) ضلع گلبرگہ میں (۱۵۴) ضلع عثمان آباد میں (۱۱۷)

دس بیدر میں (۹۸) ہے۔ اسی طرح جملہ پرائمری مدارس میں اوسطاً ضلع رائچور میں (۶۹) ضلع گلبرگہ میں (۲۸) ضلع عثمان آباد میں (۲۳) اور ضلع بیدر میں (۲۰) طلبہ فی مدرسہ

سے زیادہ دلچسپ اخراجات کی تفصیل ہے۔ پرائمری مدارس شاہی [illegible] عطائی طالب ضلع رائچور میں (۱۰/۱۵) ضلع گلبرگہ میں (۱۰/۱۵) ضلع عثمان آباد میں (۱۰/۱۵) اور ضلع بیدر میں (۱۰/۱۹) خرچ ہوتا ہے۔

گذشتہ اشاعت میں یہ خبر درج کی گئی تھی کہ ہندوستان اور انگلستان میں ایک ہوائی جہاز کی سروس قائم ہونے والی ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ یہ خبر صحیح نکلی اور اس ماہ (جنوری) سے ہندوستان اور انگلستان میں ہوائی جہاز کی سروس جاری ہوگئی۔ پہلا ہوائی جہاز معہ وزیر انگلستان دہلی بخیر و خوبی پہنچا۔ انگلستان سے ہندوستان کی مسافت صرف ساڑھ گھنٹوں میں طے ہوئی۔ اس ہوائی جہاز کا نام سٹی آف دہلی۔ یعنی شہر دہلی رکھا گیا ہے۔

میجر مرچنٹ نے لکھا ہے کہ تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ مروجہ کھیل طبقہ اناث کے لئے ناموزوں یا مضر نہیں ہیں۔ لڑکیوں کے مدارس میں ہاکی۔ نٹ بال وغیرہ کئی برس سے کھلائے جاتے ہیں۔ اور دیکھا جا رہا ہے کہ ان کی بدولت لڑکیوں کی جسمانی حالت اور صحت بدرجہا بہتر ہوتی جاتی ہے۔

ہندوستان میں شکل سے دو عورتیں ایسی نکلیں گی جو پیشہ وکالت کرتی ہیں برخلاف اس کے ہالینڈ میں ساڑھے تین سو عورتیں بیرسٹر ہیں۔ فرانس میں ڈیڑھ سو مگر انگلستان میں

صرف ساٹھ۔

حکومت آسٹریلیا کا صدر مقام سڈنی تھا۔ لیکن بعض وجوہ سے اس کو تبدیل کرکے کان برا دارالحکومت قرار دیا گیا ہے۔ جغرافیہ کی کتابوں میں حسب ترمیم کرلینا چاہیئے۔

پروفیسر رابرٹسن کی رائے ہے کہ شادی شدہ اشخاص، مجرد اشخاص سے زیادہ عرصہ زندہ رہتے ہیں۔ اسی طرح شادی شدہ اشخاص بمقابلہ مجرد اشخاص دماغی عارضوں میں کم مبتلا ہوتے ہیں۔

بمبئی کے بعض حصوں میں ابتدائی تعلیم جبری کردی گئی ہے۔ بعض مدارس میں لڑکے لڑکیوں کو ایک ساتھ پڑھایا جاتا ہے اور بعض میں علیحدہ علیحدہ مسلمانوں کی مخالفت کی وجہ سے مسلمان لڑکیوں کو جبری تعلیم سے مستثنیٰ کردیا گیا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کی عام تعلیمی حالت پر نظر کرتے اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ لڑکیاں زیور تعلیم سے آراستہ ہوکر نیک بیویاں اور دانشمند مائیں بن سکیں۔

ہماری نسل کی جسمانی حالت جیسی بھی خراب ہے اس کا صحیح اندازہ ذیل کی کیفیت سے مترشح ہوگا:۔

شہر بمبئی کے مدارس کے سولہ ہزار نوسو اسی لڑکوں اور پانچ ہزار اکیسو پچاسی لڑکیوں کا باقاعدہ طبی معائنہ کیا گیا۔ ان میں صرف تیس فی صدی لڑکیاں اور بیس فیصدی لڑکے باصحت تھے۔ باقی تمام یعنی ستر فی صدی لڑکیاں اور اسی فی صدی لڑکے کسی نہ کسی

...ہ مبتلا تھے۔ مرض دق کے آثار ایک فیصدی لڑکوں اور آٹھ فی صدی لڑکیوں میں پائے گئے۔ براہ کرم مدرسین اس پر غور فرمائیں اور اس کے انسداد کی تدابیر اختیار کریں۔

...نی کا ... ایسی حالت میں افراد کی مالی حالت ایسی ناقص نہیں ہے جیسی کہ ہمارے ملک میں ہے۔ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے پاس ایک کماتا ہے اور دس کھاتے ہیں۔ کمانے والے متعلقین کو کھلانا باعث عزت خیال کرتا ہے۔ اور کھانے والے ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر ٹکڑے توڑنا بے شرمی اور بے حیائی نہیں سمجھتے۔ صوبہ بنگال کے اعداد و شمار کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف فرقۂ برہمن میں ۲۴ر۲۳ فی صدی کمانے والے ہیں گویا ۷۶ر۷۶ فی صدی لوگ اپنی روٹی آپ نہیں کماتے برخلاف اس کے انگریزوں اور ...یسی عیسائیوں میں ۴۱ر۴۱ اور ۳۲ر۶۷ فی صدی کمانے والے ہیں اور کھانے والے بہت کم ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی مالی حالت جیسی کچھ بھی عمدہ ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

حکومت انگلستان نے ایک قانون نافذ کیا ہے جس کی رو سے ہر نادار بیوہ جس کا بچہ چودہ برس سے کم عمر کا ہو۔ تقریباً تیس روپیہ ماہوار کا رعایتی وظیفہ پا سکے گی۔ اور ہر یتیم جس کی عمر چودہ برس سے کم ہو تقریباً بیس روپیہ ماہوار کا رعایتی وظیفہ پائیگا۔

انگلستان کے ایک مشہور ڈاکٹر کا بیان ہے کہ جو بچے اپنے بچپن میں عمدہ قسم کا دودھ پیتے ہیں اُن کے نہ صرف قویٰ ہی عمدہ ہوتے ہیں بلکہ ان کا ذہن بھی اچھا ہوتا ہے۔ لندن کے مدارس میں جو تجربہ کیا گیا ہے اس سے مذکورہ بیان کی تائید ہوتی ہے (ہمارے ہاں کے دیہی طلبہ کی

ذہانت غالباً عمدہ دودھ پینے ہی کا باعث ہے)۔

مہاراجہ بڑودہ نے سب سے پہلے اپنی ریاست میں ابتدائی تعلیم مفت و جبری کرکے ہندوستان میں ایک بے نظیر مثال قائم فرمائی۔ اب مہاراجہ صاحب ممدوح اپنی ریاست میں ایک یونیورسٹی قائم فرمارہے ہیں جو موجودہ یونیورسٹیوں کے لئے ایک نمونہ ہوگی۔

بڑودہ یونیورسٹی کمیشن کے روشن خیال اراکین نے تہیہ کرلیا ہے کہ وہ ریاست کی نصف سے زیادہ آبادی جو نکمی علم سے بے بہرہ اور بے ہنر ہے اور جو آئندہ نسلوں کو پالتی پوستی ہے۔ اور اچھے یا بُرے۔ جذبات اور خیالات کے بیج نئی پود کے نفوس میں بوتی ہے اس کے لئے ایک ایسا نصاب تیار کرینگے جس سے بڑودہ کا ہر گھر علم و ہنر سے رچ جائیگا۔ اور شریک مدیر المعلم نے جو توقعات ماہ وسے ۔ پرچہ میں ظاہر فرمائے ہیں وہ بلاتفریق مذہب وملت بڑے پیمانے پر تکمیل پائینگی۔ یہ اپنی وضع کی پہلی یونیورسٹی ہوگی جو ضروریات ملک کے لحاظ سے اناث کو خانہ داری۔ سوزن کاری وغیرہ کی اعلیٰ ترین تعلیم دیگی۔

ہمارے ناظرین کے لئے جاپان اور ہندوستان کی تعلیمی رپورٹوں کا مقابلہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

ہندوستان اور جاپان کی سردم شماری علی الترتیب چوبیس کروڑ ستر لاکھ اور چھ کروڑ پچیس لاکھ ہے۔ گویا ہندوستانیوں کی تعداد جاپانیوں کی چوگنی ہے یا یوں کہیئے کہ جاپانیوں کی تعداد ہندوستان کے مسلمانوں کے برابر ہے۔ پندرہ فی صدی کے حساب سے قابل تعلیم بچوں کی تعداد ہندوستان میں تین کروڑ ستر لاکھ ہوتی ہے اور جاپان میں نو لاکھ۔ ہندوستان کے جملہ مدارس میں اٹھانوے لاکھ بچے زیر تعلیم ہیں اور جاپان میں ایک کروڑ دس لاکھ۔ اس سے ظاہر ہے کہ

ستان میں بچوں کی کثیر تعداد معمولی نوشت وخواند سے بھی بے بہرہ رہتی ہے اور جاپان میں نہ صرف تمام قابل تعلیم بچے ہی زیر تعلیم ہیں بلکہ ان کے علاوہ زیادہ عمر کے نفوس بھی تحصیل علم میں مشغول نظر آتے ہیں۔

اب تعداد و اقسام مدارس پر نظر ڈالی جائے تو ظاہر ہوگا کہ جاپان میں ابتدائی مدارس کی تعداد کے بعد سب سے بڑی تعداد صنعت و حرفت کے مدارس کی ہے۔ جاپان میں رہ تسم کے پندرہ ہزار صنعت و حرفت کے مدارس ہیں۔ برخلاف اس کے ہندوستان میں مشکل سے دو درجن ایسے مدارس نکلیں گے

حکومت ہند نے گذشتہ سال تعلیم پر نو کروڑ اٹھانوے لاکھ ایک ہزار پانچ سو چورانوے روپیہ صرف کیا۔ بہ الفاظ دیگر بلحاظ آمدنی چار آنہ فی کس خرچ پڑا۔ اور اس طرح پر جملہ آمدنی (دو سو بیس کروڑ) میں سے پانچ فی صدی روپیہ تعلیم پر خرچ کیا۔ برخلاف اس کے جاپان کی حکومت نے سالانہ آمدنی میں سے تعلیم پر پندرہ فی صدی روپیہ صرف کیا۔ چنانچہ چار آنہ فی کس کے مقابلہ میں تقریباً دس روپیہ فی کس خرچ پڑا۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ ہماری حکومت آصفیہ اپنی عزیز رعایا کی تعلیم پر آمدنی کا تقریباً دس فی صدی حصہ صرف کرتی ہے جو حکومت ہند کے خرچ کا دوگنا ہے۔

جرمن کے ایک ڈاکٹر اینیز نے ایک ایسا عجیب وغریب آلہ ایجاد کیا ہے جس سے مریض کے معدہ کے اندرونی حصہ کی تصویر لے لی جاتی ہے اور اس طرح پر حقیقی حالت کے انکشاف کے بعد مناسب علاج کیا جاتا ہے۔

اسلامی ممالک میں ترکی ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں سرکاری طور پر طبقۂ اناث کی سیاسی زندگی میں بہت کچھ تبدیلیاں کی جارہی ہیں۔ مصطفےٰ کمال پاشا۔ صدر حکومت جمہوریہ ان انقلابات کے ذمہ دار ہیں۔ طبقہ اناث از روئے قانون طبقۂ ذکور کے ہم پلہ کردیا گیا ہے۔ اناث کے ساتھ مساویانہ برتاؤ صرف مدارس تک محدود نہیں ہے۔ ان کو سرکاری محکمہ جات میں بھی جگہ دی جارہی ہے۔ چنانچہ حکومت نے حال ہی میں ایک خاتون کو جج مقرر کیا۔ پردہ کی رسم اب صرف ہندوستان کی چند ریاستوں تک ہی محدود رہ گئی ہے۔

جدید وائسرائے لارڈ اروِن کو فن زراعت سے بہت دلچسپی ہے۔ صاحب ممدوح ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقہ میں فن زراعت کا شوق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اعلان کیا ہے کہ اس سال ایک طلائی اور ایک نقرئی تمغہ ان طلباء کو دیا جائیگا جو "زراعت ہند" پر بہترین مضمون لکھینگے۔

برما کی ایک خاتون وامی نے بیرسٹری کا امتحان کامیاب کرلیا ہے یہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے اپنے ملک میں قانون کی تکمیل کی ہے۔

بمقام کلکتہ طلبہ زیر تعلیم کا طبی معائنہ کیا گیا۔ معائنہ کنندگان کا بیان ہے کہ سولہ برس کی عمر کے بعد طلبہ کسی نہ کسی عارضہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ مجموعی طور پر (۵۸ء۶۸) طلبہ کو باقاعدہ علاج کی ضرورت ہے۔ اس سے واضح ہے کہ ہمارے طلبہ کی جسمانی حالت نہایت اندوہناک ہے۔

سنہ ۱۹۲۱ء کے اعداد و شمار کی رپورٹ کے بموجب خواندہ نفوس کی تعداد فی ہزار

حسب ذیل :—

	ہندو		مسلمان	
	مرد	عورت	مرد	عورت
ریاست بڑودہ	۲۳۴	۴۲	۳۰۹	۴۸
" گوالیار	۶۰	[illegible]	۱۴۲	۲۶
" کشمیر	۱۲۴	۶	۲۰	۱
" میسور	۱۳۳	۱۶	۲۹۰	۶۳
" ٹراونکور	۳۷۱	۱۴۶	۲۳۰	۵۰
" حیدرآباد	۴۷	۴	۱۴۰	۳۵

بظاہر مسلمانوں کی تعداد اچھی خاصی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقتاً یہ درست نہیں کیونکہ ہندوؤں میں سینکڑوں فرقے ہیں۔ فرقہ بر سر بجاط تعلیم اپنا مدمقابل نہیں رکھتا لیکن دوسرے فرقے جن کی مجموعی تعداد بہت زیادہ ہے اعداد کی تعلیمی حالت پست ہے محض اپنی کثرت تعداد کے باعث اوسط کو خراب کر دیتے ہیں۔ البتہ مسلمان عورتوں میں خواندہ کی تعداد زیادہ ہے۔ لیکن وہ بھی قابل فخر نہیں کیونکہ جو کوئی قرآن شریف بغیر سمجھے بوجھے پڑھنا سیکھ لے اور چاہے مادری زبان سے بالکل بے بہرہ ہو۔ اس کا شمار بھی خواندہ میں کر لیا جاتا ہے۔ ان نقائص کے اعداد و شمار کرنے والے ذمہ دار نہیں ہیں۔ بلکہ اعداد و شمار بتلانے والوں کی جہالت ہے۔

اردو رسالوں میں المعلم کو منجملہ اور خصوصیات کے ایک ایسی خصوصیت کا فخر حاصل ہے کہ جس کی ڈھونڈے مثال نہ ملیگی۔ وہ یہ ہے کہ اس کے ایک کرم فرما (صوبہ گلبرگہ کے ناظرین نے تو فوراً ان کو پہچان لیا ہوگا) ہر ماہ کے پرچہ کو صرف تنقیدی

نظر سے ہی ملاحظہ نہیں فرماتے بلکہ ہر پرچہ کی مفصل تنقید تحریر فرما کر مدیران کی ... فرماتے رہتے ہیں تنقید سخت ہوتی ہے۔ اس میں کہیں کہیں ایسے جملے بھی ہوتے ہیں جو مدیران کو چوکنا کر دیتے ہیں۔ لیکن تعریف کا حاشیہ اس کیفیت کو دُور کر دیتی ہے۔ صاحب ممدوح یہ زحمت محض المعلم سے اس گہری دلچسپی کے باعث اٹھاتے ہیں۔ جو محبت کے درجہ تک پہنچ گئی ہے۔ ہم ان کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم ان کی تنقید کی محبت سے قدر کرتے ہیں اور ان کو اطمینان دلاتے ہیں کہ ہماری انتہائی کوشش ہے کہ نقائص برآمدہ کو دُور کر کے ہم المعلم کو ایسا ہی رسالہ بنا دیں جیسی کہ اُن کی تمنا ہے۔

ناظم تعلیمات صوبہ بنگال نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ہندوستانی موسیقی داخل فضا مدارس ہونا چاہیئے۔ مغربی مدارس میں تو ابتدا ہی سے موسیقی پر زور دیا جاتا ہے لیکن ہمارے مدارس کے نصاب میں اس کی شرکت ایک اہم مسئلہ ہے۔ وزیر تعلیمات صوبہ بنگال نے یہ تصفیہ کر دیا ہے کہ مدارس میں فن موسیقی کی تعلیم دینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔

نتیجہ امتحان ہائی اسکول لیونگ سرٹیفکیٹ

بابتہ ۱۳۳۶ف

نمبر	نام امیدوار	درجہ کامیابی
	عثمانیہ انٹرمیڈیٹ کالج اورنگ آباد	
	۲۱ شریک ۱۶ کامیاب	
۳	بالکرشن رالے	سوم
۴	چندر شیکھر مولے	دوم
۵	وتاتری آر آر ے	سوم
۶	ڈگمبر بن مرگھے	سوم
۷	درگا داس آر سمگ	دوم
۹	غلام احمد	سوم
۱۰	غلام جیلانی	سوم
۱۱	اسرائیل یونگ اسٹون	سوم
۱۲	کاشی ناتھ کے سنوئی	سوم
۱۳	کاشی ناتھ آر پرانجپے	دوم
۱۴	محمد عبدالعلی	دوم
۱۵	محمد عبدالحی	دوم
۱۶	محمد عبدالمجیب	سوم
۱۷	محمد عبدالشکور	سوم
۱۹	یم یس گنگادھر	سوم
۲۱	وشنوبی دیشمکھ	سوم
	چادر گھاٹ ہائی اسکول	
	۶۸ شریک ۶۱ کامیاب	
۲۲	ابوالمظفر عون اللہ	سوم
۲۳	اے راجیندر راؤ	سوم
۲۵	بھارت سین راؤ	دوم
۲۹	سی جی سندر ناتھ	دوم
۳۰	سی وردا چاری	دوم
۳۱	وسنتھ ریڈی	سوم
۳۲	وتاتری جی اتھامار	دوم
۳۳	وتاتری تانڈیڈ ماڈیکر	سوم
۳۴	وتاتری بن اوگیکر	سوم
۳۵	غلام محمد باقر	دوم
۳۶	حبیب یوسف	سوم
۳۷	حامد مرزا	سوم
۳۸	ہری رام نرنیا	دوم
۳۹	کے ارنا چلم	دوم
۴۰	کاشی ناتھ پھڑکے	سوم
۴۱	کے ہنمنت راؤ	دوم

نمبر	نام میدوار	درجہ کامیابی
۴۲	کے ناکیس او	دوم
۴۳	لکشمن وی پروہت	اول
۴۴	[illegible]	
۴۵	یم وتاتری	سوم
۴۷	یم جگناتھ راؤ	سوم
۴۸	میر افضل حسین	دوم
۵۱	محمد عبدالرزاق	سوم
۵۲	محمد [illegible]	سوم
۵۳	محمد غوث	سوم
۵۴	محمد حبیب اللہ فاروقی	سوم
۵۵	محمد [illegible] خاں	دوم
۵۸	محمد شفیع الدین	دوم
۶۰	معین الدین احمد	دوم
۶۱	ناگیندر بہادر	دوم
۶۲	ناگوراؤ جج کورکر	دوم
۶۳	نذیر حسین افندی	سوم
۶۴	پی پی رنگاچاری	دوم
۶۵	پرشوتم لے لے	سوم
۶۶	آر رامیہ پتی	دوم
۶۷	آر چندر شیکرم	دوم
۷۰	سید الحق	دوم
۷۱	سیتا نارائن سنگھ	سوم
۷۲	شیخ آدم	سوم
۷۳	یس شنکر راؤ	دوم
۷۴	یس رامیا	سوم
۷۵	سید عبدالمجید	سوم
۷۶	سید علی	سوم
۷۸	سید برخوردار علی	دوم
۷۹	سید خواجہ برکت اللہ	سوم
۸۰	سید مہدی علی	دوم
۸۱	سید محمد حسن	سوم
۸۲	سید محمد خاں	سوم
۸۳	سید محمد رضا	دوم
۸۴	سید یوسف حسین	دوم
۸۵	یس سوبھو۔ اول ٹوکھلے سکار	
۸۶	ٹی گوپال	دوم
۸۷	ٹی لکشما	دوم
۸۸	ٹی راجیشور ریڈی	دوم
۸۹	ٹی یس رگھوتم راؤ	دوم
۹۰	واسدیو یس کھلاپورکر	دوم
۹۲	وی رنگناتھ راؤ	سوم
۹۳	وینکٹ راؤ دیشپانڈے	دوم
۹۴	وینوگوپال شوراپورکر	دوم
۹۵	ہاروی ورداراجینتور او	
۹۶	ظہیر احمد خاں	سوم

سٹی کالیجیٹ اسکول

۶۰ شریک ۲۰ کامیاب

۹۷	عبدالحمید بیگ	
۹۸	احمد عبدالعلیم	دوم
۱۰۰	احمد فاروق بیگ	دوم
۱۰۱	احمد [illegible]	
۱۰۲	اے کے رام راؤ	سوم
۱۰۳	الوپ گیر گوسوامی	دوم
۱۰۴	بابر علی مرزا	سوم
۱۰۵	بی کے کشن راؤ	سوم
۱۰۶	دھن پرن لال	سوم
۱۰۷	ڈی ناگیا	دوم
۱۰۸	ڈی راگھویندر راؤ	دوم
۱۰۹	ایکناتھ پرشاد	سوم
۱۱۴	غلام شفیع خاں	دوم
۱۱۵	حمید الدین خاں	سوم
۱۱۶	جگدیش نرائن	دوم
۱۱۷	کے پدمنا بھا ریڈی	دوم
۱۱۸	کے راجندر راؤ	دوم
۱۱۹	لکشمی نرائن	سوم
۱۲۰	مانک راؤ	سوم
۱۲۱	یم نظر حسین صدیقی	سوم
۱۲۲	یم وینکٹ چلم	دوم
۱۲۳	میر اقبال علیخاں	سوم
۱۲۴	میر لطیف علی	دوم
۱۲۵	مرزا حمید اللہ بیگ	سوم
۱۲۶	مرزا محمد تقی خاں	دوم
۱۲۷	محمد عبدالحفیظ	دوم
۱۲۸	محمد عبدالقادر	دوم
۱۲۹	محمد علی خاں	سوم
۱۳۰	محمد افضل الدین نظامی	دوم
۱۳۱	محمد احمد علی	سوم
۱۳۲	محمد اسداللہ	دوم
۱۳۳	محمد اعظم	دوم
۱۳۴	محمد معین الدین علیخاں	سوم
۱۳۵	محمد معین الدین شریف	دوم

نمبر	نام میدوار	درجہ کامیابی
۱۳۶	محمد منظور حسین صدیقی	دوم
۱۳۹	ٹیل کنٹ راؤ چم [illegible]	سوم
۱۴۰	ین وینکٹ رام [illegible]	سوم
۱۴۱	پنشا	سوم
۱۴۳	رام چندر کاشیکر	دوم
۱۴۴	رام کشن راؤ	سوم
۱۴۵	ین الدین احمد قریشی	دوم
۱۴۶	سکھا رام	سوم
۱۴۷	سالم بن ہادی	دوم
۱۴۸	بن ستا [illegible] نا	دوم
۱۵۱	سورج بی	سوم
۱۵۳	سید عبدالغفار	دوم
۱۵۴	سید یاد شاہ حسین	دوم
۱۵۵	سید ہادی علی	دوم
۱۵۷	سید محی الدین قادر	سوم
۱۶۰	سید صادق	دوم
۱۶۱	سید شرف الدین	دوم
۱۶۳	ٹی اتارام شر [illegible]	سوم
۱۶۴	ترمک لا [illegible]	دوم
۱۶۵	ٹی [illegible] رائے	دوم
۱۶۶	وی جن راؤ	سوم
۱۶۷	وی بھیم راؤ	دوم
۱۶۸	ظہور الدین احمد	دوم

گلبرگہ ہائی اسکول

۱۴ شریک ۱۲ کامیاب

۱۶۹	بھیم راؤ کلکرنی	سوم
۱۷۰	کرشناجی نارائن راؤ	سوم
۱۷۱	محمد عبدالواحد صدیقی	اول
۱۷۲	محمد منیر الزماں	سوم
۱۷۳	محمد صالح	دوم
۱۷۴	محمد طاہر صدیقی	سوم
۱۷۶	راگھویندر ٹیلور	سوم
۱۷۷	شاہ حمید اللہ غفاری	سوم
۱۷۹	شیو کمار لال	دوم
۱۸۰	یس ورنا	سوم
۱۸۱	ترل راؤ گنگاوتی	دوم
۱۸۲	وجیا چاری	سوم

مدرسۂ عالیہ

۱۰ شریک ۹ کامیاب

۱۸۳	محمد اختر	سوم
۱۸۴	میر افتخار علی	دوم
۱۸۵	میر مخدوم علی	سوم
۱۸۶	میر سبحان علی	سوم
۱۸۷	محمد عبدالحی	سوم
۱۸۸	محمد عبدالواحد	دوم
۱۸۹	محمد فریدالدین خاں	سوم
۱۹۰	محمد رحیم الدین خاں	سوم
۱۹۱	محمد سراج الدین خاں	دوم

مدرسۂ فنانیہ انگریزی درجہ ننگ

۱۵ شریک ۱۱ کامیاب

۱۹۳	بی کشن راؤ	سوم
۱۹۵	بنجی رامرا راؤ	اول
۱۹۶	کے رامانجولو نائڈو	سوم
۱۹۸	کے پنیا	سوم
۱۹۹	محمد نذیر احمد	سوم
۲۰۰	ین۔ یم پیٹر	سوم
۲۰۲	ین رادھا کشن راؤ	سوم
۲۰۳	ین رامرا راؤ	دوم
۲۰۴	آر پارتھا ساردی	سوم
۲۰۵	سید محمود علی	سوم
۲۰۷	وی نرسل راؤ	سوم

زنانہ کالج نام پلی

۵ شریک ۴ کامیاب

۲۰۹	بشیر النسا بیگم	دوم
۲۱۰	نجم النسا بیگم	دوم
۲۱۱	ساجدہ بیگم	سوم
۲۱۲	سلامت النسا بیگم	سوم

آل سینٹس انسٹیٹیوشن

۲۰ شریک ۸ کامیاب

۲۱۵	جگناتھ راؤ بھرنویس	سوم
۲۱۶	لطیف حسن	سوم
۲۱۸	میر ہاشم علی زیدی	سوم
۲۱۹	مہرجی رستم جی	دوم
۲۲۱	محمد عبداللہ خاں	سوم
۲۲۳	محمد معین الدین	سوم
۲۲۷	شیخ محمد حسین	سوم
۲۳۰	ٹی۔ اے مارس	دوم

نمبر۔ نام امیدوار درجہ کامیابی

اسلامیہ ہائی اسکول سکندرآباد

۹ شریک ۷ کامیاب

۲۰۱۔ عبدالرحمن شریف سوم
۲۳۴۔ دوست محمد علاؤالدین دوم
۲۳۵۔ محمود خان دوم
۲۳۷۔ محمد سلطان محی الدین سوم
۲۳۸۔ ریناڈ جیکب دوم
۲۳۹۔ شیخ امین دوم
۲۴۰۔ یس کے راجیشور سوم

محبوب کالج سکندرآباد

۴۳ شریک ۳۶ کامیاب

۲۴۴۔ اے وی راہ نوجم دوم
۲۴۶۔ بی رام چندر سوم
۲۴۸۔ سی سدرشن راؤ دوم
۲۴۹۔ سی کے کشن راؤ سوم
۲۵۰۔ سی یم پدما راؤ دوم
۲۵۱۔ سی وینکٹ بھیم سوم
۲۵۲۔ ڈی کلمن نرائن دوم
۲۵۳۔ ڈی آر سرینواس راؤ سوم
۲۵۴۔ اے ایچ ستانارائن سوم
۲۵۵۔ ای نارائن سوامی دوم
۲۵۶۔ جی پرماکر راؤ سوم
۲۵۷۔ جے پرمانند اسوی دوم
۲۵۸۔ جے پارتھا سارتھی سوم
۲۵۹۔ جے گیریس پارکھ سوم
۲۶۰۔ کے ایا راؤ سوم
۲۶۲۔ کے بی جلیس دوم
۲۶۳۔ کے آر جانی راج سوم
۲۶۶۔ محمد عبدالولی سوم
۲۶۷۔ محمد ابوالخیر سوم
۲۶۹۔ محمد حسین دوم
۲۷۰۔ محمد یوسف دوم
۲۷۲۔ یم یس وینکٹیسن دوم
۲۷۳۔ یس رام راجم سوم
۲۷۴۔ ادوی کرشنا چاری سوم
۲۷۵۔ پی کے ایا دوم
۲۷۶۔ پی رمیش چندر دوم
۲۷۷۔ پی وی کرشنا راؤ سوم
۲۷۸۔ رابرٹ جارج ڈاڈنج دوم
۲۷۹۔ آر۔ مجے لکشمن سوم
۲۸۰۔ آر رنگنا ریڈی سوم
۲۸۱۔ آر۔ یوگوپال سوم
۲۸۲۔ آر۔ ی کرونا کر سوم
۲۸۴۔ یس رمیہ سودن دوم
۲۸۸۔ ٹی۔ رنگ سوامی دوم
۲۸۹۔ ٹی سوریا راؤ دوم
۲۹۰۔ وی۔ ڈی۔ بچو سوم

مدرسۂ اعزہ

۷ شریک ۴ کامیاب

۲۹۳۔ خواجہ محمد قمرالدین سوم
۲۹۵۔ محمد سید افتخار، سوم
۲۹۶۔ مرزا نیر حسین سوم
۲۹۷۔ محمد حسن امین حقانی دوم

سنٹھ ٹ بازار ہائی اسکول

۲ شریک ۲ کامیاب

۲۹۹ ہیا جاب دوم
۳۰۰۔ کے جیو رتنم دوم
۳۰۱۔ ے جوناتھن دوم
۳۰۴۔ وی ارامن سوم

وسطانیہ ہائی اسکول سکندرآباد

۲۱ شریک ۱۸ کامیاب

۳۰۵۔ وی راما لنگم سوم
۳۰۶۔ بی آر کشنیا سوم
۳۰۸۔ سی جارج دوم
۳۰۹۔ سی بچی راج دوم
۳۱۱۔ جی برن دوم
۳۱۲۔ جی کرشنا سوامی سوم
۳۱۳۔ غلام محمد خاں سوم
۳۱۴۔ کے لبان وسسی دوم
۳۱۵۔ کے روبن سوم
۳۱۶۔ بلی سبا راؤ سوم
۳۱۸۔ پی جان سندرم سوم
۳۱۹۔ پی اے پدما راؤ دوم
۳۲۰۔ آر ورپرسا لنگم سوم
۳۲۱۔ سلیسٹول ڈیوراکرم سوم
۳۲۲۔ یس راجہ راؤ دوم
۳۲۳۔ یس وی ڈیسکن اول
۳۲۴۔ ٹی۔ وی نرسم سوم
۳۲۵۔ وی سومیا سوم

نمبر۔ نام امیدوار درجہ کامیابی

اشٹانگی گرلس ہائی اسکول

۱۳ شریک ۴ کامیاب

۳۲۷۔ گنالوتی سیبا سوم
۳۳۰۔ للی جاب دوم
۳۳۳۔ میری بال سوم
۳۳۴۔ [illegible] کپا بسویا دوم

خانگی

۴۱ شریک ۱۶ کامیاب

۳۴۰۔ اے بل نرنجن سوم
۳۴۲۔ سی وینکٹیشور راؤ سوم
۳۴۰۔ وی برن سی پشنگ سوم
۳۵۰۔ جی ساموئیل سوم
۳۵۱۔ ایشور داس سوم
۳۵۷۔ مانک راؤ سوم
۳۵۹۔ یم سرکر شنا ایے سوم
۳۶۸۔ پانڈورنگ دھاور کر سوم
۳۶۹۔ پی لکشمیا سوم
۳۷۱۔ ستیا نرائن سوم
۳۷۴۔ یس رام کرشنا ریڈی سوم
۳۷۵۔ سید عبدالحسان سوم
۳۷۶۔ سید احمد غوث سوم
۳۸۱۔ محمد زین العابدین سوم
۳۸۲۔ الزبت نا ایلی سوم
۳۸۳۔ للی کر میا جیمس سوم

مدرسین

۸ شریک ۲ کامیاب

۳۸۹۔ کے بل سالین سوم
۳۹۰۔ محمد لیاقت علی سعید سوم

نمبر۔ نام

ضمیمہ

گورنمنٹ ہائی اسکول چارگھاٹ

[illegible] اللہ دوم
[illegible] ے دوم
۴۴۔ یم وکام برم دوم
۴۵۔ یم وتاتری دوم
۴۷۔ یم جگناتھ راؤ دوم
۵۴۔ محمد حبیب اللہ فاروقی دوم

گورنمنٹ سٹی کالج

۱۰۲۔ اے کے رام راؤ دوم
۱۲۳۔ سید اقبال علی خاں دوم
۱۲۵۔ مرزا احمد اللہ بیگ دوم
۱۲۹۔ محمد علی خاں دوم
۱۳۱۔ نلکنٹھ راؤ چادوری دوم
۱۴۶۔ سکھا رام دوم
۱۵۷۔ سید محی الدین قادری دوم
۱۶۳۔ ٹی آتما رام شرما دوم

گورنمنٹ ہائی اسکول گلبرگہ

۱۷۴۔ محمد طاہر صدیقی دوم

اسلامیہ ہائی اسکول سکندرآباد

۱۳۷۔ محمد سلطان محی الدین دوم

محبوب کالج سکندرآباد

۲۵۳۔ ڈی آر سندار اسیر نرس راؤ دوم
۲۶۶۔ محمد عبدالولی دوم
۲۷۹۔ آر۔ مجے لکشمن دوم
۲۸۱۔ آر۔ یوگوپال دوم

اعلان

اعلانِ صدر نظامت تعلیمات ملک سرکار عالی

واقع ۵ اردی بہشت سنہ ۱۳۳۶ف

مقدمہ

منجانب دربار دولت مدار جناب مہتمم صاحبان تعلیمات ملک سرکار عالی شرکت نصاب تعلیم دکن موافق ٹوپی صاحب کن دارالترجمہ سرکار عالی

جناب صدر مہتمم صاحبان تعلیمات اضلاع بلدہ صدر مہتمم صاحبہ مدارس نسواں بر مہتمم صاحبان بینگ کالج بلدہ وسٹی کالجٹ اسکول کلکٹر صاحب

سپرنٹنڈنٹ بینگ آباد جاگیردار کالج بیگم پیٹہ وپرنسپل صاحبہ زنانہ کالج ناصر عبویہ گرلز اسکول حیدرآباد وصدر مدرس غوثیہ دارالضرب کالج

بمبئی

مقدمہ رسالہ عنوان نگارش ہے کہ تاریخ مولفہ مولوی سید ہاشمی صاحب کن دارالترجمہ سرکار عالی کو

جماعت چہارم تا نورتھ اسٹینڈرڈ اور فرسٹ ارم طبقہ وسطانیہ مدارس سرکار عالی میں مروجہ ۱۳۳۶ف

سے پاس نصاب کرنے کی منظوری بذریعہ اسلیہ محکمہ سرکار صیغہ تعلیمات نشان ۴۲ مورخہ ۱۴ اردی بہشت ۱۳۳۶ف

صادر ہوئی ان جماعتوں میں اس وقت جو تاریخیں پڑھائی جاتی ہیں وہ امرادسنہ ۱۳۳۶ف سے متعلق زبانی

جائیں اور سال تعلیمی ۱۳۳۶ف سے تاریخ کی پڑھائی کا بندوبست فرمایا جائے۔ یہ تاریخ ماہ

جون سنہ ۱۳۳۶ف تک طبع ہو جائے گی اور حیدرآباد کے کل کتب فروشوں سے مل سکتی ہے۔

۲) ۔ فرا اطلاعاً بخدمت مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ سرکار عالی مرسل ہے۔

حسب مسودہ دستخطی جناب ناظم صاحب بادر شرح دستخط

مددگار ناظم تعلیمات

تعلیمی کتب

"حمایت الحساب"

(از)

غلام رسول مدرس گورنمنٹ سٹی کالج سکول

(۱) حمایت الحساب صغیر جماعت کیلئے۔ بلا ضمیمہ۔ قیمت ۴ر۶ (۴) حمایت الحساب۔ دوسری جماعت کیلئے قیمت ۶ر۶

(۲) " " مع ضمیمہ (استادوں کیلئے) " ۸ر۶ (۵) " " تیسری " " ۱۲ر

(۳) " " پہلی جماعت کے لئے ۷ر (۶) " " چوتھی " " ۱۴ر

"معلومات دیہی"

(از)

غلام رسول مدرس گورنمنٹ سٹی کالج سکول

یہ کتاب ٹیکسٹ بک کمیٹی سررشتہ تعلیم ملک سرکار عالی کی بموجب گشتی نشان ۸۸ مورخہ ۵ ر دے سنہ ۱۳۳۶ف منظور کردہ ہے۔ یہ مضمون ہے جس کی تعلیم مدارس سرکاری میں تقریباً ۱۲ سال سے بالکل ادھوری ہو رہی تھی۔ بموجب نصاب تعلیم اس کو دو حصوں میں تیار کیا گیا ہے۔ جن سے نصاب کی غرض و مدعا کما حقہ پوری ہو سکتی ہے۔ حصۂ اول جماعت سوم کے لئے اور حصۂ دوم جماعت چہارم کے لئے۔ ہر ایک کی قیمت ترتیب ۲ر۶ اور ۴ر۶ ہے

ملنے کا پتہ:- مکتبۂ ابراہیمیہ امداد باہمی سٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

بچوں کا قاعدہ

مرتبہ سجاد مرزا۔ ایم۔ اے۔ (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ

(داخل نصاب سررشتۂ تعلیمات صوبہ متوسط و برار)

(اقتباس از چہ آرا)

ڈاکٹر سر محمد اقبال۔ اقبال | جہاں تک میرا اندازہ کرسکا ہوں آپ کا قاعدہ صحیح علمی اصول پر مبنی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپکا تجربہ طریق بچوں کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا۔ میں بھی اپنے بچہ پر اس کا تجربہ کرونگا۔

مولوی سید علی اکبر صاحب بی۔ اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات بلدہ | آپ کا قاعدہ دیدہ زیب ہے اور چھوٹے لڑکے لڑکیوں کا دل لبھاتا ہے۔ میرا لڑکا جس کی عمر تقریباً پانچ برس کی ہے آپ ہی کا قاعدہ پڑھ رہا ہے اور اس قاعدہ کو اسی قدر پسند کرتا ہے کہ اس کے خراب ہونے کے ڈر سے دوسروں کو چھونے تک نہیں دیتا۔ اگر مدرسین آپ کی ہدایت کے مطابق احتیاط سے عمل کریں تو بیشک آپکا قاعدہ جماعت صغیرہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔

مسٹر اینگر صاحب صدر مہتمم مدارس نسوان حیدرآباد دکن | میں نے ذاتی خود آپ کا قاعدہ خرید لیا اور میرا ارادہ ہے کہ اس کو اپنے تمام مدارس میں رائج کردوں۔

مولوی فیروز الدین صاحب ایم۔ اے پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ | آپ کا قاعدہ بہت عمدہ اور دلچسپ ہے افتتاح یونیورسٹی پر میں اس کو یہاں کے مدرسہ میں رائج کرانے کی کوشش کرونگا۔

یہ قاعدہ جو اپنی آپ نظیر ہے اور صوبہ متوسط و برار میں داخل نصاب ہوچکا ہے ہمارے ڈپو سے قیمت ۴ نقد فی نسخہ مل سکتا ہے۔ مدارس و تاجران کتب کو مناسب کمیشن دیا جاتا ہے۔ ہمارے بک ڈپو میں نہایت عمدہ انگریزی کتب و بچوں کی دلچسپی کے تعلیمی کھیل و اسٹیشنری کا سامان عمدہ و ارزاں موجود ہے۔ ۱۹۲۷ء کے عجیب و غریب کیلنڈر و دلکش و دلگداز تصاویر و پوسٹ کارڈ کا بہترین ذخیرہ ہے۔

دی حیدرآباد بک ڈپو چادر گھاٹ حیدرآباد دکن

المعلم جلد ۳ نمبر ۳۶ و ۳۷
۵ ک ۳۷۰
آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔